جلد سوم

از

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی
نور اللہ مرقدہ

مرتبہ
حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

خطبات احتشام

ملنے کے پتے

- ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- حبیب اکیڈمی۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- مکتبہ امدادیہ۔ بیت الاشرف باغ حیات سکھر
- مکتبہ العارفی۔ جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
- ادارہ اسلامیات۔ انارکلی لاہور
- مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار لاہور
- مولانا محمد اقبال نعمانی۔ مکی مسجد کراچی

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد

خطبات احتشام (جلد سوم) آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آج خطبات کا دور دورہ ہے۔ عام مقررین کے خطبات بھی پسندیدہ نظروں سے دیکھے جا رہے ہیں اور مولاناؒ کے خطبات کا تو کیا کہنا۔

ہم جناب محترم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب مدظلہ العالی کے ممنون ہیں کہ انھوں نے یہ کام کر کے ہمیں طباعت کے لئے عنایت فرمایا۔ اللہ پاک مزید بھی آگے بڑھانے کی توفیق دے اور شرف قبولیت عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین!

محمد اسحاق عفی عنہ

فہرست

صفحہ

سلامتی کا راستہ ۱۴۶

اصلاح باطن اور خوف خدا ۱۶۱

اسلامی تعلیمات ۱۸۱

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ خطبات احتشام کو اہل علم و نظر کی طرف سے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی ہے اس کی پہلی جلد کی مقبولیت کے بعد دوسری جلد منظر عام پر آئی اور اب تیسری جلد حاضر خدمت ہے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس جلد کو بھی شرف قبولیت بخشیں اور ہمارے لئے دین و دنیا کے فوائد سے خیر و برکت، اصلاح، فلاح اور ذریعہ نجات آخرت بنائیں آمین

قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ کتاب میں بندہ ناچیز کی نااہلی سے یا کمپیوٹر سے جو غلطیاں رہ گئی ہوں تو ان کی اصلاح فرماتے ہوئے بندہ ناچیز یا ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کو ضرور مطلع فرمائیں اور ہماری کوتاہیوں کو معاف فرماتے ہوئے مرتب و ناشر کے حق میں دعائے خیر فرماتے رہیں۔

آخر میں برادر عزیز مولانا سید عبدالقدوس ترمذی اور محترم حاجی مشتاق احمد صاحب آف پشاور کا دل کی گہرائیوں سے شکر ادا کیا جاتا ہے کہ جنہوں نے بندہ کی درخواست پر کثیر تعداد میں کیسٹوں سے نقل فرما کر بندہ ناچیز کیلئے ارسال فرمائیں۔ اور اس سلسلہ میں مدیر صاحب ماہنامہ الخیر ملتان، مدیر صاحب المحسن لاہور اور ناظم صاحب الخیر ملتان کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بندہ ناچیز سے تعاون فرمایا اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ محترم و مکرم حافظ الحاج مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہ مالک ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کا خلوص دل سے شکر گذار ہوں کہ جنہوں نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ یہ عظیم الشان تالیف اپنے ادارہ سے شائع فرمائی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

دعا کا طالب

بندہ ناچیز محمد اکبر شاہ بخاری

یکم رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

ضروری وضاحت

خطبات احتشام جلد اول کے شروع میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی قدس سرہ کی حیات طیبہ کے چند پہلوؤں سے متعلق ایک تعارفی مضمون قاری تنویر احمد شریفی کا لکھا ہوا شامل ہے جس سے ان کی عظیم المرتبت شخصیت پر قدرے روشنی پڑتی ہے اس حصہ میں صفحہ ۵۳ پر ڈاکٹر اسرار صاحب کی کتاب شیخ ہند اور تنظیم اسلامی کے حوالہ سے جامعہ اشرفیہ لاہور کے خطبہ جمعہ کی ایک تقریر کا اقتباس پیش کیا گیا ہے جس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی مرحوم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاست اور اصابت رائے کے بہت قائل ہو گئے تھے اور یہی تاثر اس اقتباس کے حوالے سے چراغ محمد وغیرہ کتاب میں بھی ظاہر کیا گیا ہے اگر اس سے مولانا تھانوی مرحوم کے نظریہ کی تبدیلی مراد ہے تو پھر صحیح یہ ہے کہ یہ تاثر خوش فہمی پر مبنی ہے۔ البتہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اچھا جذبہ یہ بات متقی ہی صاحب اور ان کی احترام اور خلوص پر مبنی تھی مگر حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں ہمیشہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کے زبردست حامی اور پرجوش داعی رہے ہیں جو ان دونوں حضرات کے نظریہ پاکستان کے عظیم ترجمان کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرماتے رہے ہیں آپ کی تقاریر بیانات نیز تحریر اس پر گواہ ہیں۔ اس لئے مولانا کے مذکورہ اقتباس سے اس تاثر کو فروغ دینا قطعاً بے جا ہے۔ حکمران طبقہ کی بے راہ روی اور اسلامی تعلیمات سے دوری پہلے بھی ان حضرات کے پیش نظر تھی مگر انہوں نے جس نظریہ اور جذبہ پر پاکستان کی حمایت کی تھی وہ نظریہ ایسا تھا کہ حکمرانوں کی غلط اسلام کے برعکس روش یا عمل سے اس کو تبدیل کر دیا جاتا۔ چونکہ اس سے مولانا کے متعلق ان کے نظریہ کی تبدیلی کا شبہ ممکن تھا اس لئے ہماری رائے میں اس پر تنبیہ اور وضاحت ضروری تھی۔ باقی مولانا کے سیاسی مسلک و

نظریات کی تفصیلات احقر کی کتاب حیات احتشام میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

خطبات احتشام کے بارے میں
مشاہیر علماء کرام کی آرائے گرامی

راس الاتقیاء فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہ العالی

خطبات احتشام مرتبہ، عزیزم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ نظر سے گذری ہے ماشاء اللہ، عزیز سلمہ نے اپنے اکابر سے عقیدت و محبت کا حق ادا کر دیا ہے عزیز سلمہ کی متعدد تالیفات اس سلسلہ میں منظر عام پر آئی ہیں اور اب نئی تالیفات میں حیات احتشام اور خطبات احتشام نہایت ہی مفید اور دلآویز تصنیفات ہیں، آج کے اس پر فتن دور میں اکابر علماء و صلحاء کے ارشادات و فرمودات اور خطبات، مواعظ حسنہ کی اشد ضرورت ہے، حق تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائیں اور اس محنت و جانفشانی کو حق تعالیٰ اپنی رضاء کاملہ کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

جامع المعقول و المنقول حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمن اشرفی صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

آپ کی مرتب کردہ تالیف لطیف خطبات احتشام موصول ہوئی دلی مسرت ہوئی ہے۔ آپ کی اس محنت اور اکابر سے تعلق و محبت پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں آپ بڑا عظیم کام کر رہے ہیں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے یہ خطبات آپ نے جمع فرما کر اہل اسلام پر احسان فرمایا ہے۔ جزاکم اللہ۔

حق تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔

مفکر اسلام حضرت العلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ دارالعلوم کراچی

محترمی و مکرمی برادرم حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کی دونوں کتابیں پچاس مثالی شخصیات، خطبات احتشام مل گئی ہیں، جزاکم اللہ تعالیٰ، دل خوش ہوا۔ بفضلہ تعالیٰ بہت اچھی کتابیں چھپ گئی ہیں، خطبات احتشام کی فہرست اور ابتدائی چند صفحات دیکھے ہیں ماشاء اللہ آپ نے نہایت مفید کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور نافع بنائیں آمین۔

اللہ تعالیٰ آپ کو خدمات دینیہ کیلئے موفق فرمائیں، ایک سفر کیلئے پابرکاب ہوں اور جلدی میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

والسلام

محمد تقی عثمانی

۲۳-۶-۱۴۱۸ھ

خطیب اسلام محترم جناب مولانا سید عبدالقادر آزاد مدظلہ بادشاہی مسجد لاہور۔

آج ہی خطبات احتشام موصول ہوئی ہے جزاکم اللہ خیرا۔ آپ نے اکابر دیوبند پر کام کر کے محبت کا حق ادا کیا ہے اس سے قبل بھی آپ نے ایک بڑی اہم ضرورت کو پورا فرمایا تھا کاش وہ کتاب قیام پاکستان کے فوراً بعد لکھی جاتی مگر افسوس علماء نے اس طرف توجہ نہ دی، تحریک پاکستان اور علماء دیوبند آپ کی کتاب اس قابل ہے کہ اسے دینی مدارس میں شامل نصاب کیا جائے اور اس کی تلخیص حکومتی سطح کے سکولوں کے نصاب میں شامل ہو، چونکہ ابھی تک تشکیل پاکستان کا یہ عظیم تاریخی گوشہ نظروں سے اوجھل تھا۔ آپ نے عوام وخواص میں اسے روشناس کرا کے ملت پاکستان پر احسان فرمایا ہے خطبات احتشام بھی بہت خوب ہے، خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات تو نور علی نور ہوتے تھے انہوں نے قیام پاکستان کیلئے جو عظیم خدمات انجام دیں وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی، مولانا مرحوم تو حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

اور حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے دست راست رہے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کی اس کتاب کو بھی قبول عام فرمائیں۔ آمین

جانشین خطیب پاکستان صاحبزادہ جناب مولانا قاری تنویر الحق تھانوی مدظلہ مہتمم جامعہ احتشامیہ کراچی

خطبات احتشام اور ۵۰ مثالی شخصیات جیسے شاہکار موصول ہو گئے ہیں۔ دل بے حد خوش ہوا ہے اور کتاب پر ہر پہلو سے آپ کی محنت اور ذوق و شوق لگن اور ہمہ تومیت کی مساعی اور کاوشوں پر دلالت کرتی ہے، کتاب کا سائز، ٹائیٹل، چھپائی پر ہر چیز کو دیدہ زیب اور پرکشش پایا ہے، میں آپ کی محنت شاقہ اور مساعی کی دل و جان سے قدر کرتا ہوں مگر سرسری مطالعہ سے معلوم ہوا کہ کتاب میں بہت سی اغلاط رہ گئی ہیں خاص طور پر اشعار میں، اس طرح شعر کا سارا مزہ ہی کرکرا ہو جاتا ہے، میری استدعا ہے کہ آپ کتاب کی اصلاح کا مہتم بالشان اہتمام کریں تاکہ مجھ سمیت لاکھوں مسلمانوں کیلئے قابل قبول ہو، میں بھی اس پر تصحیح کا کام کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطاء فرمائیں آمین۔

حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی صاحب

مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیروالی

آپ کی یہ کتاب خطبات احتشام اور دیگر متعدد تصانیف کے مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، عرصہ سے اخبارات و رسائل میں اکثر آپ کے مضامین پڑھتا تھا جس کی وجہ سے آپ سے دلی و قلبی محبت تھی پھر جب حضرت مولانا سے مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب کی زبانی آپ کی علمی و تصنیفی خدمات سنیں تو محبت میں مزید اضافہ ہوا ہے، اللہ کرے آپ کا زور قلم اور زیادہ ہو، آپ کی تصانیف و مقالات سے اکابر کے حالات اور ملفوظات سے آگاہی حاصل ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاحب قلم بنایا ہے، ہم آپ کیلئے دعاگو رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ آمین

محترم جناب مولانا محمد سعد صدیقی صاحب

ریسرچ آفیسر قائد اعظم لائبریری لاہور

محترم و مکرم جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب کی متعدد تصانیف نظر سے گذری ہیں جن میں اکابر علماء دیوبند تحریک پاکستان اور علماء دیوبند ذکر طیب، شیخ الاسلام پاکستان تذکرہ خطیب الامت حیات احتشام کاروان تھانوی مفتی اعظم پاکستان حیات مولانا ظفر احمد عثمانی سیرت بدر عالم سوانح خلیل اور خطبات احتشام، نہایت معلومات افزاء اور مفید تصانیف ہیں ضرور متعلقین کیلئے یہ انمول تحفے ہیں ان کی قدر کی جائے اور جناب حافظ صاحب کے ممنون اور دعا گو رہنا چاہیے جزاکم اللہ حق تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائیں آمین۔

محترم برادرم مولانا سید عبدالقدوس ترمذی

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے حقیقی معنی میں پاکستان کا عظیم خطیب بنایا تھا آپ کے سینکڑوں خطبات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں انداز بیان طرز تلاوت اور اشعار پڑھنے کے منفرد انداز کے ساتھ افہام و تفہیم کے فن میں بھی آپ کو عجیب ملکہ تھا جس شخص نے بھی ایک مرتبہ بھی آپ کی تقریر دلپذیر سنی ہو تو وہ اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء عرصہ سے اس کی ضرورت تھی کہ حضرت مولانا کے خطبات کو جمع کر کے شائع کیا جائے تاکہ مسلمانوں کو ان سے استفادہ کا موقع ملے چنانچہ برادرم محترم جناب حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری نے اس ضرورت کو باحسن وجوہ پورا کر دیا ہے اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی خطبات احتشام کے نام سے منظر عام پر آ گئی ہے۔ حضرت مولانا موصوف کی تقاریر و خطبات کی کیسٹیں سینکڑوں سے بھی متجاوز ہیں۔ جناب حافظ محمد اکبر شاہ صاحب نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے انہیں جمع کر کے کتابی شکل میں پہلی مرتبہ خوبصورت عنوانات کے ساتھ شائع کرایا ہے اور ابھی

دوسری تیسری جلدیں بھی جلد ہی آ رہی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے الغرض خطبات احتشام ایک عظیم فنکار اور بے بدل خطیب، صاحبِ ذہن انسان اور مستند عالم دین کے نو عنوان خطبات کا مجموعہ ہے جس سے دور حاضر کے خطباء کو فائدہ اٹھانا چاہیے اور امید ہے باذوق حضرات مولانا مرحوم کے ان خطبات و مواعظ سے بھرپور استفادہ کریں گے اور مولانا صاحب کے لئے خصوصی دعائیں بھی کریں گے۔

خطیب پاکستان
مولانا احتشام الحق تھانویؒ
کا ارشاد گرامی

ہم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا دامن پکڑا تھا، الحمدللہ ابھی تک نہیں چھوڑا اور اسی مسلک دیوبند پر قائم ہیں جس پر ہمارے اکابرین قائم تھے، الحمدللہ ہم نے مسلک دیوبند پر سودے بازی یا اکابر علماء دیوبند کے نام پر اسٹیج فروشی کبھی نہیں کی (تذکرہ خطیب الامتؒ)

علماء ہی ہیں جن کی ثبات و استقلال میں عوام کی نجات کا راز مضمر ہے اور وہی ہیں جن کی ذلت اور لغزش سے عالم تباہ ہو جاتا ہے

خطیب پاکستان

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب پاکستان حضرت مولانا الحاج احتشام الحق صاحب تھانوی آخری دور کے علماء میں ایک خاص امتیازی خصوصیت کے مالک تھے میری سب سے پہلی ملاقات ۱۹۳۴ء میں دیوبند میں ہوئی جبکہ میں فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ عربیہ معین الاسلام انبالہ چھاؤنی میں مہتمم و صدر مدرس کے فرائض انجام دے رہا تھا اور مولانا مرحوم تحصیل علم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے تھے مولانا عمدہ پوشاک میں تھے سر پر ترکی ٹوپی پاؤں میں اعلیٰ قسم کا انگلش جوتا تھا میرے ماموں اور سسر حضرت قاری محمد حبیب صاحب کے مکان پر مولانا مرحوم کے بڑے بھائی عزیز الحق صاحب مرحوم دوپہر کے کھانے پر مدعو تھے میں بھی اس میں شامل ہوا اور ان گفتگو سے مولانا کی ذہانت اور صلاحیت کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا لیکن بعد میں عرصہ دراز تک کوئی ملاقات نہ ہو سکی تحریک پاکستان کے دوران شیخ الاسلام قبلہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ کی معیت میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا اور علامہ مرحوم نے مولانا تھانوی مرحوم کے داماد کے مکان پر ایک علماء کا اجتماع کیا تو اس وقت دوسری ملاقات ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا تھانوی صاحب اعظم انگلش مارچ کی مسجد میں جمعہ پڑھانے آتے تھے یہ جگہ غلام احمد پرویز صاحب سے نمازیوں نے خالی کرا کر مولانا تھانوی صاحب کو دی تھی جبکہ مولانا سبزی منڈی کی مسجد دہلی میں خطابت و امامت فرماتے تھے اور دہلی میں مولانا کی خوش الحانی مقبول رہی تھی نیز مولانا کی خطابت و شیریں بیانی کا ہر جگہ چرچا تھا اسی وجہ سے نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم نے الیکشن میں تھانہ بھون کیرانہ شاملی مظفر نگر وغیرہ میں دہلی سے حضرت مولانا تھانوی کو بلا کر تقریر کا پروگرام بنایا گیا تھا جو بہت

کامیاب ثابت ہو، جب ضلع سہارنپور کے قصبات میں مجھے کام کرنے پر لگایا گیا تھا۔ تحریک پاکستان کے کاموں کا ہجوم تھا اس لئے پھر کسی جگہ ملاقات نہ ہو سکی پاکستان کے قیام سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خصوصی معتمد کی حیثیت سے کراچی میں مقیم تھا تو مجھے علامہ مرحوم نے جیکب لائن کی ایک مسجد میں جانے کا حکم دیا اور فرمایا مولانا احتشام الحق تھانوی دہلی سے آرہے ہیں تم وہاں موجود رہنا اور میری طرف سے خوش آمدید کہنا میں وہاں گیا تو ہر طرف سرکاری بیرکیں تھیں اور درمیان میں ایک چھوٹی سی شکستہ مسجد جس کا نام پھر بلوچ مسجد کندہ تھا موجود تھی مختلف ٹرک آجا رہے تھے ٹوٹا پھوٹا سامان دفتری ملازمین اپنے ساتھ لا رہے تھے جبکہ کراچی سے جانے والے ٹرک بھر بھر کر جلی ہوئی لکڑیاں پرندے اور جانور تک بھارت لے جا رہے تھے یہاں تک مکان کی کھڑکیاں الماریاں دروازے تک اکھاڑ کر لے گئے، مولانا تھانوی صاحب بھی اسی خستہ حالی کے ساتھ تشریف لائے تو مسجد کے متصل ایک مکان میں جس پر کھپریل کی چھت اور کچی دیواریں تھیں انہیں جگہ دی گئی اس دن کے بعد اکثر آنا جانا رہتا تھا اور میرے قریبی دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے حضرت علامہ مرحوم کے پاس تھانوی صاحب کی آمد و رفت تھی اور میں تو اکثر ان کی خدمت میں رہتا تھا حسن اتفاق ہے کہ مجھے علامہ مرحوم نے لاہور روانہ کیا تاکہ میں حضرت علامہ عثمانی کے خاندان کے افراد اور میرے بچوں کو لاہور میں اتار کر کراچی لاؤں، علامہ صاحب نے زاہد حسین صاحب مرحوم کو جو بھارت میں پاکستانی ہائی کمشنر تھے کراچی میں یہ فرمادیا تھا کہ میرا کتب خانہ اور میرے خاندان کے ساتھ مولوی محمد متین کے بچوں کو کسی طرح لاہور پہنچا دیں، جنوری سنہ ۱۹۴۸ء میں لاہور جاتے ہوئے میں نے علامہ صاحب سے عرض کیا کہ اب میں خدا جانے کب تک واپس آؤں اس لئے مولانا تھانوی صاحب اگر آپ کے

ضروری امور میں اعانت کر دیا کریں تو بہت اچھا ہوگا حضرت علامہ مرحوم نے میری اس تجویز کو پسند فرمایا اور اس طرح مولانا تھانوی مرحوم حضرت علامہ سے قریب تر ہو گئے پھر جمعیت علمائے اسلام کے کاموں میں ترقی کے لئے کام کرتے رہے"

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مولانا تھانوی مرحوم مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے اور میں نائب ناظم کے طور پر کام کرتا رہا' جہاں تک مولانا مرحوم کی ذاتی زندگی کا تعلق ہے وہ ہر دور میں کامیاب رہی اس لئے کہ مولانا مرحوم اپنے ذاتی اوصاف خصوصاً خطابت میں علمائے دیوبند میں ایک بلند اور اہم مقام رکھتے تھے جس میں مرتے دم تک مولانا مرحوم اپنی جگہ نہیں گرائے جاسکے دراصل ہر آدمی میں کچھ خصوصی صلاحیتیں ہوتی ہیں جس کو دوسرا آدمی حاصل نہیں کر پاتا قرآن پاک میں ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ میں اس بنیادی اصول کو بیان کیا گیا ہے حق تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو خوش بیانی میں جو مقام عطا فرمایا تھا وہ اس دور میں کسی دوسرے عالم کو نصیب نہیں تھا ایک مرتبہ عظیم شخصیت چودھری خلیق الزماں مرحوم سے کچھ بات ہو رہی تھی جس میں مولانا مرحوم کا ذکر آیا وہ کہنے لگے کہ اگر مولانا تھانوی علماء کے طبقے سے تعلق نہ رکھتے ہوتے تو میں انہیں اس دور کا "تان سین" کہتا مگر اب یہ گستاخی نہیں کر سکتا آج تک مولانا مرحوم کے طرز بیان اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے نقال موجود ہیں مگر وہ نقل کرنے والے ہی کہلا سکتے ہیں حضرت تھانوی کا بدل نہیں شمار کئے جاسکتے ممکن ہے آگے چل کر مولانا مرحوم کے صاحبزادگان میں سے کوئی یہ جگہ لے سکے' آمین اس اعلیٰ ذاتی خوبی کے علاوہ مولانا جاذب نظر' خوش پوش خوش خوراک اور انتہائی خوش اخلاق انسان تھے مگر ساتھ ہی عالم کو موجودہ دور میں جس وقار کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے اس میں وہ یکتا عالم

تھے مجھے اکثر مولانا کے ہمراہ جلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہ لباس صبح و شام تبدیل کرنے کے لئے سفر میں کئی کئی جوڑے رکھتے تھے حالانکہ چند گھنٹوں کے لئے جانا ہوتا تھا اور میں ان کی اس عادت سے گھبرا جاتا تھا مگر ان کی جو وضعداری تھی اس میں کبھی بھی فرق نہ آتا تھا یہ بات ان کے گھر والوں کے سوا شاید کسی کو معلوم نہیں ہے کہ بیگم شائستہ اکرام اللہ کے شوہر نامدار مسٹر اکرام اللہ صاحب جو بڑے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں ان کا ایک کپڑے دھونے والا ملازم تھا جو اب تک ان کی کوٹھی کے احاطے میں ہی رہتا ہے اکرام اللہ صاحب دنیا کے کسی بھی ملک میں مقیم ہوتے ان کے کپڑے وصل کر کراچی سے جاتے تھے مولانا مرحوم سے خاص عقیدت بلکہ عشق کی حد تک تعلق رکھتا تھا اس کی خواہش اور اصرار پر مولانا نے اپنے کپڑے اس سے دھلانے کا بندوبست کر رکھا تھا لیکن خود مولانا اپنے لباس کی دیکھ بھال کا خاص خیال رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انتقال سے پیشتر بھی وہ اپنی ٹوپی دھونے کے لئے غسل خانہ میں یا صحن پر گئے جبکہ میزبان نے بہت اصرار کیا کہ میں نوکر سے یہ کام کرا دوں گا مگر مولانا نے فرمایا کہ آپ کا نوکر وہ طریقہ نہیں جانتا جس طریقے سے میں ٹوپی دھوتا ہوں غرض مولانا مرحوم اپنے ذاتی اوصاف میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے ہمارے اسلاف و بزرگوں میں چند ہی علماء ایسے ہوئے ہیں جن کا دستر خوان وسیع تھا ان میں مولانا مرحوم بھی شامل ہیں ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ چائے کا دستر خوان کراچی میں صرف اور صرف جامع مسجد جیکب لائن کے خطیب کے مکان پر ہر موسم اور ہر حالات میں قائم رہا ہمارے اکابرین میں سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کا دستر خوان چائے کے لئے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا دستر خوان کھانے کا مشہور تھا حضرت تھانوی مرحوم کی ایک اور خوبی یہ تھی کہ وہ کسی صورت بھی حاکم وقت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اگرچہ جلتے وقت انتہائی

انکساری و تواضع کا مدعا ہو کرتے تھے لیکن دین پر اگر کوئی حرف آتا تو چٹان کی طرح سامنے آجاتے تھے لوگ تو مولانا مرحوم کے بارے میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں کرتے ہی رہتے تھے لیکن مجھے اس خوبی کا اندازہ ہے کہ اگر کوئی نام کا عالم بھی اسلام کی خدمت کرتے تھے تو کراچی جیسی بستی میں جو مال و دولت کا خزینہ شمار ہوتی ہے مرحوم کے کس قدر مداح اور خدمت کرنے والے نہ ہوں گے در حقیقت ان کے عشاق نے انہیں اس قدر بے نیاز کر دیا تھا کہ لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے تھے جن میں کوئی حقیقت نہ ہوتی تھی مولانا مرحوم کا ایک اور وصف یہ تھا کہ وہ اپنے دشمن سے بھی اس طرح ملتے تھے کہ وہ ان کے سامنے پانی پانی ہو جاتا تھا یہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے سرکاری حکام اور ان کے مخالفین مولانا مرحوم کے سامنے پانی بھرتے تھے علمی لحاظ سے بھی مولانا تھانوی صاحب مرحوم باصلاحیت شمار ہوتے تھے ہمارے بزرگوں میں مختلف صلاحیتوں کے مالک لوگ گذرے ہیں کوئی علم فقہ میں بلند مقام رکھتا تھا تو کوئی علم الحدیث میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا کوئی خطابت میں یکتا تھا تو کوئی تفسیر قرآن میں اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا اس لئے جانچنے اور پرکھنے کا معیار جدا جدا ہوتا ہے اس معیار سے اگر جانچا جائے تو پھر یہ گرنے اور بڑھانے کا چکر ختم ہو جاتا ہے میں نے اپنی ۷۲ سال زندگی میں اس معیار کو ہی اپنے سامنے رکھا اور خود کو ہر بزرگ کے ساتھ خادم کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھنے دیا اور یہی نعرہ لگایا کہ میرا شعور یہ ہے۔

لا نفرق بین احد من رسله الآیة الحمدللہ میں اب تک اسی پر قائم ہوں حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی علمی یادگار دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار سندھ اور ان شاء اللہ تصنیف میں آئندہ کسی زمانہ میں تفسیر القرآن بھی شائع ہو کر سامنے آجائے گی ان کے جمعہ کے خطبات اور پاکستان یا غیر ممالک میں تقاریر بھی ان کے علمی تبحر کا بہترین ذخیرہ آخرت ثابت ہوگا ان شاء اللہ

مولانا مرحوم کا خاندان صدیقی تھا جو کیرانہ ضلع مظفر نگر میں آباد تھا اور پاکستان خصوصاً کراچی میں بڑی تعداد ان کے عزیز و اقرباء کی موجود ہے مولانا کے خاندان میں اکثر لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے ہیں روحانی مرتبہ پر ایک بلند شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی ہے جو کہ آپ کے رشتہ میں ماموں تھے قرآن پڑھنے کا ڈھنگ مولانا مرحوم کا حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ جیسا تھا مولانا محترم کی ایک اور نمایاں یادگار حبیب لائن کی عظیم الشان مسجد ہے جس میں مولانا مرحوم نے شاہجہانی تعمیرات اور جدید تعمیرات کو شامل کر کے ایک خوبصورت امتزاج پیدا کیا ہے اس کے خوبصورت مینار و گنبد محرابیں اور بغیر ستون کے طویل و عریض چھت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کا تعمیری ذوق بھی شاہانہ تھا غرض ہمہ جہت خوبیاں حق تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بخشی تھیں البتہ افسوس اس کا ہے کہ ہم نے مولانا کی قدر نہ کی آج ان کی خوبیاں یاد آتی ہیں تو ہم افسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ایک بلند و بالا اور بہترین انسان اپنے ہاتھ سے کھو دیا جس نے ہم جیسے ناقدروں کے درمیان مرنا بھی پسند نہ کیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

جہاں تک مولانا تھانوی مرحوم کی سیاسی زندگی کا تعلق ہے اس کا بنیادی پتھر تو یہ ہے کہ انہوں نے ہر اس فرد یا جماعت کے ساتھ تعاون نہیں کیا جسے انہوں نے اپنی سیاسی بصیرت سے یہ سمجھ کر جانا ہم ایک پلیٹ فارم پر بیٹھ کر کام نہیں کر سکتے اسی طرح مولانا مرحوم نے ہر اس آدمی یا جماعت کا ساتھ نہیں دیا جو مسلک دیوبند کے خلاف تھا اور اس معاملہ میں مولانا نے کبھی چشم پوشی یا مصلحت بینی اور مداہنت سے کام نہیں لیا اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں سے دور ایوبی کے عائلی کمیشن کی رپورٹ میں مولانا کا اختلافی نوٹ عیدین کے چاند پر حکومت سے مولانا مرحوم کا

تصادم بغیر نظر ثانی جیسے معاملات ہیں
جن کے بارے میں مولانا مرحوم کے کٹر دشمن بھی سر تسلیم خم کر دیتے

ہے

المختصر مولانا تھانوی مرحوم پر قلم اٹھایا جائے تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے میں
نے تو مولانا محمد اکبر شاہ بخاری صاحب کے حکم پر باوجود اپنی علالت کے قلم برداشتہ یہ
چند مختصر باتیں قلمبند کر کے اپنی مولانا مرحوم سے دوستی کا حق ادا کرنے کی سعی لا
حاصل کی ہے مجھے امید ہے کہ میری اس تحریر سے بہت سے لوگوں کے ان کے متعلق
شبہات بھی دور ہو جائیں گے اگر ایسا ہوا تو میری یہ تحریر رائیگاں نہ جائے گی اور میرے
حق میں بھی لوگ نجات آخرت کی دعا فرمائیں گے آمین وباللہ التوفیق

از حضرت مولانا محمد متین الخطیب رحمۃ اللہ علیہ

مجلس احتشام

آپ ہر شخص کے سوال کا جواب بڑی شفقت سے دیتے تھے سننے والا سمجھتا تھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے ـــــــــــــــــــــــــــــ

ـــــــــــــــــــــ مجھ کو اوائل عمر سے ہی بزرگان و اولیائے اللہ کے ساتھ محبت و اعتقاد ہے' میں اکثر بزرگان کی زیارات سے ان کی زندگی میں مشرف ہوا یہ شوق دل میں ہے' جب حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری کا وصال ہو گیا تو میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی صحبت با برکت میں شب و روز کا جو بھی حصہ مل جاتا گذارتا میں ان کی حضور و ملاقات کا ہر وقت اس لئے متمنی رہتا تھا کہ سوچتا تھا جو کچھ اس جگہ میسر ہے دوسری جگہ معلوم نہیں میسر ہو سکے' حضرت مولانا تھانوی بھی سب میں گھلے ملے رہتے تھے اور کم ہی لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ نہایت درجہ بردبار و متقی اور اولیائے وقت ہیں' میں جمعہ کی نماز پابندی کے ساتھ انہی کی جامع مسجد میں ادا کرتا' نماز سے پہلے ڈیڑھ بجے سے ڈھائی بجے تک حضرت مولانا ایک گھنٹے کا جو وعظ فرماتے اسے پورے انہماک سے سنتا اور نعمت' ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے قریب تمام الفاظ میں لکھ لیتا' یہاں تک کہ بعد نماز جمعہ چائے کی نشست کے دوران میں حضرت مولانا جو مسائل اور دین کے نئے نئے بہا نکات سمجھاتے' لوگوں کے سوالات کے جوابات عطا فرماتے میں انہیں بھی فوراً ضبط تحریر میں لے آتا'

اس طرح موجودہ نسل کے جتنے مسلمان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے مواعظ سے فیض یاب اور ان کے گفتگو سے مستفید ہوئے انہوں نے بہت کچھ پایا'

شعر و سخن سے آپ کی طبیعت کو قدرتی مناسبت تھی' شعر خود تو موزوں نہیں فرماتے تھے مگر سخن شناسی حد درجہ موجود تھی' صد آفریں تھا آپ کا حافظہ کہ

ہزاروں اشعار بر زبان تھے'

چند ماہ قبل معمول کے مطابق بعد نماز جمعہ چائے کی نشست میں بیٹھا تھا' موت کا ذکر فرما رہے تھے' میری زبان پر بے اختیار قمر جلالوی مرحوم کا یہ شعر جاری ہو گیا'

دبا کے قبر میں سب چل دیئے دعا نہ سلام
ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا زمانے کو

یوں لگا جیسے ان پر کیفیت سی طاری ہو گئی' میں پیچھے ان کے دامن سے متصل بیٹھا کرتا تھا کہ مقابل میں بھی بیٹھنے کی جرات نہ ہوئی' پلٹ کر دوبارہ سنانے کا حکم دیا میں نے پھر اس شعر کو پڑھا لیکن نہ جانے حضرت مولانا کے سامنے زبان میں لکنت آ رہا تھا' پھر جب نشست اختتام کو پہنچی اور سب سے مصافحے کے بعد مجھ سے مصافحے کی باری آئی تو حکم فرمایا وہی شعر پڑھو' میں نے سنبھل سنبھل کر یہ شعر سنایا اور حضرت مولانا سر جھکائے اپنے کمرے میں تشریف لے گئے'

تدفین کے وقت یہ باتیں اس شعر کے ساتھ جب مجھے یاد آئیں تو میرے آنسو تھمتے نہیں تھے' جامع مسجد جیکب لائن میں ہزاروں مسلمان نماز جمعہ پڑھنے آتے تھے لیکن حضرت مولانا سے قریب صرف چند ہی اصحاب تھے' مخصوص چائے والی نشست میں بیٹھنے والے چائے کی نشست ہر نماز جمعہ کے بعد ان کی زندگی میں انتہائی باقاعدگی' تکلف اور اہتمام کے ساتھ آخری جمعہ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۹۹ء تک ہوئی' اس دوران میں ان پر مصیبتیں بھی آئیں' قیدِ کی بعید از قیاس قلتوں کا سامنا بھی ہوا مگر نشست میں چائے کا دور کبھی مسدود نہ ہوا' دراصل میخانے کی ساری رونق ساقی کے ہی دم سے ہوتی ہے اور

جب سے توحید کا پلانے والا ہی نہیں تو میخانہ کہاں' پھر بھی
مست رکھتا ہے تصور ہمیں میخانے کا

حضرت مولاناؒ اس نشست کو تقریبِ جمعہ کی مزدوری سے موسوم فرمایا کرتے
تھے دور قریب بیٹھے ہوئے سب ہی لوگ آپ سے سوالات کیا کرتے تھے اور آپ سب
کے جوابات دیا کرتے تھے۔ جوابات دینے کے بعد فرماتے تھے بھئی نو سے گیارہ تک
میں روزانہ یہیں بیٹھتا ہوں اس وقت کیوں نہیں آتے یہ چائے کی بے تکلف نشست ہے
اس وقت اگر مجھے کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش آجائے تو لیکن میں نے ہمیشہ یہی دیکھا
کہ وہ تمام مسائل کے شافی جوابات قرآن اور حدیث کے حوالوں سے عطا فرماتے تھے'
حق سبحانہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکر میں کس زبان سے ادا کروں کہ اس نے مجھ عاجز
کو ان کے قریب رکھ کر جو عطا فرمایا ہے میں اس قربت کو اپنی زندگی کا اصل سرمایہ
سمجھتا ہوں خدا اس سرمایہ کو محفوظ رکھے" آمین'

ایک روز حضرت مولاناؒ چائے کی نشست میں تشریف فرما تھے میرے ذہن
میں مدت سے ایک الجھن تھی جو کتاب پڑھ کے بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی اس وقت
میں نے پوچھ کہ نماز میں زائد عمل جو کہا گیا ہے وہ کیا ہے حضرت مولاناؒ کی فصاحت اور
خوش بیانی غور فرمائیں کس درجہ بلیغ کہ ایک ہی جملے میں سمجھا دیا فرمایا۔
"زائد عمل اس عمل کو کہتے ہیں جس عمل کو دیکھنے سے معلوم ہو یہ نماز نہیں
پڑھ رہا ہے"

ایک روز حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا قول نقل فرمایا کہ۔
حضرت مہاجر مکیؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ پانی پیو تو
ہمیشہ ٹھنڈا پیو کہ زبان سے الحمد للہ کہو تو دل بھی الحمد للہ کہے اگر گرم پانی پیو گے تو زبان سے
تو الحمد للہ کہہ لو گے لیکن دل الحمد للہ نہیں کہے گا' اس لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس
طرح استعمال کرو کہ زبان اور دل دونوں اس کا شکر ادا کریں'

جمعہ ۳ جون ۱۹۸۶ء کو بعد نماز جمعہ چائے کی نشست کے دوران میں میں

نے عرض کیا کہ بہت سخت گرمی ہے آپ پسینے میں بھیگے ہوئے ہیں' محراب میں پنکھے کا انتظام ہونا چاہیے فرمایا جب تک ہال میں سب کے لئے پنکھوں کا انتظام نہ ہو جائے میں صرف اپنے لئے نہیں چاہتا' اسی پر انہیں ایک نکتہ یاد آیا تو فرمانے لگے کہ کوئی نماز پڑھتا ہو تو اس کو پنکھا جھلنا منع ہے وضاحت فرمایا کہ نکتہ یہ ہے کہ نماز کے لئے بادشاہ بھی کھڑا ہوتا ہے تو خود کو خادم کی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتا ہے اور خادم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مخدوم بنے'

اسی نشست میں میں نے پوچھا تھا کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھی جاتی ہے ٹیپ پر بھی پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں' فرمایا صرف اصل تلاوت جو امام کر رہا ہے اسی پر نماز پڑھی جا سکتی ہے' تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی ہی آواز ہوتی ہے' اس لئے لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن ٹیپ چونکہ عکس ہے اس لئے اس پر نماز نہیں پڑھی جا سکتی'

جب تعلیم کے سلسلے میں پوچھا کہ آج کل بچوں کو دینی تعلیم کس طرح دی جائے تو فرمانے لگے کہ آج کل والدین تو یہ چاہتے ہی نہیں کہ بچوں کو دینی تعلیم دی جائے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ رشتے داروں سے ملے گا اور وہاں کا ماحول دینی نہیں ہے پھر سمجھانے لگے کہ ایک عورت نے دوسری عورت سے پوچھا کہ فوج کس کو کہتے ہیں دوسری نے کہا کہ میرے میاں تمہارے میاں بس فوج ہو گئی فرمایا اسی طرح معاشرہ ہے میرا گھر آپ کا گھر یہی معاشرہ ہے فرمایا ہندوستان میں شروع شروع میں دینی مدارس تین تھے ایک مدرسۃ الاسلام بعد میں جس کا نام علی گڑھ کالج ہوا' دوسرا دارالعلوم دیوبند' تیسرا ندوۃ العلماء تھا' مدرسۃ الاسلام میں شروع میں خالص دینی تعلیم تھی بعد میں انگریزی آئی دینی تعلیم کہاں رہی ختم ہو گئی پھر دہلی عربک کالج یہاں شروع تھا جہاں قرآن اور حدیث کی تعلیم ہوتی تھی' یہاں انگریزی لائی گئی' اب یہ

کے دیکھ لیجئے کہیں قرآن و حدیث کا نام بھی نہیں ہے۔ خالص انگریزی کالج ہے نام ہے
دہلی عربک کالج۔ اکبر الہ آبادی نے اسی پر کہا تھا اور اپنے مخصوص دلکش انداز میں پڑھ
کر سنایا

ہے دل روشن مثال دیوبند
اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
اب علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو
اک معزز پیٹ بس اس کو کہو

فرمایا اور یہی ہوا کہ یہاں سے بڑے بڑے انجینئر ڈاکٹر اور قانون داں تو نکلے
قرآن اور حدیث کا عالم ایک بھی نہیں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مراتب کا لحاظ بہت
ضروری ہے اور یہ مصرع پڑھتے

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اس سلسلے میں اکبر الہ آبادی کے چند اشعار بھی سنائے تھے

ان کی کل کوششیں ہیں پولیٹکل
اس کو خالق کی جستجو نہ کہو
کیمپ کے شیخ کو کہو مرحوم
قدس اللہ سرہ نہ کہو

حضرت مولانا کو اجر و ثواب حاصل کرنے کا اس درجہ شوق تھا کہ اکثر
سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ایک شخص
مجھ کو ملا کہ اس عمل سے بڑھ کر انسان کے لئے کیا چیز ہو سکتی ہے کہ جس کو اس نے
نہ خود کیا ہو نہ اس کا اسے علم ہو اور اس کے باوجود قیامت کے دن جب اس کا صحیفہ
اعمال کھولا جائے تو وہ نیکی اس میں موجود ہو'

فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے پاس ایک رئیس ایک کنیز کو لے کر آئے اور کہا کہ آپ کی خدمت کرے گی کنیز نے رئیس سے کہا یہ آپ نے اچھا نہ کیا کیوں کہ میں سلطان جی کی معتقد نہیں رئیس نے کہا کیا خرابی تو نے دیکھی ہے کنیز نے کہا کہ۔ سلطان کا کوئی مخالف ہی نہیں' سلطان کیا انبیائے کرام' خلفائے راشدین' صحابہ کرام اور آئمہ دین سے بھی بڑھ گئے کہ ان سب کے مخالفین اور دشمن تھے' سلطان کو سب ہی اچھا کہتے ہیں' میں ان کی معتقد نہیں رئیس نے کہا تم چند دن خدمت کر کے دیکھو' اگر ان کی زندگی شریعت کے مطابق نہ پاؤ تو واپس آ جانا' لکھا ہے اگلے دن صبح سویرے کنیز پڑوس میں گئی کنڈی بجائی کہا سلطان کے لئے ناشتہ تیار کرنا ہے ذرا آگ دے دیں پڑوس نے کہا اب تو میں بالکل آگ نہیں دوں گی اور یہ کہہ کے سلطان کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے کنیز آئی اور کہنے لگی آج میں سلطان کی معتقد ہو گئی اور یقین ہو گیا کہ یہ انبیائے کرام کے راستے پر ہیں کیونکہ حق کی پہچان یہی ہے کہ حق پرست کے مخالفین ہوں رسول اکرم ﷺ ایسی تکلیفوں سے گذرے ہیں کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

"مجھے اتنی ایذائیں پہنچائی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی کو اتنی ایذائیں نہیں پہنچائی گئیں"

تمنا ہے پھول توڑنے کی لیکن یہ خیال کہ کانٹا چبھے غلط ہے کانٹا بھی چبھے گا

اس لئے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا مطلب تھا کہ اس نیکی سے بڑھ کر انسان کے لئے کیا چیز ہو سکتی ہے کہ جس کو اس نے نہ خود کیا ہو نہ اس کے علم میں ہو اور اس کے باوجود قیامت کے دن جب اس کا صحیفہ اعمال کھولا جائے تو وہ نیکی اس میں موجود ہو'

ایک بار علم کی بات چلی تو فرمانے لگے علم کے لئے اخلاق کا بلند ہونا ضروری ہے یعنی جس کو ہم تصوف کہتے ہیں طالب علم میں تصوف کا ہونا ضروری ہے ورنہ کسی کو

صرف علم کبھی نہیں سکھانا چاہیے کیونکہ صرف علم سیکھ کر آدمی فرعون ہو جاتا ہے
اور فرمانے لگے کہ میں نے دیکھا ہے جنہوں نے صرف علم سیکھا ان کو کہتے ہوئے میں
نے سنا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ (نعوذ باللہ) کیا جانتے تھے۔ حضرت امام فخر الدین
رازیؒ کو (نعوذ باللہ) کیا آتا تھا اور حضرت امام بخاریؒ (نعوذ باللہ) کیا تھے تو جب تک علم
حاصل کرنے والے کا اخلاق بہتر نہ ہو صرف علم نہیں سیکھنا چاہیے اور فرمایا اخلاق کی
بہتری کا دارومدار ہوتا ہے اللہ والوں کی صحبت پر فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ
حرم شریف میں تشریف رکھتے تھے کہ ان کی نظر ایک شخص پر پڑی وہ اٹھ کر اس کے
پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ تم نے اپنی زندگی میں کسی اللہ والے کو دیکھا ہے اس نے کہا
نہیں پوچھا اچھا کبھی کسی اللہ والے کی صحبت میں رہے ہو اس نے کہا ایک اللہ والے
تھے ان سے ایک بار ملا ہوں فرمایا جبھی میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی نظروں کے اثرات اب
تک تمہارے چہرے پر باقی ہیں حضرت مولاناؒ فرمانے لگے صحبت صالح بہت بڑی
دولت ہے جس کو مل گئی وہ مالا مال ہو گیا اور جو اس سے محروم رہا وہ محروم رہ کر علم
پڑھا یا سیکھا وہ فرعون ہو گیا اسی لئے علم بغیر تصوف بے کار ہے۔

ایک اور نشست کے دوران حضرت مولاناؒ کے مخلصوں میں سے ایک نے
پوچھا کہ قبر میں جو عذاب ہوگا تو کیا جسم کو تکلیف ہوگی فرمایا کہ روح کا ٹھکانہ عالم برزخ
ہے روح سے جسم کا رابطہ ختم کر دیا جاتا ہے اور جس کو ہم قبر کہتے ہیں یعنی زمین کا گڑھا
وہ دراصل کچھ نہیں ہے اصل وہ جگہ ہے جہاں روحیں رکھی جاتی ہیں اس کو مثال سے
انہوں نے سمجھایا کہ جس طرح ہم خواب میں دیکھتے ہیں کہ ہمیں سانپ کاٹ رہے ہیں
تو ہمیں روحانی تکلیف ہوتی ہے لیکن آنکھ کھلنے کے بعد دیکھتے پھر نہیں تکلیف یاد رہتی
ہے مگر موت کے بعد جو اچھا تھا وہ بھی سامنے دیکھیں گے اور جو باقی ہے وہ بھی دیکھیں
گے یعنی فرض کریں خواب میں دیکھتے ہیں کہ تلوار سے کوئی جسم کو کاٹ رہا ہے تو

مرنے کے بعد وہ خود بھی ہوگی اور اپنے سامنے کٹتے ہوئے بھی دیکھیں گے اور تکلیف
ویسی ہی ہوگی جیسی خواب میں ہوتی ہے پھر مولانا نے فرمایا کہ مرنے کے بعد روح کا
تعلق جسم سے قائم کر دیا جاتا ہے حالانکہ جسم فنا ہو جاتا ہے لیکن روح عالم برزخ میں
ہوتی ہے۔

نقوی صاحب نے پوچھا کہ قبروں میں نام لے کر سلام کرنا چاہیے یا نہیں
فرمایا کہ بعض کا روح کا برزخی قوی اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی سنتے ہیں
اور جواب دیتے ہیں اور بعض کا برزخی قوی مضبوط نہیں ہوتا وہ سنتے بھی نہیں اور جواب
بھی نہیں دے سکتے ایسے لوگ جن کا برزخی قوی مضبوط ہو وہ ظاہر ہے متقی اور پرہیزگار
ہوتے ہیں لیکن یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس کا قوی مضبوط ہے کس کا کمزور ہے۔

آپ رسول کریم ﷺ کے روضہ مبارک پر سلام کریں تو وہ سنتے بھی ہیں
اور جواب بھی دیتے ہیں اولیائے کرام، بزرگانِ دین، شہدائے کرام ان کا برزخی قوی کافی
مضبوط ہوتا ہے وہ سلام سنتے بھی ہیں اور ان کا جواب بھی دیتے ہیں لیکن بہتر ہے کہ
قبرستان میں آپ نام لے کر سلام نہ کریں صرف کہہ دیں السلام علیکم یا اہل
القبور کیونکہ کچھ پتہ نہیں کون مضبوط برزخی قوی والے ہیں اور کون کمزور۔

گو کہ شہر کراچی کیا پورے ملک میں علماء کرام کی کمی نہیں پھر بھی جس تبحر،
وسعت نظر اور اصابت رائے کی بناء پر لوگ چھوٹے بڑے دینی و دنیوی معاملات میں ان ہی کی
طرف رجوع کرتے ہیں وہ کہیں بھی تقریر کرتے تھے تو سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو کر
شروع سے آخر تک آپ کی تقریر سنتا تھا تقریر کے اندر جتنے مسائل بیان فرماتے ان
کی مکمل وضاحت فرماتے تھے اور پھر اس انداز سے کہ جیسے قرآن اور حدیث سے
استدلال کرنے کا طریقہ بھی نہ آتا ہو تو وہ بھی مقصود کو پالے اور ہر بیٹھا ہوا سننے والا یہ
سمجھتا تھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے اور جو کلمہ ہر وقت خدا کی عظمت و جلالت کے

تصور سے ان پر کیفیت خوف و خشوع طاری رہتی تھی اس لیے ان کے وعظ میں بڑا اثر ہوتا تھا۔ منہ سے جو بات نکلتی تھی سامعین کے دل میں اتر جاتی تھی ساری عمر آپ کا مقصود مسلمانوں کو گرداب ضلالت سے نکال کر راہ حق کی طرف لانا تھا۔

راقم الحروف کو جب آپؒ کے وصال کی خبر ملی تو جمعہ کی نماز کی تیاری میں مصروف تھا۔ بچشم پرآب میں نے سب سے پہلے قرآن شریف پڑھ کر آپ کو ایصال ثواب کیا۔ اس کے بعد جامع مسجد کی طرف نکل گیا۔ مولانا تنویر الحق تھانوی کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی۔ رات کے گیارہ بجے حضرت مولانا کا جسد خاکی جامع مسجد لایا گیا۔ رونمائی کے بعد اشکبار میں گھر آکر سو رہا۔ عالم غنودگی میں میں نے مولانا کو اپنی چارپائی کے قریب پایا وہ مجھے تسلی دے رہے تھے اور مسکرا رہے تھے آنکھ کھول کر دیکھا تو کچھ نہ تھا میں سمجھ گیا آپ کو غم پسند نہیں کیونکہ آپؒ کی طبیعت میں مزاح اور خوش طبعی شدت سے تھی۔ موضوع کچھ بھی ہو وہ مزاح کا پہلو نکال لیا کرتے تھے بعد تدفین مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے سایہ اٹھ گیا ہو۔

حضرت علی سہل اصفہانیؒ جو حضرت جنیدؒ کے ہم عصر تھے فرماتے تھے میری موت اسی طرح ہوگی کہ نہ بیمار پڑوں گا نہ لوگ عیادت کو آئیں گے اللہ مجھے پکارے گا اور میں اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا گھر کی بھی پرواہ نہ کی بچوں کی بھی پرواہ نہ کی حق کی آواز آئی اور حضوری میں پیش ہو گئے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین

نبوت و توحید

الحمد لله نحمده و نستعینه و نستغفره و نؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یهده الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریک له ونشهد ان سیدنا ومولانا ونبینا محمد اعبده و رسوله صلی الله تعالی علی خیر خلقه محمد وعلی آله واصحابه اجمعین اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝

نبی اور ہر پیغمبر جب دنیا میں آئے تو چند بنیادی چیزوں کی تعلیم انہوں نے ضرور دی جن میں سے ایک توحید ہے دوسرے رسالت کا مسئلہ ہے تیسرے آخرت کا مسئلہ ہے اور انہی بنیادی چیزوں کا نام اسلام ہے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک تمام پیغمبروں کا اور نبیوں کا دین' دین اسلام ہے اس لئے کہ بنیادیں سب کی مشترک ہیں ہر نبی نے توحید کی تعلیم دی ہر نبی نے رسالت و نبوت کا مسئلہ پیش کیا ہر نبی نے آخرت کا تصور پیش کیا یہ اور بات ہے کہ عمل کرنے والوں کو مسلم قرآن کریم نے صرف حضور ﷺ ہی کی امت کو فرمایا ہے'

هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے'

اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی شخص کے پاس دس غلام ہیں اور وہ دس کے دس جو ہیں اپنے آقا کی نوکری کرتے ہیں' خدمت گزاری کرتے ہیں' اطاعت کرتے ہیں لیکن ان دس غلاموں میں سے ایک غلام ایسا بھی ہے کہ جس کا نام بھی غلام ہے' باقی نو غلام جو ہیں ان کے نام الگ الگ ہیں کام کے اعتبار سے سب غلام ہیں لیکن ایک دسواں غلام ایسا ہے کہ جس کا نام بھی غلام ہے اور جس کا کام بھی غلامی ہے' حضور ﷺ کی امت کا نام اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ رکھا ہے اور یہ قوم قوم مسلم کہلاتی ہے' حضور کی امت سے پہلے کسی امت کا نام امت مسلمہ نہیں رکھا گیا' اس لئے میں نے عرض کیا کہ دین سب نبیوں کا ایک رہا' ہاں شریعتیں' ملتیں تبدیل ہوتی رہیں اور شریعت کی تبدیلی کو بھی ایسا ہی سمجھئے جیسے ایک ہی بیماری ہے اگر وہ بچہ ہے تو اس کی دوا کی مقدار کم ہو جائے گی اگر وہ بوڑھا ہے تو دوا ہی دی جائے گی لیکن اس کی مقدار میں فرق ہو جائے گا اس کے ساتھ دوسری تیسری دوا اور ملا کے دی جائے گی اس لئے کہ اس کا دل و دماغ بھی کمزور ہے' ممکن ہے کہ اس دوا کا کوئی خراب اثر نہ ہو' جس کا مطلب یہ ہوا کہ مریض کے حالات میں جوں جوں تبدیلیاں ہوتی جائیں گی' عمر کے اعتبار سے بیماری

وہی ہے علاج وہی ہے دوا وہی ہے لیکن اس کی مقدار میں اس لئے فرق کر دیا گیا کہ مریض کے حالات میں فرق ہے یا دوسرے طریقے پر یوں سمجھئے کہ ایک مذہب ہے اور ایک ہی عمر ہے لیکن اگر کراچی میں ہے تو اس کے ساتھ دوسری دوا دی جائے گی اگر کوئٹہ میں ہے تو وہاں کے آب و ہوا کے لحاظ سے کوئی اور دوا اس کے ساتھ شامل کر دیں گے اسی لئے حضور اکرم ﷺ کی ملت اور آپ کی شریعت سے پہلے شریعت الگ ہے اور ملت آپ ﷺ کی وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہے

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ تم یہودی بن جاؤ تو تمہاری ہدایت ہو جائے گی تم نصرانی بن جاؤ تو تم سیدھے راستے پر آجاؤ گے حق تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ان کو جواب دے دیں قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

آپ ان کو یہ جواب دے دیجئے کہ ہماری ملت وہی ملت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہے ہم تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں ہمیں کسی اور تعلیم کی ضرورت نہیں ہماری ملت ملت ابراہیمی ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین ایک شریعتیں مختلف نمازوں کی تعداد میں فرق یا کسی عبادت کی مقدار میں فرق یا اسی طریقے سے اور سزاؤں یا چوری کی سزا میں فرق حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں اس کے اندر چوری کی سزا یہ تھی کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہو وہ چور ایک سال تک اس مال کی مالک کا غلامی کرے گا یہ چوری کی سزا تھی اور اسی سزا کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائی کو ایک سال اپنے پاس رکھنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ اپنا شاہی سامان ان کے سامان میں چھپا دیا تھا

آپ تو یہ سمجھتے ہیں کہ سورۂ یوسف جو ہے یہ دراصل قصہ سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمائی ہے ... نہیں یہ مقصد نہیں بلکہ اس سورۃ کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا جائے' اس لئے کہ ایک یہودی کے پاس ایک مشرک آیا ہے اور اس نے آکر یہ کہا کہ ہم تو ان کا مقابلہ کر چکے لیکن ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے 'اب ہمیں کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ جس کی وجہ سے (نعوذباللہ) ہم رسول اللہ ﷺ کی تمام کوششوں کو خاک میں ملا دیں' ایسی کوئی ترکیب بتاؤ

یہودی نے کہا کہ اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مسلمانوں کے مجمع میں گھرے ہوئے بیٹھے ہوں تو تم جا کر تاریخ کا ایک سوال کرنا اور تاریخ بھی دو ہزار سال پہلے کی تاریخ کا سوال کرنا اور جب وہ جواب دے نہیں سکیں گے تو لوگ بدظن ہو جائیں گے 'ان کی ساری نبوت ختم ہو جائے گی اور وہ سوال یہ کرنا کہ یہ جو بنی اسرائیل ہیں یہ تو ملک شام کے رہنے والے ہیں مصر میں کب آئے' کیسے آئے؟ اس لئے کہ مصر ان کا اپنا ملک نہیں ہے"

میں نے کہیں دیکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا جب وصال ہوا ہے تو شاید انھوں نے یہ وصیت کی تھی فرمایا کہ یہاں سے میری لاش کو منتقل کر دیا جائے' حالانکہ نبی اور پیغمبر کی شان یہ ہوتی ہے کہ جہاں ان کا انتقال ہو جاتا ہے وہاں سے ان کی میت کو منتقل نہیں کیا جاتا' لیکن فرمایا کہ اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہاں کے لوگ بنی اسرائیل کے ساتھ اچھا تعلق نہ رکھیں تو کوئی بے ادبی کا ہر کت نہ کریں' اس لئے منتقل کیا جائے' اور یہی ہوا کہ ملک مصر کے اندر بنی اسرائیل کے ساتھ بدترین قسم کا سلوک کیا جاتا تھا اور وہ یہ سمجھا جاتا تھا خواب کی تعبیر یہ دی تھی کہ شاید کوئی بنی اسرائیل کا لڑکا آپ کی حکومت کا تختہ الٹنے والا ہے اس لئے اس نے حکم جاری کر دیا تھا

کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی لڑکا پیدا ہو تو اسے قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کسی یہودی نے مشورہ دیا یہ مشرک آیا ہے اور آکر حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ پیغمبر اسلام ہیں ذرا یہ بتلائیے کہ بنی اسرائیل تو ملک شام کے رہنے والے تھے یہ ملک مصر میں کب آئے اور کیسے آئے تاریخ کا سوال ہے حق تعالیٰ نے پورا سورۂ یوسف نازل فرمائی۔ اور سورۂ یوسف کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو ہزار سال پہلے کا واقعہ بتلایا کہ کس طریقے سے یہ ملک شام سے ملک مصر میں داخل ہوئے جو لوگ پہلے سے مسلمان نہیں تھے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ انہوں نے دو ہزار سال پہلے کا تاریخی واقعہ بیان کر دیا تو انہیں بھی یقین ہو گیا کہ ان پر خدا کی وحی آتی ہے یہ اللہ کے نبی اور پیغمبر ہیں۔ اور ان پر وہ ایمان لے آئے تو جس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ یوسف کا مقصد در اصل حضور اکرم ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنا ہے۔

تو عرض میں یہ کر رہا تھا کہ ملت اور شریعت کے اندر تو بے شک فرق ہوتا ہے دین سب کا ایک ہے توحید ان سب میں بنیادی مسئلہ ہے بلکہ اس سے زیادہ بنیادی مسئلہ نبوت کا مسئلہ ہے۔

قرآن کریم میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ کہیں کہیں توحید کا مسئلہ پہلے بیان کیا کہیں نبوت کا مسئلہ پہلے۔ دونوں طرح ہیں مثلاً قرآن کریم کے شروع میں سب سے پہلے توحید یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ... تَعْلَمُوْنَ

یہ توحید کا مسئلہ ہے آگے رسالت و نبوت کا مسئلہ ہے فرمایا

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا ... صٰدِقِیْنَ

اور کبھی کبھی ایسا کیا گیا ہے کہ نبوت کا مسئلہ پہلے بیان کیا توحید کا مسئلہ بعد میں فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ نبوت اور رسالت کا مسئلہ ہے اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یہاں توحید کا مسئلہ ہے

آپ نے دیکھا ہو گا کہ کبھی کبھی تقریر کرنے والا مقرر یا واعظ یا جب کوئی کتاب لکھنے والا کتاب لکھتا ہے تو مضمون پہلے ہی سے اپنے ذہن میں جمع کر لیتا ہے اور پھر اسی ترتیب کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے' علمی زبان کے اندر اس کو کہتے ہیں پہلی ترتیب' یعنی ذہنی ترتیب تو ذہنی ترتیب کے اندر توحید کا مسئلہ پہلے ہے نبوت کا مسئلہ بعد میں لیکن ایک دوسری ترتیب بھی ہے اس وقت ہم اسے چھوڑ دیں اور ہم اسے سے پہلے دنیا میں اسلام آیا نہیں اب دنیا میں اسلام آ رہا ہے ہم اسے آنے گا تو تھوڑی دیر کے لئے غور کیجئے جب دنیا میں اسلام آئے گا اور ہم میں سے اور آپ میں سے کسی کو توفیق ہوگی'

قبول کرنے کی تو آیا سب سے پہلے نبوت پر ایمان لائے گا یا سب سے پہلے توحید پر ایمان لائے گا سب سے پہلے توحید پر ایمان نہیں لائے گا اس لئے کہ اسے کیا خبر کہ توحید کسے کہتے ہیں جب اسلام وجود اختیار کرتا ہے اور اسلام وجود میں آتا ہے تو سب سے پہلے نبوت کا مسئلہ اور رسالت کا مسئلہ پہلے آتا ہے' توحید کا مسئلہ بعد میں آتا ہے'

ایمان لانے والا سب سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت پر ایمان لاتا ہے' آپ کو سچا رسول تسلیم کر لیتا ہے' تو نبی اور رسول بتاتے ہیں کہ خدا پر ایمان لانے کا طریقہ کیا ہے'

نبی اور پیغمبر آپ کو یہ بتائیں گے کہ کتاب اللہ پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے آخرت پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان کی جڑ

نبوت اور رسالت ہے اور اگر کوئی شخص ایسا ہو جو نبی پر تو ایمان لایا نہ ہو اور کہے کہ میں
تو بڑا موحد ہوں خدا پر اور توحید پر یقین رکھتا ہوں تو سمجھنا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اس لئے
کہ دنیا میں جو آدمی نبی پر ایمان لایا نہ ہو اور کہے کہ میں تو بڑا موحد ہوں خدا پر اور توحید پر
یقین رکھتا ہوں تو سمجھنا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اس لئے کہ دنیا میں جو آدمی نبی پر ایمان
نہیں رکھتا ہے وہ کبھی خدا پر ایمان لا سکتا نہیں کیونکہ اس لئے نہیں لا سکتا کہ یہ کام تو نبی
کا ہے کہ وہ بتاتا ہے کہ اللہ کی قدرت کیا ہے، خدا کی شان کیا ہے اللہ کی صفت کیا ہے یہ
کام تو نبی کا ہے یہ ہماری اور آپ کی عقلوں کے تراشنے کا نہیں ہے بلکہ اس نے بعض
لوگوں نے صحیح کہا ہے کہ میاں خدا کو پہچاننے کے لئے عقل کے دلائل کی ضرورت
نہیں خدا کوئی ایسی چیز تھوڑی ہی ہے کہ انسان اپنی فکر اور عقل سے تراش کے رکھ دے،
خصوصاً اللہ کو پہچاننے کے لئے عقل انسانی کافی نہیں ہے جب تک کہ وحی اسے خبر نہ دے
کہ خدا کی شان کیا ہے اور خدا کی قدرت کیا ہے اور اگر عقل کے ذریعے سے آپ نے
خدا کی صفات کی پہچاننے کی کوشش کی تو موصوف پہنچے گا وہ عقل دائرہ مخلوق میں چکر لگاتی
رہے گی دائرہ خالقیت میں نہیں پہنچے گی۔ کیا مطلب ... آپ یوں سمجھیں کہ اللہ
ہم سے زیادہ طاقتور ہوگا، ہم اگر ۲۰ سیر کی کوئی چیز اٹھا لیتے ہیں تو وہ دو من کی اٹھا لیتا
ہوگا، اگر ہمارا قد ساڑھے پانچ فٹ اور چھ فٹ کا ہے تو اس کا بیس فٹ کا ہوگا، اگر ہم اور
آپ تھوڑی سی غذا کھاتے ہیں تو وہ زیادہ کھاتا ہوگا، یعنی اپنے ہی دائرے کے اندر ہر
قسم کی مخلوق تصور کرے گا اور خدا کی ان صفتوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا کہ جس کو خدا خود
اپنے وحی کے ذریعے سے خبر دیتا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی جن کی کتاب مثنوی ہے جس کو در اصل فارسی کا
قرآن کہا گیا کہ ہست قرآن در زبان پہلوی انہوں نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص تھا
جس کی کسی نبی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور جب ملاقات نہیں ہوئی تو اس کو خدا کی

صفت اور خدا کی شان کی کیا خبر..... فرمایا کہ

وہ ایک بکریوں کا چرواہا تھا' بکریاں جب چرا کر واپس آیا' آ کے جب لیٹا تو محسوس ہوا کہ میرا بدن دکھ رہا ہے' سوچنے لگا کہ اے اللہ میں تو دس بیس بکریوں کو چرا کر تھک گیا' تو تو صبح سے شام تک سارے عالم کا نظام انجام دیتا ہے تو شام کو کتنا تھک جاتا ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا ہے بڑی محبت میں اے اللہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تو کس جگہ ہے یعنی اس کے ذہن میں یہ ہے کہ جیسے ہم اور آپ کسی گلی میں کسی روڈ پر کسی سڑک پر رہتے ہیں' اسی طرح اللہ میاں کا بھی کوئی ٹھکانہ ہوگا..... اے اللہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تو کس جگہ پر ہے تو میں دونوں وقت گھی میں پکی ہوئی روٹیاں پہنچایا کروں'

اے اللہ میں تیری ٹانگیں دبایا کروں میں تیرے بالوں میں کنگھا کیا کروں یہ کہہ رہا ہے اور بڑی محبت کے ساتھ کہہ رہا ہے.... حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں پیغمبر ہیں ان کو خدا کی صفت اور خدا کی شان کی خبر ہے' وہاں سے گذرے' فرمایا کہ

این چہ ژاژاست کفر است و فشار

پنبہ اندر دہان خود فشار

ارے ظالم یہ کیا تم کفریہ کلمات بک رہا ہے' خبردار اپنے منہ کے اندر کپڑا دے لے اور روئی دے کے سی لے اور خدا کے بارے میں ایسی بات کبھی نہ کہہ' خدا کا کوئی مکان ہوتا ہے' خدا کو کہیں تیری روٹیوں کی ضرورت ہے' اسے تیرے کنگھے کی ضرورت ہے یا تیرے ٹانگیں دبانے کی ضرورت ہے'

وہ بے چارہ کانپنے لگا اور کانپتے کانپتے چپ ہو گیا' لیکن اللہ کی شان کہ دیکھئے کہ وہ اگرچہ نہ ہو وہ کلمات کہہ رہا تھا لیکن اللہ کو تو خبر ہے کہ وہ جاہل اصل میں محبت میں مجھے یاد کر رہا ہے'

کی خبر نبی اور پیغمبر دیتا ہے کہ اللہ کی یہ شان ہے اللہ کی یہ قدرت ہے اللہ کے یہ صفات ہیں' اس پر ایمان لانے کا نام اصل میں توحید ہے تو خیر یہ بات ثابت ہو گئی کہ دراصل جب اسلام وجود پاتا ہے دنیا کے اندر تو سب سے پہلے نبوت وجود میں آتی ہے اور نبوت کے بعد پھر توحید کا مسئلہ آتا ہے یہ میں نے ساری باتیں اس لئے کہیں کہ آج مجھے صرف ایک بات عرض کرنی ہے کہ حضور اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے' آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے سے ہمیں کونسی دولت عطا فرمائی اور واقعہ وہ ایسی دولت ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اگر اس کے مقابلے میں ملے تو وہ سب ہیچ ہیں اور وہ دولت کیا ہے توحید کی تعلیم کے ذریعے سے صرف دو باتوں کا آپ اندازہ لگائیے'

ایک تو یہ کہ اللہ نے انسانوں کے وہ سر جو ہر آستانے اور دروازے پر جھکے رہتے تھے ذلیل ہوتے تھے آستانوں پر جا جا کر ــــ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تعلیمات کے ذریعے ہمارے سروں کو باعزت بنا دیا اور فرما دیا کہ ہر دروازے پر جھکنے کی ضرورت نہیں' ایک ہی دروازہ ہے وہ اللہ کا دروازہ ہے' سروں کو جھکاؤ تو یہاں جھکاؤ' کسی دروازے پر جانے کی ضرورت نہیں'

جس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت اور سربلندی عطا فرمائی اور آپ کے اس سر کو سوائے آپ آگے' اللہ تعالیٰ نے کسی اور کے آگے جھکانے سے منع فرما دیا' یہ عزت اور سربلندی توحید کی بدولت حاصل ہوئی' اس لئے کہ اس سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ اولاد کے لئے کسی الگ خدا کے پاس جاتا ہے دولت کے لئے کسی الگ معبود کے پاس جاتا ہے تندرستی کے لئے کسی الگ معبود کے پاس جاتا ہے جو لوگ دوسروں سے دروازوں پر جانے کی کوشش کرتے ہیں ان کے نتیجے میں ان کو ذلت اور رسوائی تو بے شک ملے گی لیکن ان کے تھیلے میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔

ایک خلیفہ تھا وہ اس چالاک' کسی خوشی کے موقع پر اس نے یہ اعلان کر دیا کہ

میری رعایا میں سے جو ادنی بھی عرضی لے کے آئے گا وہ میں پوری کر دوں گا' بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ میاں چلو آج تو صدائے عام ہے' بادشاہ کی طرف سے یہ اعلان ہو گیا ہے تو لوگ عرضیاں لے لے کے آئے دروازے پر ہجوم لگ گیا سب سے پہلے ایک تو ای عرضی لے کے آیا' خلیفہ نے یہ طے کر لیا تھا کہ جو عرضی لے کے آئے گا سب کو ذیل کر دوں گا' دوں گا کچھ بھی نہیں' عرضی لے کے آئے' خلیفہ نے پوچھا کہ عرضی میں کیا لکھا ہے صرف معمولی سی رقم خلیفہ غصہ ہوا اور کہا ارے بے وقوف تجھے شرم نہیں آتی تو اتنے بڑے بادشاہ کے سامنے اتنی گھٹیا چیز مانگنے آیا ہے' ۲۰۰، ۲۵۰ روپے تو نے عرضی میں لکھے ہیں' تو ہماری شان کو گرانا چاہتا ہے' تو وہ بے چارہ یہ سمجھ کر واپس چلا گیا کہ واقعی مجھ سے بڑی بے ادبی ہوئی مجھے کم از کم دس بیس ہزار روپے لکھنے چاہیے تھے ۲۵۰ روپے نہیں لکھنے چاہیے تھے'

دیکھا کہ اور بھی بہت سے لوگ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں تو جاتے کہا بھئی دیکھو وہاں میرا جیسا حال ہو گا' تم چھوٹی موٹی عرضی لے کے نہ جانا' عرضی میں بڑی بڑی چیزیں لکھنا دوسرے صاحب آئے انہوں نے عرضی میں یہ لکھا تھا کہ آپ اپنی سلطنت کا ایک صوبہ عنایت فرما دیجئے خلیفہ نے عرضی سنی اور سن کے کہا کہ اس بے ادب اور گستاخ کو باہر نکال دو' تمہارا حضور میں نے کیا بے ادبی اور گستاخی کی کہنے لگے تو اپنی عرضی میں اتنی بڑی چیز لکھ کے لایا ہے جتنا بڑا میرا مرتبہ نہیں اپنے مرتبے سے زیادہ لکھ کے لایا ہے'

آپ اندازہ لگا ئیے کہ کسی عرضی کو یہ کہہ کے واپس کیا کہ یہ میرے مرتبے کے خلاف ہے اور کسی عرضی کو یہ کہہ کے واپس کیا گیا کہ مانگنے والے کے مرتبے کے خلاف ہے' یہ سب باتیں نہ دینے کی باتیں ہیں'

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی اگر تمہارا ٹوٹ جائے تو تم

اللہ سے مانگنے میں شرم نہ کرو، اللہ تمہیں جوتے کا تسمہ بھی دے گا اور اگر ہفت اقلیم کی سلطنت مانگنی ہو تو اللہ سے مانگو، وجہ یہ ہے کہ خدا کی نظروں میں ہفت اقلیم کی سلطنت کی بھی اتنی ہی عظمت ہے جتنی کہ جوتے کی تسمہ کی، خدا کے یہاں چھوٹی اور بڑی چیز کا سوال ہی نہیں، بلکہ بعض اوقات آپ اگر کوئی ایسے طریقے پر کوئی چیز مانگیں کہ جو اپ کی بے نیازی ظاہر کرتی ہو کہ آپ خدا سے بے نیاز ہیں تو اللہ کو وہ بات نا پسند ہے۔

ایک شخص نے یہ دعا مانگی کہ میں تجھ سے سالن تو مانگتا نہیں، سوکھی روٹی وہ اس وقت دیا کرو وہ اس وقت دیا کرو، اسے یہ خیال ہوا کہ اگر میں نے اللہ سے سالن بھی مانگا تو ممکن ہے زیادہ بوجھ پڑ جائے گا، حق تعالیٰ کو یہ بات ناگوار ہوئی ایک پولیس والا آیا اور شبہ میں پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا، وہ اس وقت ملنے لگیں روٹی اس وقت ملنے لگیں ..... بڑا پریشان ..... کہنے لگا کہ اے اللہ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی کیا قصور مجھ سے سرزد ہو گیا؟ اس کے دل میں الہام ہوا! خبردار ایسی شرطیں باندھ کر اللہ سے نہیں مانگی چاہیے ارے ظالم! سوچ تو اگر سالن کے ساتھ مانگ لیتا تو خدا کے خزانے میں کوئی کمی آجاتی۔

حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، تفسیر کبیر میں میں نے دیکھا تھا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص قیامت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں پیش کیا جائے گا جب اس کو بلایا جائے گا تو وہ یہ سوچ رہا ہو گا کہ مجھے کاہے کے لئے بلایا اس لئے کہ میرے پاس تو کوئی نیکی ہی نہیں میرے مقدمے پیش کرنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے، مجھے تو اگر وہیں سے جیل بھجوا دیا جاتا تو ٹھیک تھا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے کاہے کے لئے طلب فرمایا، دل میں یہ خیال آرہا ہو گا، جب حق تعالیٰ کے سامنے پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے میرے فلاں بندے میں نے تجھے نیکی کی وجہ سے بخش دیا وہ یہ کہے گا کہ اے باری تعالیٰ یہ تو بتلا دیجئے کہ وہ نیکی میری کونسی تھی کہ جس کی بدولت آپ نے مجھے بخشا میں نے تو کوئی نیکی کی ہی نہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کیا وہ فلاں رات

جب تو کروٹیں بدل رہا تھا تو کروٹیں بدلتے بدلتے تیرے منہ سے نکلا اللہ تو تیرے سب
اوپر تو نیند کا غلبہ ہو گیا اس کی وجہ سے تجھے یاد نہیں رہا کہ تیرے منہ سے اللہ نکلا تھا
لیکن اللہ تو جانتا ہے اللہ کو تو نیند ہی نہیں آتی اس نے یہ سنا تھا اور اس نیکی کی وجہ سے
اللہ نے تجھے بخش دیا۔

ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کسی کا عمدہ قسم کا گھوڑا چرا لائے۔ راستے میں
کسی شخص نے پوچھا کہ چوہدری صاحب گھوڑا تو بہت اچھا ہے بیچو گے؟ اس نے کہا کہ
ہاں بیچنا ہے تو اس نے کہا کہ صاحب مجھے اس کی سواری کر کے دکھا دیجئے اور جب آدمی
کسی کو دھوکے میں رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے پہلے اپنا اعتماد اور اطمینان تو قائم کر لیتا
ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں ذرا اس کی سواری دیکھنا چاہتا ہوں! اس کی خاطر اس نے
اپنے جوتے اعتبار میں رکھ دیئے بھلا اللہ کے بندے یہ اگر گھوڑا لے گیا اور اپنے جوتے
چھوڑ گیا تو جوتوں کے چھوڑنے سے گھوڑے کی تلافی تو ہو نہیں سکتی لیکن مطلب یہ تھا
کہ اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ گھوڑا لے کر بھاگ گیا۔ جوتے اتارے اور
گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑ ماری اس نے . . ہو گیا۔ اب یہ کافی دیر بیٹھ کر انتظار کرتا
رہا اور جب آخر کو وہ شخص نہ آیا تو اس کے جوتے ہی بغل میں دبا کر چلنے لگا کسی نے راستے
میں پوچھا کہ میاں گھوڑا بیچ دیا؟ انہوں نے کہا ہاں بیچ دیا۔ کتنے میں بیچا؟ کہنے لگا جتنے میں لیا
تھا اتنے ہی میں بیچ دیا یہ جوتے نفع میں۔

خیر تو میں عرض کر رہا تھا کہ آپ نے دیکھا کہ توحید کے ذریعے سے اللہ
تعالیٰ نے قوموں کے سروں کو اونچا کر دیا اور اب جب یہ اپنا سر اللہ کے سامنے جھکا دیتا
ہے تو ہفت اقلیم کے بادشاہ کے سامنے بھی نہیں جھکتے فرمایا کہ

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

توحید کا دوسرا فائدہ یہ ہے راحت و اطمینان' اطمینان یہ ہے کہ یہ کام اگر ہو گا تو یہیں سے ہو گا اور نہیں ہو گا تو کہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں کہیں سے بھی نہیں ہو گا'

شیخ سعدیؒ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص ۳۰ سال سے برابر عبادت اور بندگی کرتے تھے' ایک رات آواز آئی کہ تیری ساری عبادتیں نامقبول اور رد ہو گئیں اسی لئے کہ تو نے بڑی بے ڈھنگے طریقے پر یہ عبادت کی ہے' تیری عبادتیں قبول نہیں ہیں' وہ اگلے دن اٹھے اور پھر عبادت کرنے لگے تیسرے دن پھر اٹھے عبادت کرنے لگے' وہ خادم جو وضو کرایا کرتا تھا اس نے کہا کہ حضور! رات کو یہ آواز آئی ہے' یہ آپ سنتے ہیں' انہوں نے کہا کہ ہاں بھئی سنتے تو ہیں' انہوں نے کہا کہ حضرت جب ۳۰ سال کی عبادت قبول نہیں ہوئی اور منظور نہیں ہوئی تو کاہے کے لئے آپ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں' آرام سے پڑ کر سو جایئے' اس لئے کہ اب آپ کی زندگی میں رہ کیا گیا کہ جب ۳۰ سال کی قبول نہیں تو اب کاہے کی عبادت کرتے ہیں

فرمانے لگے کہ بھئی مشورہ تو تو نے مجھے اچھا دیا ہے لیکن یہ بتایئے کہ اگر اللہ کے یہاں سے قبول نہیں ہوئی تو کوئی دوسرا دروازہ بھی ہے کہ وہاں سے قبول ہو جائے' ہے کوئی اس نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ قبولیت کا کوئی اور دروازہ نہیں' فرمایا کہ جب کوئی دوسرا دروازہ قبولیت کا نہیں ہے تو بس اسی دروازے سے چمٹے رہیں گے' قبول ہو گا تب بھی چمٹے رہیں گے' نہیں قبول ہو گا تب بھی چمٹے رہیں گے'

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دروازہ کہ جس کے بغیر انسان کو گذارہ نہیں' اس کو تو کبھی بھی نہیں چھوڑنا چاہیے' فرمایا کہ

توانی ازاں دل بپرداختن
کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

فرمایا کہ

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا ونبینا محمد اعبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد ! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ○

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

اس سورت میں حق تعالیٰ نے ایک واقعہ ایسا بیان فرمایا ہے سرکارِ دو عالم ﷺ کا میرا یہ خیال ہے اگر ہم اپنے معاملوں میں سے اگر آخری جڑ کا پتہ چلائیں تو وہ یہ ہے کہ ہم اپنی محبت کا اظہار زبان سے کرتے ہیں شاید محبت کی حقیقت سے واقف نہیں یعنی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی وہ محبت نہیں ہے جو محبت جو حضور ﷺ چاہتے ہیں، وہ محبت تو بے شک ہے کہ ہم اور آپ اس ۲۳ سال کے اندر میرا خیال یہ ہے کہ ۲۳ کو چاہے آپ نے گزار لے ہوں گے صبح و شام سیرت النبی ﷺ کی مجلسیں ہوتی ہیں میلاد النبی ﷺ کی محفلیں ہوتی ہیں، ہم اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں، علامہ اقبال کا ایک شعر یاد آیا فرمایا۔

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

(بالِ جبریل صفحہ ۵۹ غزل ۳۵)

ہم اور آپ حضورِ اکرم ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہیں لیکن اگر ہم سے اور آپ سے کوئی پوچھے کہ اس ۲۳ سال کے عرصے میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیرت کا کوئی اثر ہم نے اپنی زندگیوں میں پیدا کیا تو میرا یہ خیال ہے کہ ہماری گردنیں شرم سے جھک جائیں گی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ محبت کے لفظ سے واقف ہیں محبت کی حقیقت سے واقف نہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید بہت بات اس کا نام محبت ہے نہیں ...

اس کا نام محبت نہیں ہے' مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں' فرمایا

تو بیک زخمی گریزانی ز عشق

تو بجز نامی چہ میدانی ز عشق

(ملفوظات صبر و شکر ۳۵۹)

شاید عشق کا نام تم نے سنا ہے' عشق کی حقیقت نہیں جانتے' یہی وجہ ہے کہ جب ذرا سی چوٹ لگی تو تم چھوڑ بیٹھے ہو'

شیخ سعدیؒ کی طرف بہت سے واقعات غلط سلط بھی مشہور ہو گئے ہیں اور فارسی کے بہت سے محاورات' مثلاً آپ نے یہ سنا ہوگا کہ "درگلوی ماند سنت پیغمبری است"

تو لکھا ہے کہ اصل میں ان کو شادیوں کا اور نکاح کرنے کا بڑا شوق تھا' ایک تم عمر بدمزاج لڑکی سے انہوں نے شادی کر لی' انہوں نے کہا کہ سالن میں نمک کم ہے' تو اس جھگڑے میں وہ ہنڈی اٹھا کے اس نے ان کے سر پہ جو ماری تو ہانڈی تو ٹوٹ گئی اور وہ گلا یا گھیرا ان کے گلے میں آ گیا' یہ باہر چلے گئے اور لوگوں کو بلا کر کہا "درگلوی ماند سنت پیغمبری است" آؤ گلے والو' دیکھو میرے گلے میں سنت رسول ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ زیادہ تر فرضی قسم کے واقعات ہیں'

انہی میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی محبت کا اظہار کسی سے کیا اور وہ بڑا چالاک آدمی تھا' اس نے کہا اگر واقعی آپ کو مجھ سے محبت ہے تو چلئے ذرا سمندر میں تیرنے کے لئے' شیخ سعدی تیرنا جانتے نہیں تھے' وہ چلا جا رہا ہے اور شیخ سعدی کو لے جا رہا ہے' ابھی ٹخنوں ٹخنوں پانی آیا تو شیخ سعدی نے بھی انکار نہیں کیا' پنڈلیوں تک آیا پھر بھی انکار نہیں کیا' گھٹنوں تک پانی ہو گیا پھر بھی انکار نہیں کیا' لیکن جب گھٹنوں تک پانی چڑھ گیا تو شیخ سعدی گھبرانے لگے تو یہ اس کے پاس آئے کہ عشق

کھینچتے ہیں کوئی نام لکھ دیتا ہے تو اس سے نقش کے بعد جو مسالہ داخل کرتے ہیں اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے بدن گودا جاتا ہے تو وہ ہمت کر کے گودنے والے کے پاس گئے کہ میری کمر پر ایک شیر کی تصویر بنا دو، وہ گودنے والا مسالہ اور سامان لے کے آیا اس نے اوزار رکھے اور سوئی چبھوئی تو اس نے بڑے زور سے چیخ ماری اور کہا ارے بھئی کیا بناتا ہے؟ اس نے کہا بھئی دم بنانا شروع کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں دم بنانے میں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے اگر بلا دم کے بھی تو شیر ہوتا ہے، دم نہ بنا یہ تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا بہت اچھا میرا کام آسان ہو گیا۔

اس کے بعد پھر سوئی چبھوئی اس نے پھر چیخ ماری پوچھا اب کیا بناتا ہے؟ اس نے کہا سر بنا رہا ہوں، تو آپ فرماتے ہیں ارے یار بلا سر کا بھی تو شیر ہوتا ہے اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ مولانا جلال الدین رومی نے لکھا ہے اس گودنے والے نے غصہ میں آ کر اپنے اوزار پھینک دیے اور کہا

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید

ایں چنیں شیر خدا ہم نہ آفرید

ارے ظالم تو چاہتا ہے سر نہ بنا، کان نہ بنا، دم نہ بنا، تجھے شیر بنا دوں ارے ظالم ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا، میں تیری کمر پر کہاں سے بناؤں۔ فرمایا کہ

تو بیک زخمی گریزانی ز عشق

تو بجز نامی چہ می دانی ز عشق

غزوہ احد میں سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے، صحابہؓ منتظر ہیں آپ ﷺ نے اپنی تلوار نکالی اور فرمایا کہ من یاخذ ھذا السیف تم میں سے میری تلوار کون لے گا؟ تمام صحابہ نے دونوں دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے کہ یا رسول اللہ ہمیں دے دیجئے، ہمیں دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح نہیں، تم یہ بتاؤ کہ تم میں سے

اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟ کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا حق کیا ہے۔ مشہور پہلوان حضرت ابودجانہؓ سبحان اللہ! ایک وہ صحابی ہیں کہ اس شخص کو کسی نے اتراتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن جب وہ میدان جہاد میں جاتے تھے تو اس طرح اتراتے ہوئے شوخیاں کرتے ہوئے جاتے تھے۔ رسول اللہ نے دیکھا فرمایا خدا کی قسم! یہ وہ چال ہے کہ خدا کو تمہاری یہ چال پسند نہیں لیکن چونکہ تو جہاد میں جا رہا ہے اس لئے یہ چال خدا کو پسند ہوئی۔ ابودجانہ جب جہاد میں جاتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان سے زیادہ کوئی جنگ کی مستی پیدا کرنے والی نہیں ہو سکے گی ابودجانہ اٹھے اور کہا

إنها لمشية يبغضها الله إلا في مثل هذا الموطن

کہ یا رسول اللہ میں حق ادا کروں گا۔ حضور اکرم ﷺ نے تلوار ابودجانہ کو دے دی۔ حدیث میں آتا ہے صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اس تلوار کا کیا حق ہے؟ جو رکھے جتنا جتنا شرف ملتا ہے جتنا جتنا مرتبہ بڑھتا ہے اتنی ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہیں حضور نے فرمایا تضرب به العدو حتى ينحني کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہو وہ پیچھے کی صف میں نظر نہ آئے وہ سامنے کی صف میں نظر آئے۔ یہ تلوار رسول کی تلوار ہے پیچھے نہیں ہٹتی اور جس کو اپنی جان عزیز ہے وہ پیچھے ہٹنا چاہتا ہے تو رسول اللہ کی تلوار تھامنے نہ جائے۔ فرمایا کہ

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اسلام نے بتایا ہے بہادری کسے کہتے ہیں؟ قوت بتانے کا نام بہادری نہیں ہے۔ اس لئے نہتوں کے اوپر حملہ کرنا، عورتوں پر حملہ کرنا یا کمزوروں پر حملہ کرنا اسلام کی نظر میں بہادری نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ بزدلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کبھی اجازت نہیں دی ہے کہ بغیر اعلان کے اور بغیر

اطلاع کے آپ حملہ نہ کریں جیسے آپ نے ۱۹۶۵ء میں دیکھا ہوگا کہ بھارت نے سوتے ہوئے انسانوں کے اوپر حملہ کیا، مسجدوں کے موذن اور امام مارے گئے بچے تباہ ہوئے بوڑھے اور ضعیف مارے گئے، اسلام کے احکام یہ ہیں کہ خبردار! صرف لڑنے والے مارے جائیں، بوڑھوں پر تلوار نہ چلائی جائے، عورتوں، بچوں اور راہبوں پر جو عبادت خانوں میں بیٹھے ہیں ان پر تلوار نہ چلائی جائے۔

تو میں نے عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس تلوار کا دوسرا حق یہ ہے کہ اس تلوار سے کسی بچے یا کسی عورت کو نہ مارا جائے یہ تلوار رسول کی تلوار ہے میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ حضرت ابو دجانہؓ نے تلوار کا حق ادا کیا میدان جہاد کے اندر۔

اور کیا خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا تھا اور میں ایمان سے کہتا ہوں کہ اصل میں ہمیں اور آپ کی زندگی میں شاید کسی چیز کی لذت اتنی نہیں ہوتی جتنی صحابہ کو شہادت لذیذ معلوم ہوتی تھی۔ میں نہیں سمجھا رہا ہوں، واقعہ لکھا ہے

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، غزوہ احد میں اور ایک دوسرے صحابی حضرت عبداللہ بن جحشؓ ہیں ان دونوں نے کہا ابھی تک تو لڑائی شروع نہیں ہوئی تو ویسے بیٹھ کے گپ مارنے کے تو ہم عادی نہیں ہیں، چلو آؤ بیٹھ کے دعا کریں اور فرمایا کہ دعا اس طریقے پر کریں کہ تم جو دعا کرو میں آمین کہوں اور میں جو دعا کروں، تم آمین کہو، اتنا لئے کہ قرآن کریم کی زبان میں ایک دعا مانگنے والا ایک آمین کہنے والا دونوں کو قرآن دعا مانگنے والا کہتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگ رہے ہیں، حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے ہیں، قرآن مجید نے کہا قد اجیبت دعوتکما تم دونوں کی دعائیں قبول کر لی گئیں، حالانکہ دعا تو ایک ہی مانگ رہے تھے، معلوم ہوا آمین کہنے والے کا مرتبہ دعا مانگنے والے کے برابر ہے۔

صحابی نے فرمایا کہ تم دعا مانگو میں آمین کہوں، میں دعا مانگوں تم آمین کہو

وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ انہوں نے کہا بہت اچھا، ہر ایک کا ذوق الگ الگ
ہے۔ دعا جاری ہے، وہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! میرا کسی نہایت سخت کافر سے مقابلہ
ہو آمین۔ اور بہت دیر تک اس کے ساتھ جھگڑا ہو آمین۔ اور پھر میں اس کو چت
کر دوں آمین۔ اور پھر میں اس کو قتل کر دوں آمین۔ یہ آمین آمین کہہ رہے ہیں۔ انہوں
نے کہا تمہاری دعا تو ہو چکی اب میری دعا ہے تم آمین کہو۔ یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ میرا
کسی نہایت سخت کافر سے مقابلہ ہو دیر تک اس سے مقابلہ ہوتا رہے آمین۔ وہ اس کے
بعد میں شہید کر دیا جاؤں۔ وہ اس کے بعد میرے ناک کان آنکھ سب کاٹ دیئے جائیں۔
مجھے مثلہ بنا دیا جائے اور وہ آمین کہہ رہے ہیں اور فرمایا کہ اسی طرح سے پھر میں بارگاہ الٰہی
میں پیش کر دیا جاؤں کہ میرے کان ناک آنکھ سب کٹے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے
دریافت کریں اور پوچھیں کہ ہم نے تو تجھے کان ناک آنکھ کے ساتھ پیدا کیا تھا تیرے
کان ناک آنکھ کہاں ہیں؟ میں کہوں کہ اے اللہ تیرے راستے میں کٹوا کے آیا ہوں اور وہ
ساتھی آمین آمین کہہ رہے ہیں۔

آپ اندازہ لگائیے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب چیز
ہے وہ صحابہؓ کے لئے شہادت تھی اور میں نے ویسے ہی نہیں کہا، مجھے بات یاد آگئی۔

ایک صحابی ہیں جن کو مثلہ بنا دیا گیا ہے۔ ان پر چادر ڈالی ہوئی ہے ان کے
صاحبزادے فرماتے ہیں یا رسول اللہ چادر ہٹا کے دیکھوں، فرمایا نہیں ضرورت نہیں ان
کو دفن کر دیا گیا۔ تھے وہ صاحبزادے رنجیدہ بیٹھے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت
فرمایا کہ آپ خاموش خاموش کیوں ہیں؟ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو آپ نے
فرمایا کہ اپنے والد کی شہادت پر رنجیدہ ہیں کہ ناک کان آنکھ سب کاٹ کے مثلہ بنا دیا گیا
ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ اس بات سے میرا دل رنجیدہ ہے کہ شہادت بھی
ایسی ملی کہ ناک کان آنکھ سب کٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے باپ سے خدا نے کیا کہا، یا جو تمھارے باپ نے کیا جواب دیا؟ انھوں نے کہا یا رسول اللہ مجھے نہیں معلوم۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمھارے باپ کی حاضری ہوئی بارگاہ خداوندی میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ہمارے راستے میں اتنی بڑی قربانی دے کے آئے ہو، مانگو کیا مانگتے ہو، جو چاہو مانگو دیا جائے گا۔

تو تمھارے باپ نے کہا اے اللہ میں جو جو قربانی دے چکا ہوں، اس کے بدلے میں اگر آپ مجھے دینا چاہتے ہیں، صرف اتنا مانگتا ہوں کہ آپ مجھے دوبارہ زندگی عطا فرمائیں تاکہ اسی طریقے سے لذت شہادت دوبارہ حاصل کروں، جو لذت مجھے اس شہادت میں ملی ہے، میں وہ لذت اب دوبارہ اٹھانا چاہتا ہوں۔

علماء نے لکھا ہے بظاہر شہید کے گلے پر چھری چل رہی ہے مگر فرمایا کہ جو شہید مارا جاتا ہے اس کو تکلیف بھی اتنی سی ہوتی ہے جیسے آپ کی زندگی میں کوئی چیونٹی کاٹ لے، اس سے زیادہ نہیں۔ خیر، تو میں عرض یہ کر رہا تھا، مطالبات تو ہے وہ یہ ہے کہ محبت آج ہمارے دلوں میں وہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال کے وہ شعر یاد آ گئے لوگوں کے حالات پر۔ کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ اے مسلمان آج تیرے پاس دنیا کی تمام نعمتیں موجود ہیں لیکن تیرے دامن میں محبت کا وہ نشہ نہیں ہے، آج وہ تڑپ نہیں ہے، وہ ذوق نہیں، وہ شوق نہیں۔ فرمایا کہ

ہر طرح کی شوکت و آن خالق نے تمھیں بخشی
تھوڑی سی ضرورت ہے آنکھوں میں مروت کی

وہ نہیں فرمایا کہ

اے تہی از شوق و ذوق و سوز و درد
می شناسی عصر ما با ما چہ کرد

سنا دی گئی ہیں

علامہ اقبال مرحوم کا ایک قطعہ یاد آیا۔ فرمایا۔ کہ

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روز محشر عذر ہائے من پذیر

اے اللہ! تیری بڑی شان ہے' ہمارے سارے قصور آخرت میں معاف کر دے ہم محتاج ہیں آپ بے نیاز ہیں

یا اگر بینی حسابم ناگزیر

اور اگر میرا مقدمہ آگے چلے میدان حشر میں' تو پھر میری ایک درخواست یہ ہے کہ میرا مقدمہ سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہوں سے چھپا کے پیش کیا جائے' اس لئے کہ میں مجرم ضرور ہوں مگر رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذلیل نہیں ہونا چاہتا'

یا اگر بینی حسابم ناگزیر

از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

آج ہمارے اور آپ کے دلوں میں ماں باپ کی محبت ہے' کنبے اور قبیلے کی محبت ہے' کاروبار اور جائیداد کی محبت ہے' وطن اور قوم کی محبت ہے' زبان اور تہذیب کی محبت ہے' رنگ و نسل سے محبت ہے لیکن آپ اس واقعہ کو سن لیجئے اور دیکھئے کہ محبت کرنے والے حضور ﷺ سے کس طرح محبت کرتے تھے'

تین صحابی ہیں جن میں سے ایک کا نام کعب ابن مالک ہے' دوسرے کا نام مرارہ بن ربیع اور تیسرے کا نام ہلال بن امیہ ہے یہ تینوں بڑے جلیل القدر صحابی ہیں واقعہ یہ ہے کہ سن ۹ ہجری کے اندر ایک لڑائی کے لئے لشکر روانہ ہوا ہے لڑائی کی نوبت نہیں آئی اور وہ غزوہ' غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہے' اس سے پہلے مدینے میں قحط پڑ چکا ہے فاقے گذر چکے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ تنگدستی کا دور ہے' یعنی

کہ میاں تم عجیب بے وقوف ہو پیچھے کی نیت کے لئے تو کوئی جاتا نہیں اخیر یہ ہونے کی نیت سے جا رہے ہیں یہ کیا بات کہی تم نے۔

انہوں نے کہا کہ دیکھو پچھلے سال قحط پڑا ہے اور اس سال کی فصلیں تیار کھڑی ہیں اگر تم اس حالت میں چلے گئے تو اس سال کی فصلیں بھی تباہ ہو جائیں گی' انہوں نے کہا۔ نہیں۔۔ ہمارا فلسفہ یہ ہے ہم خدا کا کام کریں خدا ہمارے کام کی نگرانی کرتا رہے گا' ہمیں یقین ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ہم نکلیں گے' ہماری فصلوں کو دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکے گی اتنا پختہ ایمان ہے۔

روانہ ہو گئے' منافقین دیکھتے رہ گئے' حضور اکرم ﷺ روانہ ہو گئے کعب بن مالک' مرارہ بن ربیع' ہلال بن امیہ' یہ تینوں کے تینوں صحابی سوچ رہے ہیں کہ ہمارے پاس اپنی سواری ہے اور صحابہ کو ایک ایک سواری پر ۱۸'۱۸ مجاہدین باری باری سے سواری کرتے ہوئے جاتے تھے انہوں نے سوچا ہماری اپنی سواری ہے آج نہیں کل نکل نہیں پرسوں' جا کے لشکر میں مل جائیں گے" آج کل" آج کل میں یہ وقت گذر گیا اتنے میں حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لائے'

رومیوں نے جب یہ خبر سنی کہ پیغمبر اسلام حیات ہیں اور لشکر لے کے آئے ہیں تو روی وہیں سے واپس ہو گئے' لڑنے کی نوبت نہیں آئی'

اب جبکہ حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لائے' منافقین میں کھلبلی مچ گئی کیا کریں کوئی لنگڑا ہوا جا رہا ہے' کسی نے آنکھ بند کر لی ہے' کسی نے پٹی باندھ لی' یا رسول اللہ ﷺ چوٹ لگ گئی تھی۔۔ مجھے تو بخار آ گیا تھا میں اس وجہ سے نہیں جا سکا'

کعب بن مالک تشریف لائے' بڑے جلیل القدر صحابی ہیں بدری ہیں حضور اکرم ﷺ کو آ کر سلام کیا' حضور اکرم ﷺ نے سلام کا جواب دیا لیکن جواب سے پتہ چل گیا کہ آج رسول اللہ ﷺ ناراض ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے کعب بن مالک

حضرت قتادہ کہتے ہیں، کعب بن مالک ان کے باغ میں گئے... السلام علیکم! حضرت قتادہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کعب بن مالک نے کہا کہ اے قتادہ! کیا میں نے تجھ پر احسانات نہیں کئے ہیں؟ قتادہ نے کہا کہ خدا کی قسم آپ نے بہت سے احسانات کئے ہیں لیکن اس کائنات میں سب سے زیادہ بڑے محسن سرکار دو عالم ﷺ ہیں، جب تک آپ سے وہ ناراض ہیں، میں آپ کے سلام کا جواب بھی نہیں دوں گا، کہاں کا چچا کیسا بیٹا! کس کی قرابت داری کس کی رشتہ داری... فرمایا کہ

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

ہے تو اپنا مگر خدا سے بیگانہ ہے، جو اپنا ہو اور خدا سے بیگانہ ہو، وہ اپنا نہیں ہے، جو غیر ہو اور خدا سے آشنائی رکھتا ہو وہ اپنا ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کہ آشنا باشد

حضرت قتادہ نے صاف انکار کر دیا، روتے ہوئے آگئے۔

کعب بن مالک کہتے ہیں، میں جب گھر کے دروازے میں داخل ہوا، دیکھا کہ بیوی بستر اور سامان وغیرہ جمع کر رہی ہے۔ میں نے کہا کہ تم کہاں جا رہی ہو؟ انہوں نے کہا مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ آپ سے ناراض ہیں، میں بے شک آپ کی بیوی ہوں لیکن خدا کی قسم جب تک سرکار دو عالم ﷺ آپ سے ناراض ہیں آپ کے گھر میں رہنا پسند نہیں کرتی، میں جا رہی ہوں۔

میرے دوستو! آپ نے اندازہ لگایا، شوہر بیوی سے محبت کرے، بیوی شوہر سے محبت کرے، اولاد باپ سے محبت کرے، باپ اولاد سے محبت کرے، لیکن یاد رکھئے رسول اللہ کی محبت یہ ہے کہ جب خدا کا اور خدا کے رسول کا حکم آئے تو پھر یہ تمام کے تمام تقاضے اور رشتے سب کٹ جاتے ہیں، یہ اصل بات ہے۔ کیا وہ بیوی نہیں تھی لیکن

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت جب جنت میں جائیں گے ... یہ خون کی محبت بھی عجیب محبت ہے وہ کہیں گے فرشتوں سے کہ ہماری اولاد کہاں ہے اگر وہ مشرک اور کافر ہوتی تو ہم پوچھتے نہیں وہ تو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے ہم نے تو ان کو قرآن پڑھایا تھا وہ روزے اور نماز کے پابند تھے ... یہاں نظر نہیں آتے ۔ تو حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اہل جنت اپنی اولاد کو پوچھتے ہیں حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ ان سے کہہ دو کہ تمہاری وہ اولاد صاحب ایمان تھے صاحب عمل تھی وہ بھی جنت میں ہیں لیکن ان کا درجہ تم سے مختلف ہے نیچے ہے ان کا درجہ اطمینان رکھو وہ تمہارے ساتھ جنت میں ہیں تو وہ کہیں گے اے اللہ انہوں نے اور ہم نے عبادت تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کی تھی لیکن فطری بات ہے کہ اولاد کو اپنے سامنے دیکھ کے دل ٹھنڈا ہوتا ہے ۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ ان کا دل ٹھنڈا کرنے کے لئے ان کو نیچے درجے میں لے جاؤ یہ شان کریمی کے خلاف ہے اس لئے ان کا دل ٹھنڈا کرنے کے لئے ان کی اولاد کو بھی اوپر کے درجے میں لے آؤ ۔

سرسید مرحوم کے پیش نظر یہی تھا ۔ چھوٹے سرسید سے ملاقات کی ہے ؟ آپ میں سے اگر کوئی صاحب واقف ہوں گے خان بہادر نجم الدین صاحب اٹاوہ اسلامیہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے اور وہ درحقیقت چھوٹے سرسید تھے انہوں نے سرسید کا زمانہ بھی دیکھا میں نے یہ الفاظ اپنے کان سے سنے ہیں خان بہادر نجم الدین صاحب خود کہا کرتے تھے کہ سرسید نے جو یونیورسٹی اور کالج قائم کر کے قوم نکالی ہے اگر سرسید آج اگر قبر سے نکل کے دیکھیں اپنی قوم کو تو اپنے ہاتھوں سے پھاوڑا لے کر اس عمارت کو گرا دیں میں نے کہا کیوں ؟ کہنے لگے کہ سرسید کے پیش نظر تو یہ تھا کہ مسلمان ایم اے کریں گے بی اے کریں گے انگریزی پڑھیں گے جج بنیں گے اور مسجد کے دروازے پر گاڑی کھڑی ہوگی جمعہ بھی ادا ہوگا کسی کی

گاڑی ہے... جج صاحب کی گاڑی ہے نماز کے لئے تشریف لائے ہیں فلاں پولیس آفیسر نماز کے لئے تشریف لائے ہیں اس سے مسلم قوم کی شوکت بڑھے گی لیکن فرمایا کہ یہ ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا کہ جو لوگ جتنی ڈگریاں پاس کر کے چلے جائیں گے اسلام سے اتنی ہی دور ہوتے چلے جائیں گے یہ ان کے پیش نظر نہیں تھا اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا کہ

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جنٹ یا کوئی جج ہے

بہر حال عرض میں یہ کر رہا تھا سرکار دو عالم ﷺ سے محبت کا مطلب یہ ہے اپنے تمام مفادات کو آپ نظر انداز کریں بلکہ پشت ڈال دیں ایک ہی تقاضا سامنے رکھیں یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ خدا اور خدا کے رسول کی جب پکار آئے جب اس کی طرف سے دعوت دی جائے تو تمام تقاضوں کو اور دعوتوں کو نظر انداز کر دیا جائے یہ اصل میں محبت ہے

آخر میں مولانا جلال الدین رومی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک آدمی نے دیکھا کہ ایک عورت چلی جا رہی ہے اس نے بڑے خوبصورت کپڑے پہن رکھے ہیں یہ گیا اور جا کے کہا مجھے آپ سے بڑی محبت ہے اس نے کہا کہ کوئی حرج نہیں محبت تو ہو جاتی ہے آپ کو بھی ہو گئی ہو گی کوئی بات نہیں لیکن میری ایک بات سن لیجئے اور وہ یہ ہے کہ میری ایک بہن ہے اور وہ مجھ سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہے میرے پیچھے آ رہی ہے مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس عورت نے زور سے لات ماری اور کہا کم بخت اسی کا نام محبت ہے اگر مجھ سے بہتر کی خبر ملی تو محبت ختم

یاد رکھئے کہ محبت اسے کہتے ہیں "یک گیر محکم گیر" ایک ہی تقاضا ہونے

سامنے ہے کہ خدا کا اور خدا کے رسول کا تقاضا کیا ہے؟ اس کی دعوت کیا ہے؟ اس کی پکار کیا ہے.. آج اسی محبت کی ہمارے اندر کمی آگئی ہے اگر یہ محبت کا چراغ پھر ہمارے اندر جل جائے ان شاء اللہ پھر نور پیدا ہوگا اور ہماری پھر اصلاح ہو جائے گی...... دعا کیجئے.... یا اللہ ہم سب کو سرکار دو عالم ﷺ کی محبت عطا فرما۔ اے اللہ ہمارے دلوں میں حضور ﷺ کا عشق اور آپ کی محبت پیدا فرما۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مشتاق احمد عفی عنہ

۶٬۱۱٬۹۵ء

لیلۂ مبارکہ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا ونبینا محمد اعبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد ! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز

اس وقت سورۂ دخان کی ابتدائی آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کی گئیں۔ یہ ایک مشہور سورت ہے اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی رات کا ذکر فرمایا ہے کہ جو برکت والی رات ہے۔ اگرچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اور بھی راتوں کا ذکر فرمایا ہے مثلاً قدر کی رات "لیلۃ القدر" و "لیلۃ الاسریٰ" معراج کی رات "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی" یہ اسریٰ اور معراج کی رات کہلاتی ہے۔ "اسریٰ اور معراج" ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ مسجد الحرام سے بیت المقدس تک جو سفر ہے اس کو اسریٰ کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے عرش الٰہی تک کا جو سفر ہے اس کو معراج کہتے ہیں۔ لیکن یہ سفر کے دونوں مرحلوں کو اور دونوں حصوں کو شب معراج، سفر معراج اور معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض ایسی راتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو اللہ کے نزدیک محترم ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے دس دنوں کی، دس راتوں کی، اور قسم ہمیشہ ان چیزوں کی کھائی جاتی ہے کہ جن کی عظمت ہے، جن کا احترام ہے، جن کا تقدس ہے۔ ذلیل چیز کی قسم کوئی نہیں کھاتا۔ جو لوگ اپنی آنکھوں کی اور سر کی، باپ کی قسمیں کھانے کے عادی ہیں، یہ طریقہ اسلام میں قسمیں کھانے کا نہیں ہے بلکہ منع ہے

اسلام میں ' مگر میں بتا رہا ہوں کہ جو کوئی آنکھوں کی قسم کھاتا ہے سر کی قسم کھاتا ہے ' وہ کبھی پاؤں کی قسم نہیں کھاتا کیونکہ جسم انسانی میں جو اعضاء بہت اہم ہیں ' ان کی قسم کھاتا ہے اسی طرح نہایت اہمیت رکھنے والی اور عظمت رکھنے والی ذات کی قسم کھائی جاتی ہے اور وہ صرف اللہ ہے یا اللہ کا کلام ہے '

تو میں نے عرض کیا کہ جہاں قسمیں کھائی ہیں اللہ تعالٰی نے دس راتوں کی اور راتوں سے مطلب مراد دن اور رات دونوں ہیں ' کیونکہ ہمارے یہاں اصل میں اصل ہے رات اور جو رات کی تاریخ ہوتی ہے وہ اگلے دن کی ہوتی ہے فرمایا کہ

وَالْفَجْرِ وَ لَيَالٍ عَشْرٍ قسم ہے فجر کی اور قسم ہے دس راتوں کی بعضوں نے کہا کہ یہ دس راتیں ذی الحج کی دس راتیں ہیں بعضوں نے کہا کہ یہ عشرہ محرم کی دس راتیں ہیں اور دس دن ' لیکن بہر حال ان دس دنوں کا بھی ذکر فرمایا ' پھر اللہ تعالٰی نے بعض ایسی راتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ جس میں کسی کی تعیین نہیں ' رات رات ہے ' فرمایا وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى قسم ہے دن کی قسم ہے رات کی اور اگر آپ دیکھیں تو ایک رات تو لیلۃ القدر ہوئی ' ایک رات لیلۃ مبارکہ ہوئی ایک رات لیلۃ الاسریٰ ہوئی ' ان سب کو چھوڑ کر اگر آپ دیکھیں یہ میرے اور آپ کے اختیار میں ہے کہ آپ ہر رات کو لیلۃ القدر بنا دیں ہر رات کو لیلۃ البراءت بنا دیں ' فرمایا

اے خواجہ چہ پرسی ز شب قدر نشانی
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

ہر رات کو اٹھ کے اگر آپ جاگیں ' اللہ کی یاد میں نوافل پڑھیں اور خدا کو یاد کریں آپ نے تو ہر رات کو لیلۃ القدر بنا دیا ' رات عبادت کے لئے مخصوص ہے '
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ انسانوں کے عمل سے دو راتیں مشہور ہو چکی ہیں ' شب عابد ' ایک تو کوئی رات ہوتے ہی جب دیکھتا ہے کہ خلق خدا سو

کی ہے اور ایک کالی چادر مختصر روشنی کے اندر تیرے سے نئی تو اللہ کے کلام سے بعد سے ہٹ کر الگ ہو کر اللہ کے سامنے اللہ سے باتیں کرتے ہیں اللہ کی عبادت کرتے ہیں یہ شرف تعلق ہے یہ عابدوں کی رات ہے اس رات کی وہ انتظار کرتے ہیں ان کو شوق ہے ان کے لئے رات میں لذت ہے دن میں لذت نہیں تنہائی میں لذت ہے جلوت میں لذت نہیں

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ سلطان سنجر نے سنجر ایک شہر کا نام ہے جیسا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ وہ سنجری بھی ہیں سنجر سے چل کر بغداد آئے ہیں بغداد سے چل کر ہوتے ہوئے وہاں آئے دہلی سے پھر آکر اجمیر میں قیام کیا ہے

سلطان سنجر نے شیخ عبد القادر جیلانی سے کہا میں آپ کو اپنی سلطنت اور اپنی ریاست کا ایک حصہ دینا چاہتا ہوں تاکہ آپ اس کی آمدنی سے فراغت کے ساتھ اللہ کی عبادت اور بندگی کریں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے واپس کر دیا اور واپس کر کے یہ لکھا

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد

در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

مجھے تیرے ملک سنجر کی پرواہ نہیں کیوں حضرت مولانا تھانوی یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ یہ بزرگان دین جو بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں یہ مفت نہیں ہیں بیٹھے یاد رکھئے جس آدمی کے جیب میں پیسہ نہیں ہے وہ اگر بڑا بول بولے گا تو پتہ چل جائے گا کہ میاں جیب میں تو کچھ ہے نہیں اور باتیں اتنی بڑی بڑی کرتے ہو اور جس کی جیب میں رقم ہوتی ہے جب وہ بات کرتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ خالی نہیں ہے جیب فرمایا کہ یہ جو اللہ والے ریاستوں اور سلطنتوں پر لات مار دیتے ہیں تو فرمایا کہ ان کی بات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خالی نہیں ہے ان کے پاس بھی کوئی سلطنت ہے جبھی تو اس سلطنت کو خاطر میں نہیں لاتے اور جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا ہے ان کا انداز

دولت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

تو مطلب میرا کہنے کا یہ تھا کہ ایک رات تو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر مقرر کیا ہے "ایک لیلۃ القدر ہے" ایک لیلۃ مبارک ہے' دس راتیں وہ ہیں اور پھر عام رات کا ذکر فرمایا ہے' ہر شب شب قدر است' اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ تو تمہیں محسوس ہوگا کہ ہر رات شب قدر ہے۔

بہرحال شعبان کا مہینہ ہے اور میں نے گذشتہ جمعہ یہ بات عرض کی تھی کہ یہ مہینہ جو ہے در حقیقت رمضان کی تمہید ہے اور تمہید کا لفظ میں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی جس طرح فرض سے پہلے سنتیں پڑھتے ہیں فرض کے بعد سنتیں اور نفل پڑھتے ہیں بالکل اسی طریقے سے شعبان کا مہینہ رمضان کے اعتبار سے تمہید ہے اصل میں سنت ہے فرض کی اور سنت کا کام یہ ہے کہ عبادت چاہے ہزار سال کی ہو قبول نہیں ہے جب تک کہ خشوع اور خضوع کے ساتھ نہ ہو جب تک حضور قلب سے نہ ہو کبھی کبھی مہینوں اور سالوں کی عبادت قابل قبول نہیں ہوتی ہے مگر ایک لمحہ کی عبادت اس لیے قابل قبول نہیں ہوتی ہے مگر ایک لمحہ کی عبادت اس لئے قابل قبول ہوتی ہے کہ اس وقت اس کی دل کی کیفیت اچھی تھی ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اعمالکم حدیث ہے اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا' تمہارے ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا ہے ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم لیکن وہ تمہارے دل کی حالت کو دیکھتا ہے اور وہ تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے

معلوم ہوا آپ کی عبادت قابل قبول نہیں ہے جب تک اس کی عبادت میں روح پیدا نہ ہو جائے اگر آپ یہ کہیں گے کہ یہ نہیں تو بغیر روح کے صحیح طریقے پر عبادت نہیں ہوتی' بس فرض ادا ہو گیا لیکن یہ قناعت آپ نے کبھی دنیا کے معاملے میں تو اختیار نہیں کی - آخرت کے بارے میں آپ ایسی قناعت اختیار کر لیتے ہیں کوئی عبادت خواہ نماز ہو روزہ ہو یا حج ہو جب تک سب میں اخلاص' کیفیت حضوری

تمام حساب و کتاب اور گلے والوں سے حساب کتاب چکا کے معافی مانگ کے جاتا تھا۔ کیوں کہ کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک پیدل سفر ہے، قافلوں سے گزرنا ہے پتہ نہیں جان بھی بچے گی یا نہیں اتنا طویل زمانہ اس میں لگتا تھا۔ مگر جب وہ حج کر کے واپس آتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ پارس کی چیز ان کے آیا ہے جانے اور آنے کے اندر یہ جتنا وقت لگتا ہے۔ جب تک کہ وہ بیت اللہ کو پہنچا ہے۔ اس وقت تک تو وہ ولایت کی منزل پر پہنچ چکا ہے۔

مگر اب روزانہ ہوتا ہے۔ کیفیت حضوری موجود ہے، مہینے گزرتے ہیں ایسا ہے کہ جیسا کہ اللہ کے گھر تک جانے کے لئے ریاضت کرتا ہے۔ لیکن آج آپ نے دیکھا ایک آدمی اپنے بستر سے اٹھا۔ جہاز میں بیٹھ گیا اور چند گھنٹوں کے بعد بیت اللہ میں پہنچ گیا۔ آج پہنچنے والے کے دل میں وہ کیفیت حضوری نہیں ہے کہ جو اس کے دل میں ہوتی تھی جو کتنی لمبی مسافت طے کر کے جاتا تھا۔

تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن لوگوں کو رمضان کی کیفیت اور ہوگی کہ جو کہیں رمضان کے چاند کے دن۔ اچھا بھئی رمضان آ گیا ان کے دل کی کیفیت اور ہوگی جو شعبان کے آنے کی وجہ سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ بھئی رمضان کے لئے تیاری کرو۔ ان دونوں کی کیفیتوں میں فرق ہوگا۔ تو میں نے عرض کیا کہ شعبان تمہید ہے رمضان کی اس شعبان کے مہینے میں ایک رات اللہ تعالیٰ نے ایسی عطا فرمائی ہے کہ جو اس رات کے بالکل مشابہ ہے جو رات رمضان میں آنے والی ہے۔ اس کا نام ہے لیلۃ القدر اس کا نام ہے لیلہ مبارک۔ اور اس رات کو حدیث میں لیلۃ البراءت بھی کہا گیا ہے۔

لوگ کہتے ہیں شب برات بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ شعبان کی 15 ویں کا ذکر قرآن مجید میں کسی جگہ بھی نہیں ہے۔ چونکہ انہیں ایک پریشانی ہے اور وہ پریشانی یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ فرمایا کہ ہم نے قرآن کو ایک رات میں نازل کیا ہے کہ جس

کا نام لیلۃ القدر ہے اور وہ رمضان کی 27 ویں رات ہے۔ یا آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ایک رات ہے اور فرمایا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ لیلہ مبارکہ شعبان کی 15 ویں رات ہے تو لوگوں کو ہم کیا جواب دیں گے کہ یہ کیا ہے کہ قرآن ایک رات میں اترا ہے، شعبان کی 15 ویں کو بھی اترا ہے اور رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر میں بھی اترا ہے

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ —— إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ

کونسی بات صحیح ہے۔ لہذا اس کا ایک ہی حل ہے کہ لیلہ مبارکہ کوئی الگ رات نہیں، وہی لیلۃ القدر والی رات ہے۔ لہذا شعبان کی رات کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے، یہ حال ہماری شریعت میں احکام کو ثابت کرنے کے لئے ایک ہی بنیاد تو نہیں ہے قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس — چار ستونوں کے اوپر ہماری شریعت کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔ جو قرآن سے ثابت ہو وہ بھی شریعت، جو حدیث سے ثابت ہو وہ بھی شریعت جو اجماع سے ثابت ہو وہ بھی شریعت اور جو قیاس سے ثابت ہو وہ بھی شریعت۔ اگر قرآن کریم میں ذکر نہیں ہے تو سہی لیکن مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ نہیں یہ بات صحیح نہیں ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے، لیلۃ القدر رمضان کی ۲۷ ویں رات، لیلہ مبارکہ شعبان کی ۱۵ ویں رات رہا یہ شبہ کہ دیوبند کے کسی صاحب قرآن شعبان میں بھی اترا ہے ۱۵ ویں شب میں، اور قرآن رمضان کی آخری رات لیلۃ القدر میں بھی اترا ہے۔ یہ دو باتیں کیسی ہیں دو نہیں ہے، اس میں سمجھنے کا فرق ہے۔ اور ایک طبقہ نوجوانوں کا ایسا ہے کہ جس وقت وہ یہ دیکھتا ہے کہ باتوں میں فرق ہو گیا ایک دم سے دو یا شریعت کو لپیٹ کے رکھ دو یا پھر تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ کسی حدیث میں کچھ آتا ہے کسی حدیث میں کچھ ہے۔ کسی آیت میں کچھ ہے، کسی آیت میں کچھ ہے۔ مولانا نے قرآن کریم چیلنج کر کے یہ کہتا ہے کہ اگر یہ قرآن کسی ایڈیٹر یا کسی انسان کی بنائی ہوئی ہوتی تو اس میں کہیں نہ کہیں ضرور آپ کو اختلاف نظر آتا مگر

قرآن کریم میں کہیں کسی جگہ بھی کوئی اختلاف نہیں۔ سمجھنے کا فرق ہوتا ہے خواجہ ناظم الدین جو پاکستان کے وزیر اعظم تھے' کے زمانے میں --- کہنے لگے کہ مولانا صاحب وہ ایک صاحب میرے پاس آئے تھے۔ وہ مجھے' حدیث سنا رہے تھے تو میں نے اس سے کہا بھئی خدا کے لئے حدیث بند کر دو اس لئے کہ میں اس کو سننے کے لئے تیار نہیں۔ یہ کیا تم غلط سلط باتیں میرے سامنے کرتے ہو۔

میں نے کہا وہ کونسی حدیث تھی۔ کہنے لگے' اس نے مجھے سنایا' نعوذ باللہ' نعوذ باللہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و علی الہ وسلم آپ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں نے کہا کہ کس پاگل نے آپ سے کہا کہ یہ حدیث ہے کہنے لگے کہ بس یہی بات جو میرے سامنے آئی تو انہوں نے کہا کہ دیکھئے صاحب یہ ہے مولویوں کی حدیثیں کہ جن پر شریعت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ میں نے کہا کہ اس شخص نے تہمت لگائی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانے والا جہنمی ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہ کی' نہ کہی' فلیتبوا مقعدہ فی النار ۔وہ چاہے تو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ میں نے کہا کہ حدیث میں صرف اتنا ہے اتی سباطة قوم فبال و توضا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے مقام پر گئے کہ جہاں پر آپ کو پیشاب کی ضرورت محسوس ہوئی اور کوئی ایسی جگہ نہیں تھی کہ جہاں پر پیشاب کرتے ایک گندگی اور غلاظت کوڑی تھی۔ سباطہ کہتے ہیں اسے۔ اور وہ جگہ بیٹھنے کی نہیں تھی کہ اس سے کپڑے بھی ناپاک ہو جاتا اور جسم بھی ناپاک ہو جاتا اور آپ کو نماز پڑھنی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اپنی ضرورت کو پورا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے وضو کیا۔ پھر نماز پڑھی۔ صرف ایک مرتبہ زندگی میں یہ واقعہ پیش

آیا۔ جس سے یہ تعلیم دینی مقصود تھی امت کو یعنی یہ بتانا ہے کہ ضرورت پوری
کرنے کے لئے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو اگر کپڑے سے ناپاک ہوتے ہوں اگر جسم ناپاک ہوتا ہو
اگر اس کے بعد نماز کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو بہتر ہے کہ کھڑے ہو کر اس مجبوری کو رفع
کر لو۔ ایک ہی مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسا ہوا اور جو آدمی
یہ کہتا ہے کہ آپ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہی وہ
باتیں ہیں کہ جو نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کیسی حدیث ہے --- یا بعض لوگ کہا کرتے
ہیں کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبت فاطمۃ الزہرا سے ہے پھر
دوسری حدیث میں آتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبت ابوبکر صدیق سے ہے، پھر
تیسری حدیث میں آتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبت فاطمۃ الزہرا حضرت عائشہ
سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دیکھو جی یہ مولویوں کی حدیث میں ہے، یا پہلی بات صحیح یا
دوسری بات صحیح یا تیسری بات صحیح ہے۔ نعوذ باللہ جو آپ نے پیش کیا ہے اس کا نام
آپ نے حدیث رکھا ہے۔

میرے دوستو! قول رسول کا قصور نہیں قصور آپ کے ذہن کا ہے آپ کی سمجھ کا
قصور ہے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے، فرمایا

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

اگر کسی صاحب دل کی باتیں تمہارے کان میں پڑیں تو نہ کہو کہ یہ غلط ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

میرے دوستو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب یہ کہے کہ مجھے
بریانی پسند ہے۔ آپ نے کاپی پر نوٹ کر لیا اور اس کے بعد کسی دوسری مجلس میں وہ
کہے کہ مجھے سب سے زیادہ حلوہ پسند ہے، وہ بھی نوٹ کر لیا اور تیسری مرتبہ سب
سے زیادہ مجھے اونٹ پسند ہے۔ تو آپ یہ کہیں گے کہ دیکھئے یہ بات ہے آپ کی

کا کہنا ہوا ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ مجھے سب سے زیادہ دریائی پسند ہے' پھر آپ نے کہا نخل پسند ہے - پھر آپ نے کہا کہ اونٹ پسند ہے' یہ کیا بات ہے --- مگر تینوں باتیں سچی تھیں -

جہاں ذکر ہے کھانے کا' نکوانے اور کھانوں کے اندر مجھے سب سے زیادہ دریائی پسند ہے' جہاں پیڑ کا سوال ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ نخل کا پیڑ پسند ہے - جہاں سواریوں کا سوال ہے مجھے سب سے زیادہ اونٹ کی سواری پسند ہے - آپ بتائیے کونسی بات غلط ہے -

جب ایک آدمی محبت کرتا ہے تو اس کی محبت کے دائرے الگ الگ ہوتے ہیں بیویوں کی محبت کا دائرہ الگ ہے' اولاد کی محبت کا دائرہ الگ ہے' دوستوں کی محبت کا دائرہ الگ ہے -

جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت ہے فاطمۃ الزہرا سے بیویوں میں سب سے زیادہ محبت عائشہ صدیقہ سے ہے' دوستوں میں سب سے زیادہ محبت ابوبکر صدیق سے ہے آپ مجھے بتائیے کہ اس میں کونسا تضاد ہے - جس سے معلوم ہو کہ در حقیقت تضاد ہمارے دماغوں میں ہوتا ہے نہ قرآن میں تضاد ہے نہ حدیث میں تضاد ہے محققین علماء نے لکھا ہے کہ نزول قرآن کی ۳ منزلیں ہیں' نزول قرآن کے ۳ درجے ہیں' نزول قرآن کا ایک درجہ ہے منظوری' یعنی آج کی رات منظوری کی رات ہے' کسی کی عمر کتنی' کسی کی عزت کتنی' کسی کی اولاد کتنی' یہ شعبان کی ۱۵ ویں رات کو اللہ کے یہاں فیھا یفرق کل امر حکیم' ہر بڑی حکمت والی چیز کا فیصلہ کیا جاتا ہے - منظوری دی جاتی ہے - پورے سال میں جو رزق مقرر کیا گیا ہے وہ ملے گا' جو عمر مقرر کی گئی ہے وہ دی جائے گی' جو امور طے کئے گئے ہیں وہ دیئے جائیں گے معلوم ہوا نزول قرآن کی ایک منزل ہے اللہ کی طرف سے نزول کا فیصلہ' تو یہ فیصلہ نزول کا ہوا ہے شعبان کی ۱۵ ویں رات میں تو یہ فرمانا تو صحیح

ہے کہ انا انزلنہ فی لیلۃ مبارکۃ ہم نے برکت والی رات میں نازل کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ منظوری اللہ نے نزول قرآن کی دی ہے 'صادر فرمائی ہے شعبان کی ۱۵ ویں شب میں اور جہاں فرمایا ہے کہ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر 'نزول قرآن کی ایک منزل یہ ہے کہ عرش الٰہی سے جانب لوح محفوظ سے 'یہ قرآن کریم جو ہمارے اور آپ کے پاس ہے 'نقل ہے اس قرآن کریم کی جو لوح محفوظ میں ہے اور یہ ایک رات میں نازل فرمایا ہے ' اس رات کا نام ہے لیلۃ القدر 'وہ رمضان کی ۲۷ ویں رات ہے -وہ رمضان کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے یعنی نزول قرآن کا فیصلہ ۱۵ ویں رات میں 'لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک لیلۃ القدر 'اور آسمان دنیا سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک ۲۳ سال میں--- وہ ایک رات میں نہیں اترا-

لوگ اعتراض کیا کرتے تھے وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً

یہ کیسی کتاب ہے ---اور بھئی توریت بھی تو آئی ہے دنیا میں 'انجیل بھی تو آئی ہے 'وہ تو روز صبح و شام نہیں آئی تھی-ایک لکھی ہوئی کتاب کی شکل میں آگئی -یہ کیا بات ہے کہ قرآن کریم اس طرح کتابی شکل میں ایک ہی مرتبہ نہیں کیوں نہیں دی 'ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں ہوا فرمایا کہ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا

یہ آخری کتاب ہے--- توریت آخری کتاب نہیں تھی: انجیل آخری کتاب نہیں تھی ان کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری قوموں پر تھی اور قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لی ہے- قرآن کی حفاظت کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا آپ جلدی نہ کریں 'صبر سے پڑھیں 'سنتے رہیں 'یاد کریں- یہ خیال نہ کریں کہ یہ لمبی لمبی سورتیں نازل ہو رہی ہیں یہ کیسے مجھے یاد رہیں گی 'جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش نہ کریں فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ط اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ط ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ط

آپ جلدی جلدی زبان کو حرکت نہ دیں' قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہم نے لیا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ توریت اور انجیل آخری کتاب نہیں تھی۔ تحریف ہو گئی۔ مٹ گئی اور ۱۴۰۰ سال کم زمانہ نہیں ہوگا اور ایسے ایسے نشیب و فراز سے گزرنا پڑا ہے کہ بحث ایک زمانے میں چلتی رہی۔ حضرت امام احمد بن حنبل نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ مسئلہ قرآن کا مسئلہ تھا۔ اور بحث یہ تھی کہ یہ قرآن جو ہے "آیا یہ قرآن قدیم ہے یا حادث ہے۔ اور اس زمانے میں معتزلہ کا بڑا زور تھا اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ جس وقت ایوان حکومت کے اندر اگر کوئی باطل قدم رکھ دے تو پھر وہ تنہا باطل نہیں رہتا ہے بلکہ وہ ساری قوم کے سر اس پر مسلط ہو جاتا ہے۔ خلیفہ بھی اسی خیال کا تھا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اصل بحث یہی تھی۔ بات تو ناقص علمی ہے۔ اگر یہ مخلوق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے ' میں بھی مخلوق ہوں۔ میں آج سے ۵۰ سال پہلے نہیں تھا۔ اب ہو گیا اور مخلوق آگے بھی چل کر مٹ جائے گی۔

اور قرآن جو ہے یہ صفت ہے اللہ کی 'جب اللہ کی صفت ہے تو اس کے مخلوق ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ غیر مخلوق ہے۔ یہ بحث چلی۔ خلیفہ نے بلایا حضرت امام احمد بن حنبل کو انہوں نے فرمایا کہ قرآن غیر مخلوق ہے حکم دے دیا کہ ان کو جیل میں بند کر دو اور ان کو ہلاک کر دو۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! جان جانے میں کہنے میں کیا حرج ہے۔ کہہ دیجئے کہ قرآن مخلوق ہے۔ انہوں نے کہا میرا معاملہ ہر مسلمان کا معاملہ نہیں ہے۔ مسلمان کو اجازت ہے جان بچانے کے لئے زبان سے باطل کا اظہار کرے۔ لیکن اگر آج میں نے جان بچانے کے لئے اس باطل بات کو اپنی زبان سے ادا کر دیا تو آنے والی امت اور آنے والی نسل کا یہ عقیدہ بن جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ آنے والی نسلیں گمراہ ہوں۔ اس لئے جان دینا مجھے پسند ہے مگر اس کے باوجود آج آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم اسی ترتیب و تاب کے ساتھ زندہ ہے۔ آج قرآن کریم کا ایک

بھی شوشہ ایک بھی زیر زبر نہیں بدلا۔ ابھی قرآن کریم کا کوئی حصہ یا کوئی لفظ تبدیل نہیں ہوا
ہے۔ اور یہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا فرمایا کہ ہم نے ہی اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے
جو جتنا قرآن کا حافظ ہو وہ اس ایمان دار ہونے میں سب سے بڑی Qualification
مسلمان کی یہ تھی کہ تمہیں کتنا قرآن یاد ہے۔ تمہیں کتنا یاد ہے۔ جب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم تبلیغ کے لئے بھیجا کرتے تھے تو یہ پوچھا کرتے تھے کہ تمہیں کتنا یاد ہے۔
تمہیں کتنا یاد ہے۔ تمہیں کتنا یاد ہے۔ یہ سب سے بڑی فضیلت یہ تھی۔ تو میں یہ
عرض کر رہا تھا کہ نزول قرآن ۳ مرتبہ ہے۔ ایک نزول قرآن کا فیصلہ وہ شعبان کی
۱۵ویں رات ہے۔ ایک نزول قرآن ایک رات کے اندر لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک
وہ رمضان کی لیلۃ القدر۔ ایک آسمان دنیا سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب
مبارک ۲۳ سال کی مدت میں لہذا کوئی شبہ نہیں ہے اگر آپ لیلہ مبارکہ سے شعبان
کی ۱۵ویں رات مراد لیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے علاوہ حدیث
میں بھی فضیلت بیان کی گئی ہے اس رات کی۔ فرمایا اس رات میں اللہ تعالیٰ کثرت
سے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں جیسا کہ بنی کلب کی بکریوں کے بال۔ بنی کلب
کی بکریاں جو تھیں وہ بڑے گھنے ان کے بال ہوتے تھے۔ فرمایا جتنی کثرت سے ان
گنت بال ان کے جسم پر ہیں اسی طرح بے شمار گناہوں کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتے
ہیں اس رات میں۔

شعبان کی ۱۵ویں شب لیلہ مبارکہ ہے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی
ہے اور پھر رات کے بعد جو دن آرہا ہے وہ ۱۵ویں تاریخ ہے شعبان کی اس دن
روزے کی فضیلت ہے۔ ویسے تو شعبان کے کئی بھی دن میں روزے رکھیں خاص طور پہ
۱۵ویں دن کے روزے کی بڑی فضیلت ہے

غرض یہ کہ اس رات کو ہم اور آپ اس طریقے پہ گزاریں جیسا کہ اس رات
کا حق ہے۔ یہ رات بڑی برکت والی رات ہے۔

ایک بات آخر میں اور بتا کر ختم کر دیتا ہوں، علماء نے لکھا ہے کہ برکت کے معنی کیا ہیں؟ برکت کے دو معنی ہیں ایک فضل اور ایک رحمت، یہ بھی آتا ہے اور برکت کے ایک معنی آتے ہیں، اللہ نے بڑی برکت دی ہے --- کیا مطلب؟ بچے زیادہ ہو گئے ہیں، اولاد میں برکت دی، اولاد بڑھ گئی، اللہ نے جانوروں میں برکت دی، جانور بڑھ گئے، معلوم ہوا کہ برکت کے ایک معنی ہیں اضافہ، زیادتی۔

فرمایا کہ یہ رات ایسی رات ہے کہ اگر اس میں اللہ سے آپ یہ دعا مانگیں کہ اے اللہ! میری روزی میں اضافہ کر دے، میری عمر میں اضافہ کر دے، میرے ایمان میں اضافہ کر دے۔ تو یہ رات اضافے کے لئے سب سے بہتر رات ہے۔ یہ رحمت و برکت کی بھی رات ہے۔ اور یہ اضافے کی بھی رات ہے۔ اور اضافہ کا طریقہ اللہ کے سامنے گڑگڑانا اور مانگنا ہے۔ بہر حال یہ بڑی برات ہے۔ برات کے معنی آتے ہیں اصل میں گناہوں کی معافی کی رات۔ اس میں جاگنا چاہئے۔ مگر جاگنا چاہئے عبادت کے ساتھ، اگر آپ کہیں کہ صاحب آج رات تو جاگنا ہے، لہذا تاش کے پتے لاؤ، شطرنج کے تختے کھیلیں گے، جاگنا ہے۔

ایک بات یاد رکھئے جو جگہ جتنی مقدس ہوتی ہے، اسی جگہ عبادت کا ثواب بھی بہ نسبت دوسری جگہ کے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح جو جگہ مقدس ہوتی ہے اس جگہ گناہ کا جرم بھی بڑھ جاتا ہے۔ بازار میں جھوٹ بولیں، مسجد میں جھوٹ بولیں دونوں میں فرق ہے۔ اگر آپ اور ہم اپنے دنوں اور راتوں میں جائیں لہو لعب میں لگے رہیں، وہ بھی گناہ ہے مگر خصوصاً وہ رات کہ جس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پکار رہا ہے۔

حدیث میں آتا ہے، پوری رات اللہ تعالیٰ یہ ندا دیتے ہیں ہے کوئی مانگنے والا جس کا سوال میں پورا کر دوں۔ ہے کوئی روزی لینے والا کہ جسے میں روزی دوں۔ ہے کوئی تندرستی مانگنے والا، جس کو میں تندرستی دوں۔ ایسی رات کہ جس میں اللہ تعالیٰ

پکار رہے ہوں، ہمارے اور آپ کے لئے یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ ہم مستیوں میں گناہوں کے اندر اس رات کو گزاریں۔ اس رات کو خدا کی طرف متوجہ ہو کر گزارنا چاہئے۔ [illegible] و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جمعة الوداع

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمد اعبده و رسوله صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿٢﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿٣﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿٤﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿٥﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿٦﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿٧﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٨﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿١٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿١١﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾

بزرگان محترم و برادران عزیز!

آج ہم ایک مبارک اور مقدس مہینے میں ہیں۔ جس کو سال کے تمام مہینوں میں سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ بہتر قرار دیا گیا اور وہ ہے ماہ رمضان بعضوں نے یہ لکھا ہے کہ سب سے افضل مہینہ وہ ہے کہ جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ سب سے افضل مہینہ وہی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمایا ربیع الاول کی فضیلت بھی مسلم ہے اور ماہ رمضان کی فضیلت بھی نزول قرآن کی وجہ سے مسلم ہے۔ اور صرف نزول قرآن نہیں بلکہ فضیلت بھی نزول قرآن کی وجہ سے مسلم ہے۔ اور صرف نزول قرآن نہیں بلکہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرمان شاہی انسانوں تک جب کبھی بھی پہنچایا گیا اور جب کبھی آیا تو اسی مہینے میں آیا صحف ابراہیم، توریت، زبور، انجیل اور قرآن کریم کتابیں چار ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو کچھ نازل ہوا ہے ان کو صحف ابراہیم کہا جاتا ہے فرمایا کہ رمضان کی پہلی رات میں اللہ تعالیٰ نے صحف ابراہیم نازل فرمائے ثانی زمانے کے بعد رمضان کی چھٹی رات میں اللہ تعالیٰ نے توریت نازل فرمائی، پھر بارہویں رات میں اللہ تعالیٰ نے زبور نازل فرمائی پھر اٹھارہویں رات میں اللہ تعالیٰ نے انجیل نازل فرمائی اور اسی طرح سے جب قرآن کریم کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کی لیلۃ القدر میں خواہ وہ ۲۱ ہو یا ۲۳ ہو یا کوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ مہینہ فرمان شاہی کے نازل ہونے کا مہینہ ہے۔

بہر حال اس مہینے کے پانچ جمعے آخری جمعہ میں ہیں اور اس آخری جمعہ کو لوگ جمعۃ الوداع بھی کہتے ہیں ۔ جمعۃ الوداع کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے ۔ لیکن غالباً مسلمانوں کے جذبات نے اس محاورے کو اختیار کر لیا ۔ کیونکہ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا ۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہا گیا ۔ جس میں آپ نے مسلمانوں کو رخصت کیا ہے ۔

جو آپ کا آخری حج ہے ۔ اس حج کا نام حجۃ الاسلام بھی ہے ۔ کیونکہ اسلام میں فرض ہونے کے بعد پہلا حج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور یہ آخری حج ہے ۔ اس کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں ۔ غالباً اسی مناسبت سے رمضان کے آخری جمعہ کو لوگ جمعۃ الوداع کہنے لگے کہ یہ ماہ رمضان کا آخری جمعہ ہے ۔

اور جمعہ کی کیا خصوصیت ہے ۔ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت کو اس بات کی ضرورت پیش آئی ہے کہ وہ اپنے زمانے کو تقسیم کرے ۔ صدی میں سو سال کی صدی کہتے ہیں ۔ پھر ۱۲ مہینے میں سات سال کہتے ہیں پھر ۲۹ یا ۳۰ دن کے مہینہ کہتے ہیں ۔ پھر مہینے کو ہفتوں میں اور ہفتہ کہاں سے شروع ہوتا ہے ۔ اسلامی سال شروع ہوتا ہے محرم کی پہلی تاریخ سے ۔ مہینہ شروع ہوتا ہے رویت ہلال سے اور ہفتہ شروع ہوتا ہے جمعہ کے دن سے ۔ ہمارے یہاں ہفتے کا آغاز جمعہ سے ہے ۔ جیسا کہ دوسری قوموں اور ملتوں کے اندر ہفتہ کا آغاز یوم سبت (ہفتہ) سے یا اتوار سے ۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اللہ تعالیٰ نے یہ صحیح راستہ عطا فرمایا ہے ۔ انہوں نے جمعہ کا دن انتخاب کیا ۔ اسلام سے تقریباً ۵۶۰ سال پہلے جمعہ کی اہمیت قائم ہو چکی تھی ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کعب بن لوئی ایک بڑی معروف شخصیت ہے سب سے پہلے انہوں نے اس دن کا نام جمعہ رکھا ۔ اس سے پہلے اس کا نام عروبہ تھا ۔ جمعہ کو یوم عروبہ کہا جاتا تھا ۔ کعب بن لوئی نے سب سے پہلے اس دن کا نام تجویز کر کے جمعہ رکھا اور اس دن لوگوں کو جمع کر کے پند و نصیحت اور خطبہ دیا کرتے تھے

ج

خاندان قریش کی بڑی شخصیت ہے۔ یہ وہ شخص ہے کہ فیل کا واقعہ پیش آنے سے پہلے انہی کے نام پر تاریخ لکھی جاتی تھی۔ جب اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا ہے تو عام الفیل سے لوگوں نے تاریخ لکھنی شروع کی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے جلیل القدر صحابہ کے دور میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی فضیلت اور جمعہ کی عظمت کا اظہار فرمایا۔ مدینہ منورہ میں خود صحابہ نے آپس میں طے کیا کہ یہود ایک دن جمع ہوتے ہیں' نصاریٰ دوسرے دن جمع ہوتے ہیں' ہم ملت مسلمہ ہیں ہماری الگ ملت ہے' الگ قوم ہے۔ ہمارا بھی ایک اجتماع کا دن ہونا چاہئے۔ تو طے یہ کیا گیا کہ ہم جمعہ کا دن مقرر کرتے ہیں۔ اس دن ہم جمع ہو کر شکرانے کے طور پر نماز پڑھیں گے۔ خطبہ دیا کریں گے۔ مدینہ میں جو صحابہ موجود ہیں۔ ابھی حضور ہجرت فرما کر مدینے میں تشریف نہیں لے گئے ہیں کہ جمعہ کا قیام عمل میں آگیا اور اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت نے عبادت اور اجتماع کے دن کے انتخاب میں صحیح راستہ اختیار کیا اور پہلی ملتیں گمراہ ہو گئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن برکت کا عبادت کا اور تشکر کا دن ہر قوم میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوموں کو حق دیا کہ تم اپنی صوابدید سے اور اپنی اجتہاد سے صحیح دن کا انتخاب کر لو۔ یہود اور نصاریٰ نے انتخاب میں غلطی کی۔

یہود نصاریٰ اور مسلمان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کئے ہیں۔ فرمایا کہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ط

یہود کا کہنا یہ ہے کہ ان چھ دنوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اتوار سے تخلیق کائنات کا کام شروع کیا اور جمعہ کے دن پورا ہو گیا۔ یہود کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ۶ دن نعوذ باللہ بڑی محنت کے ساتھ کام کیا اور ہفتہ کے دن اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا ہے۔ وہ فرصت کا

دن ہے وہ فراغت کا دن ہے ـ لہذا یوم سبت ہمارے یہاں تعطیل کا دن ہے ـ
نصاریٰ نے یہ کہا کہ تخلیق کائنات کا کام اتوار کو شروع ہوا اور اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو پیدا کیا ـ جس دن یہ کام شروع ہوا ہے ـ وہ دن عبادت کا ہے ـ انہوں نے اتوار کے دن کا انتخاب کیا ـ امت محمدیہ کا جب نمبر آیا فرمایا کہ نہیں ـ جس دن کام ختم ہوا اس سے اگلے دن بھی اور جس دن شروع ہوا وہ دن بھی قابل اجتماع نہیں ہے ـ وہ قابل عبادت اور قابل تشکر نہیں ہے ـ اصل میں اجتماعی عبادت کا دن وہ ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے والی مخلوق کے پہلے فرد کو پیدا کیا ہے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے ـ وہ جمعہ ہے ـ جس دن عابد پیدا ہوا وہ دن عبادت کا دن ـ اتوار سے تخلیق کائنات کا کام شروع ہو جمعہ کو ختم ہو گیا ـ اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو جمع فرمادیا ـ معلوم ہوا کہ دراصل فطری طور پر اجتماع کا دن جو ہے وہ جمعہ کا دن ہے ـ اس لئے امت محمدیہ نے جمعہ کے دن کا انتخاب کیا ـ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ** وہ دن بہترین دن جس پر آفتاب نکلے فرمایا کہ وہ جمعہ کا دن ہے ـ کیوں؟ فرمایا اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ـ اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم کو جنت میں داخل فرمایا ـ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کی ملاقات کرائی ـ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی ـ اور اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی ' فرمایا اس لئے ہمارے یہاں جمعہ کے دن کی حیثیت یہ ہے ـ

سال شروع ہوتا ہے پہلی محرم سے ' مہینہ شروع ہوتا ہے چاند سے ' ہفتہ شروع ہوتا ہے جمعہ سے ـ جب یہ بات معلوم ہو گئی ـ اب جب رمضان آخری منزل میں آتا ہے تو یوں تو یہ آخری ہفتہ بھی ہے ـ آخری اتوار بھی ہے ـ آخری پیر بھی ہے

لیکن آخری جمعہ کا مطلب یہ ہے کہ آج آخری ہفتے کا وہ دن آیا ہے کہ جس دن ہمارے یہاں ہفتے کا شمار کیا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ ہفتے کا آخری دن آگیا ہے تو اب رمضان کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے اس کا نام جمعۃ الوداع رکھ دیا۔

تو میں کہا کرتا ہوں کہ بعض اوقات ہر ایک کی اصطلاحات الگ الگ ہیں، ہر ایک کے اصطلاحات الگ ہیں۔ آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے یہاں کچھ اللہ والے آئے ہوئے تھے، کسی شخص نے آکر یہ سوال کیا کہ حضرت بزرگوں کے کتنے رنگ ہوتے ہیں یہ تو ذرا بتا دیجئے۔ فرمایا کہ بھئی بزرگوں کے رنگ تو بہت سے ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں جو درویش آئے ہوئے ہیں۔ تینوں کے رنگ الگ الگ ہیں۔ فرمایا کہ اچھا تم جو وہ مراقبے میں بیٹھے ہیں تم جا کے ایک کو زور سے تھپڑ رسید کر دو، دوسرے کے بھی جا کر ایسا کرو تیسرے کے ساتھ بھی ایسا کرو۔

جب پہلے آدمی کے مارا تو وہ ایک دم غصہ ہو گیا اور اس نے بھی زور سے اس کو تھپڑ مارا۔ اس نے کہا تو نے بلا قصور بلا ضرورت کے مارا۔ میں نے بھی بدلہ لے لیا انتقام لے کے جب دوسرے کے مارا اس نے جواب میں کچھ نہ کہا تو جس نے مارا اس سے یہ کہا کہ میری کیا غلطی ہو گئی کی طرف اشارہ کیا کہ میرا قصور کیا ہے اور جب تیسرے کے مارا تو وہ بے چارہ فوراً اٹھ کے اس کا ہاتھ دبانے لگا اور کہنے لگا کہ میرے بدن کو تو کوئی تکلیف نہیں پہنچی، کہیں تمہارے ہاتھ کو تو چوٹ نہیں لگی۔ آپ نے دیکھا پہلے کا رنگ اور ہے۔ دوسرے کا رنگ اور ہے۔ تیسرے کا رنگ اور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی کیفیت کا اظہار کر رہا ہوں، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں واقعہ بیان ہو رہا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد سے کہا گیا کہ اسلام قبول فرمائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ یہ میرے کان میں اس کا اقرار کر لیں اور میں جب ان کو جنت میں

دیکھوں گا تو میرا دل ٹھنڈا ہو گا - اندازہ لگا لیجئے - ایک مسلمان سے جو یہ خاکہ اگر خواجہ ابو طالب کو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر جنت میں دیکھے تو آپ کا دل ٹھنڈا ہو گا میں اس کے لئے کیا قربانی پیش کر سکتا ہوں - وہ کہنے لگا حضور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اگر میں جنت میں گیا تو میں جنت میں جا کر یہ کہوں گا کہ میری جگہ خواجہ ابو طالب کو جنت میں بھیج دے اور مجھے جہنم میں بھیج دو تاکہ حضور کا دل خوش ہو جائے - لیکن کیا جہنم میں جانے کی تمنا جائز ہے ، جہنم میں جانے کا خیال کرنا جائز ہے — نہیں ، بالکل نہیں لیکن کسی نے سچ کہا ہے - فرمایا

ومن مذهبي حب الديار لاهلها وللناس فيما يعشقون مذاهب

عشق کے الگ الگ راستے ہیں - الگ الگ کیفیات ہیں - ایک ہی واقعہ سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے ، دوسرا آدمی سر پکڑ کے بیٹھتا ہے - واقعہ ایک ہی ہے - آپ نے کچھ اور اثر لیا - دوسرے نے کچھ اور اثر لیا - ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان کے بننے کے سلسلے میں مسلمانوں پر قیامت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا - جب مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا - وہ مثالیں میں نے آنکھوں سے دیکھی ہیں - ایک صاحب کو دیکھا جس کی بہت بڑی داڑھی تھی انہوں نے داڑھی صاف کرا دی جب ان سے پوچھا گیا کہ بھئی تم نے ایسا کیوں کیا - کہنے لگے کہ میں نے اس لئے ایسا کیا کہ مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر کسی ہندو یا سکھ نے مجھے پہچان لیا تو مسلمان سمجھ کے قتل کر دے گا - اور ایک مثال بھی موجود ہے کہ ایک صاحب پہلے سے داڑھی منڈاتے رہے - انہوں نے ہنگامے کے دوران داڑھی رکھ لی - کہنے لگے مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے معلوم نہیں میں کس وقت شہید کر دیا جاؤں - میں ایسی شکل لے کر اللہ کے پاس حاضر ہونا نہیں چاہتا - اس لئے میں نے صورت سنت کے مطابق بنائی آپ نے دیکھی کہ ایک ہی واقعہ کا ایک پر کیا اثر ہوا اور اسی واقعہ کا دوسرے پر کیا اثر ہوا -

حضرت حافظ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا الیاس رحمۃ

اللہ علیہ کے پیر بھائی ہیں اور دونوں حضرات حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حافظ صاحب بڑے نیک ہیں۔ پانی پت کے رہنے والے ہیں۔ دہلی میں اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ فرمانے لگے کہ خاندان میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو میں خاندان کا بڑا ہوں تو مجھے بلاتے ہیں کہ حضور ایک تو اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں دے دیجئے چھوہارہ وغیرہ چبا کر برکت کے لئے اس کے منہ میں دے دیجئے۔ دوسرے یہ کہ مجھ سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے کان میں اذان دے دیجئے آپ خاندان کے بڑے ہیں۔ فرمایا کہ جب میں اس بچے کو گود میں لے کر بیٹھتا ہوں تو میرا دل رنجیدہ ہو جاتا ہے آپ اندازہ لگائیے کہ بچہ کو گود میں لینے والے کا دل کتنا باغ باغ ہوگا کتنا خوش ہوگا۔ اللہ نے فرزند عطاء فرمایا ہے۔ مگر فرماتے ہیں کہ جب میں اس بچے کو دیکھتا ہوں تو دل رنجیدہ ہوتا ہے کیونکہ فرمایا کہ بچے کو دیکھ کے مجھے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بے چارہ نازک سا بچہ دنیا میں وہ تمام پاپڑ بیلے گا وہ تمام تکلیفیں اٹھائے گا۔ وہ تمام مشقتیں اٹھانے گا کہ جن تکلیفوں اور مشقتوں سے ہم گزر رہے ہیں۔ جب میں تصور کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ ننھی سی جان ان مصیبتوں سے کیسے گزرے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سوچنے کا انداز الگ الگ ہے۔

اسی لئے بعض واقعات ایسے ہیں کہ اس کو اگر یہ کہیں کہ یہ خوشی کا ہے تو بھی صحیح اور اگر کہیں کہ یہ غمی کا ہے تب بھی صحیح مثلاً جمعۃ الوداع کے معنی یہ ہیں کہ اس مہینے کا وہ دن آگیا ہے کہ جس دن سے ہفتہ شمار ہوتا ہے اور یہ آخری ہفتہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے رخصت کا وقت آگیا۔ اب آپ بتائیے کہ ہمیں خوش ہونا چاہئے یا رونا چاہئے میرا خیال ہے کہ جو خوش ہیں وہ بھی صحیح اور جو رو رہے ہیں وہ بھی صحیح۔ اللہ کے یہاں دونوں قبول ہیں۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں سفر پر جایا کرتا تھا وعظ کہنے کے لئے تو اپنے گھر والوں سے کہتا تھا کہ میرے کپڑے اور سامان ضروریات کی

چیزیں ذرا جمع کر کے رکھ دو۔ تو فرمانے لگے کہ میری اہلیہ نے مجھ سے یہ کہا کہ آپ دہلی جا رہے ہیں تو میں آپ کے سامان میں دو کرتے چکن کے بھی رکھ دیتی ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ ارے بھئی دلی جاؤں یا لندن جاؤں، جہاں کہیں بھی جاؤں چکن کا کیا سوال ہے۔ ٹھیک ہے اگر پہننا ہے تو گھر میں بھی پہنے، دلی میں اس کی کوئی خاص بات ہے۔ تو فرمایا کہ جب انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

انہوں نے کہا کہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ آپ دلی جا رہے ہیں وہاں بڑے بڑے اہل دولت اور بڑے بڑے تاجر مسلمان ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ ان کے سامنے ایسا لباس پہن کر جائیں کہ وہ آپ کو اہل حاجت اور مفلس نہ سمجھیں۔ اس مقصد سے نہیں کہ آپ کی کوئی شان ہے صرف اس لئے کہ وہ دولتمند دوسروں کو غریب سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ آپ کو غریب نہ سمجھیں۔

آپ بتایئے کہ کیسے نقطہ کی بات ہے۔ کیسی عارفانہ بات ہے۔ اسی طرح بعض اوقات لوگوں کی کیفیت بھی قابل تعریف ہے، خوشی کی کیفیت بھی قابل تعریف ہے۔ ہم آج بڑے خوش ہیں کہ رمضان کا آخری جمعہ آگیا اور رمضان رخصت کے قریب ہے، خوشی کس بات کی۔ حدیث میں آتا ہے کہ

للصائم فرحتان، فرحة عند الافطار، فرحة عند لقاء الرحمن

روزہ دار کو دو مسرتیں، دو خوشیاں ہوتی ہیں، ایک خوشی ہوتی ہے افطار کے وقت --- آپ کو کتنی خوشی ہوتی ہے۔ پھل رکھا ہے، شربت رکھے ہیں۔ دنیاوی نعمتیں رکھی ہیں۔ اگر افطار نہ ہوتا۔ عام معمولی طور پر کھانا کھاتا ہوتا تو اتنی نعمتیں شاید نہ ہوتیں۔ اگر ایسی خوشی آپ کو ہو تو ایسی خوشی شریعت کے خلاف نہیں۔ مگر مسلمانوں کا ذہن اس سے زیادہ اونچا ہونا چاہئے --- فرمایا کہ اصل خوشی اس کی نہیں ہے۔ اصل خوشی

پہنچادیا۔

اگر آپ کے دل میں آج خوشی ہے۔ وہ ایمانی خوشی ہے۔ وہ روحانی خوشی ہے اس بات کی خوشی ہے کہ اللہ نے یہ مہینہ خیریت سے گزار دیا۔

اگر ہمارے دل میں آج غم ہے۔ اللہ کے یہاں وہ بھی قابل قبول ہے اور آخرت کا سرمایہ ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' غم ہے اس میں بھی خوشی ہے۔ لذت ہے اس میں بھی غم ہے اور بڑے مزے کی بات فرماتے تھے۔ اگر آپ اعلیٰ درجہ کے کباب کھائیں' گرم گرم بریانی کھائیں۔ تو جب تک بریانی گرم نہ ہو اور ہاتھ نہ جلے اس وقت تک مزہ نہیں آتا۔ تو فرمایا کہ گرم گرم بریانی کھا رہے ہیں۔ منہ جل رہا ہے مگر یہ ہے کہ مزہ ایسا آ رہا ہے کہ منہ جلنے کا صدمہ نہیں۔ کباب کھا رہے ہیں مرچیں لگ رہی ہیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ مگر اس آنسو میں وہ لذت ہے کہ کباب برابر کھاتے جا رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے درحقیقت رمضان کا رخصت ہو جانا بعضوں کے لئے باعث مسرت اور باعث خوشی ہے اور بعضوں کے لئے باعث رنج و غم بھی ہے۔ اللہ کے یہاں ان دونوں کے لئے بڑا اجر ہے اور اللہ کے یہاں یہ دونوں کیفیتیں قابل قبول ہیں چاہے آپ جدائی سے غمزدہ ہوں یا کسی اور وجہ سے لیکن ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہمیں کسی اور بات سے بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام نے ہمیں یہ بتایا کہ ہر چیز کا آخری وقت' آخری لمحہ سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ ساری عمر آپ نے تہجد پڑھی۔ ساری عمر صبر و تقویٰ اختیار کیا۔ لیکن اگر خدانہ کرے۔ اگر کوئی آخری انجام میں اگر کوئی بگڑ گیا ہے۔ اس کا ایمان سلب ہو گیا ہے تو میرے دوستو! ساری عمر کی عبادتیں بیکار ہو گئیں اگر کسی نے ساری عمر عبادتیں نہیں کی ہیں۔ بغاوت کی ہے' اللہ کی مرضی کے خلاف کی ہے۔ لیکن آخری وقت ایمان قبول کر لیا تو آپ سمجھ لیجئے کہ ساری عمر مفید بن گئی۔

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

شاعر کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے منہ سے واہ واہ نکلتی ہے۔ آخر پتہ تو سوچیے واہ واہ کی تو کوئی بات ہو۔ بات ہی غلط ہو

شاعری میں جذبات پہلے عقل بعد میں اور نثر کا کلام جب حکیم کا پیش کیا جاتا ہے تو عقل پہلے اور جذبات بعد میں۔ ایک شعر ہے جو بالکل مذموم ہے۔ ناکارہ ہے۔ مگر سننے کے منہ سے بالکل واہ واہ نکلتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ شاعری کی خاصیت ہی یہی ہے

بلا سے صیاد آ کے لوٹے یہ پاسبانوں کو لوٹ جائے

کبھی کبھی نوجوان ناراض ہوتا ہے۔ حالات سے مقابلہ نہیں کر سکتا تو کہتا ہے اوئے کیا پاکستان یہ پاکستان تو ٹوٹ جائے تو بہتر۔ اچھا ہے ہم غیروں کے ہاتھوں مر جائیں گے۔ اپنے بھائی سے نہیں برداشت کریں گے یہ شاعرانہ بات ہے جذبات کی بات ہے اسلام کی بات نہیں ہے اور نہ ایمان کی بات ہے

بلا سے صیاد آ کے لوٹے یہ پاسبانوں کو لوٹ جائے
چمن سے شاہیں تو تم نہیں ہے قفس تو کم بخت ٹوٹ جائے

ارے میاں پنجرے کی تیلیاں کھول کر بلی نے نگل لیا تو نکلے رہو۔ ہم زندہ نہیں رہنا چاہتے۔ بلی کے پیٹ میں جانا پسند کرتے ہیں؟ آپ بتائیے یہ اچھی بات ہے؟ نہیں ہے۔ ارے میاں پنجرے کے دروازے پر بلی بیٹھی ہوئی ہے۔ ذرا صبر کرو اندر رہو۔ بلی بھاگ جائے۔ تب دروازہ کھلواؤ۔ تاکہ تمہاری جان خطرے میں نہ ہو۔ مگر شاعر نے کہی ہے آپ فوراً کہیں گے واہ واہ تو اس لئے عقل کا تقاضا قوالی سننے والے لوگوں کا حال آتا ہے۔ آپ سمجھے۔ مومن خان نے جو شعر کہا ہے یہ بات سچ نہیں مسلمان وہی ہے جو آخری وقت میں مسلمان ہو جائے۔

کا حق مار دیا ہے۔

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم ثمود کے پیغمبر ہیں۔ ان کی قوم نے آ کے شکایت
کی کہ ہمارے محلے میں ایک آدمی بدطینت ہے اور ہر شخص اس سے ناراض ہے۔ ہر
شخص کو ستاتا ہے۔ ہم تنگ آ کر آپ سے التجا کرتے ہیں کہ آپ بددعا کیجئے کہ وہ مر
جائے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب تک عاجز نہ آجائیں ہاتھ اٹھاتے نہیں
ہیں۔ بددعا نہیں فرماتے ہیں۔ لیکن جب اللہ کی طرف سے ان کا القاء ہوتا ہے۔
کہ اب یہ شخص قابل اصلاح نہیں رہا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کو اس
کی اجازت دی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ وہ آدمی ختم ہو جائے گا۔ لوگ واپس آ گئے
دیکھا کہ آدمی بچ نکلا ہے۔ انتظار کیا اگلے دن دیکھا۔ کچھ نہیں ہوا۔ یہ لوگ پھر
حضرت صالح علیہ السلام کے پاس آئے کہ وہ تو بدستور ویسا ہی ہے۔ حضرت صالح علیہ
السلام نے اس آدمی کو بلایا وہ لکڑہارا تھا۔ اور پوچھا کہ بھئی تو نے کوئی نیک کام کیا ہے
اس زمانے میں۔ اس نے کہا حضور میں تو اصل میں نہایت غریب آدمی ہوں۔ نیکی کا نام
بھی نہیں جانتا لیکن جب میں لکڑیاں کاٹنے کے لئے جنگل میں گیا تو دوپہر کے وقت
میں نے اپنا رومال کھولا اور جب کھانا کھانے بیٹھا تو قریب سے کسی کے کراہنے کی آواز
آئی میں نے دیکھا تو وہ بھوک سے رو رہا ہے۔ میں نے اس کی حالت کو دیکھ کر میں نے
آدھی روٹی اسے دے دی۔ آدھی میں نے خود کھائی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اس صدقے کی بدولت تیری جان بچ گئی۔ اللہ نے
تمہارے لئے سانپ مقرر کیا تھا کہ تجھے ہلاک کرے۔ لکڑہارے نے گٹھا کھولا تو
لکڑیوں میں سے خود بخود نکلیں اور جب میں سر پر گٹھڑی ڈال دیتا تو ایک کالا سانپ اس
میں سے نکل کر بھاگا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اس صدقہ کی بدولت اللہ
نے تیری مشکل اور مصیبت کو دور کر دیا۔

بہرحال ہم رمضان کی آخری ساعتوں میں ہیں دعا کریں اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ ہم

آخری لمحات ہیں اس طرح بیٹھے ہیں ہماری عمر ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیکیوں کو قبول فرمائیں۔ اے اللہ رمضان کے دوران جتنی بھی عبادت ہم نے کی ہے اگر ہم سے کوتاہی ہوئی ہے۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ اے اللہ ہماری عبادتوں کو قبول فرما۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری عبادتیں ناقص ہیں لیکن تیری نگاہ کرم ان کو کامل بنا سکتی ہے۔ اے اللہ جو وقت باقی رہ گیا ہے۔ وہ اپنے حبیب کے تقاضے میں ہمارا وقت بسر ہو اور ہمیں عبادتوں کی توفیق عطا فرما آمین۔

اللھم ارنا الحق حقا

حق تعالیٰ سے ملاقات

لیلۃ القدر کے موقع پر کی گئی ایک عالمانہ تاریخی تقریر

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمد اعبده و رسوله صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد ! فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ،

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ O وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ O لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ O تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ O سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ O

بزرگانِ محترم، دوستو اور عزیزو!

لیلۃ القدر، شبِ وصال

اللہ کا احسان اور شکر ہے کہ اس ماہِ رمضان کی وہ مبارک رات اور مبارک شب بھی ہمیں اور آپ کو میسر آئی جو درحقیقت شبِ وصال اور ملاقات کی رات ہے۔ دنیا میں ہر انسان خواہ کوئی عقیدہ رکھتا ہو، کسی قسم کا مذہب رکھتا ہو، اس کے دل میں اللہ کو دیکھنے اور اس سے ملاقات کی تمنا ضرور ہوتی ہے

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنی محبت کا بیج بنی نوع انسان کے ہر فرد کے دل میں بو دیا ہے۔ خواہ مشرک ہو، عیسائی ہو، یہودی ہو، حتیٰ کہ جو خدا کے منکر ہیں، محبت کی مہر کبھی کبھی ان کے دل میں بھی پیدا ہو جاتی ہے

انکار ممکن نہیں

حضرت امام ابو حنیفہ سے ایک دہریے کی بات ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کبھی دریا کا سفر کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں میں نے دریا کا سفر کیا اور اس طریقے پر کیا کہ میں کشتی میں جا رہا تھا، طوفان سے ٹکرا کر کشتی ٹوٹ گئی اور ایک تختے کے اوپر بیٹھا ہوا چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تختہ بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا------ امام ابو

نہیں سکتی۔اس کا انتظام ہم کر دیں گے۔ کبوتر جو اڑ کے حرم جا رہا تھا، حکم دیا کہ تو یہاں اتر جا، اور چیونٹی سے کہا کہ تو اس کے پاؤں میں لپٹ جا، اور کبوتر سے کہا کہ چیونٹی کو لے جا کے حرم میں چھوڑ دے۔

یہ تو روز مرہ کی ملاقات ہے پانچ وقت کی، لیکن یہ ملاقات اعلیٰ ہے کہ جس کے لئے آپ اللہ کے گھر جاتے تھے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ اللہ کے گھر کا چکر کاٹ کے آگئے ہیں کہ ہم ملنا چاہتے ہیں، جواب آیا اندر سے کہ تم ملاقات کے قابل نہیں ---جاؤ----فرمایا کہ---

بہ طواف خانہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند   کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

آپ ملنا چاہتے ہیں اللہ سے، یہ تو بتایئے کہ ملاقات کے لئے باہر رہ کے تم نے کیا تیاری کی تھی------جو آج ملنا چاہتے ہو۔

لیکن ایک ملاقات یہ بھی ہے---کہ جس محبوب کے لئے آپ پریشان تھے جس کے لئے ہر وقت آپ کا دل چاہتا تھا آج وہ خود آپ کے مکان میں نازل ہو گیا ہر وقت آپ کی تمنا تھی کہ آپ جائیں لیکن آج جس رات میں آپ موجود ہیں، یہ رات وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ملائکہ کے ساتھ، عرش الٰہی کے تمام فرشتوں کے ساتھ یوں کہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے شاہانہ سٹاف (STAFF) کے ساتھ اور عملہ کے ساتھ آج آسمان دنیا پر تشریف لائے ہیں ملائکہ کا نزول ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے، زمین کے فرشتے اور عرش کے فرشتے، سب کے سب آج کی رات میں جمع ہو جاتے ہیں اور فرمایا نزول ملائکہ کی وجہ سے دنیا کے تمام انسانوں کے دل نرم اور موم ہو جاتے ہیں وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

ماحول کی برکات

یاد رکھیے، بعض اوقات ماحول کا اور صحبت کا بھی اثر ہوتا ہے اچھی تمنا ہو یا بری

دل کی کیفیت بعض اوقات ماحول سے بھی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی شخص نے یہ سوال کیا صاحب! آپ نے فرمایا ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز مل جائے گی، جس کا تمہارا دل چاہے گا تو فرمایا کہ جی! میں بڑا عاشق ہوں حقہ کا، مجھے جنت میں حقہ بھی ملے گا یا نہیں--- مولانا نے فرمایا--- میں تجھے قسم سے کہتا ہوں کہ جنت میں رہتے ہوئے تیرے دل میں حقہ کی تمنا پیدا نہیں ہوگی۔

معلوم ہوا ملائکہ اور فرشتوں کا جب نزول ہوتا ہے، تو ہم اور آپ اپنے اپنے نرم بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں، اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ دیتے ہیں، ہم اپنی نیند کو چھوڑ جاتے ہیں اور جمع ہو جاتے ہیں --- اور یاد رکھیئے یہ سب عاشقانہ کیفیتیں اور حالات ہیں، نہ کھانے کی پرواہ ہے، نہ پینے کی پرواہ ہے، نہ راحت کا خیال ہے------ نہ آرام کا خیال ہے، کبھی کبھی--- کبھی کبھی کیا--- عاشق سے پوچھئے کہ--- بہت سی راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں گزر جاتی ہیں، ایک لمحے کے لئے بھی آنکھ نہیں لگتی ہے کسی عاشق نے ساری رات گزار کر کہا تھا۔ فرمایا کہ

مت آئیو وعدہ فراموش تو اب بھی جس طرح کہ روز گزر جائے گی شب بھی

رات بھی، تمہارے وقت بھی انتظار میں----- یہ کیفیت عاشقانہ کیفیت ہے ۔ آج ہم اور آپ بھی یہی کیفیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

تو میرے پیارے دوستو! یہ شب قدر اور لیلۃ القدر کیا ہے۔ یہ شب وصال ہے۔ ایسا وصال ہے کہ روز آپ جاتے تھے اللہ کے دربار میں آج اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما رہے ہیں۔ آج اللہ تعالیٰ ملاقات کے لئے خود آپ کو موقع دے رہے ہیں اور اللہ کی طرف سے شرف ملاقات بخشا جا رہا ہے۔

سلاطین اور بادشاہوں کی ملاقات کا طریقہ کیا ہے--- ان کا طریقہ یہ ہے کہ ہمارا نمائندہ جا رہا ہے۔ یہ ہماری شرکت ہے۔ جبرئیل امین تشریف لا رہے ہیں فرمایا کہ

امت کو اعزاز کے طور پر یہ عطا فرمائیں گے - ہم ایک رات کی عبادت اور بندگی کو ہزار سال کی عبادت میں تبدیل کر دیں گے - جس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر فضیلت کی رات ہے، اس رات کی بدولت آپ کو فضیلت حاصل ہوئی ہے -

بعضوں نے کہا کہ یہ رات فضیلت کی رات کس لئے ہے - اس رات میں فضیلت والی کتاب ملی جس کے ذریعے سے ملی وہ فضیلت والی شخصیت، جس امت کو ملی وہ فضیلت والی امت - فرمایا فضیلت والی کتاب فضیلت والے نبی کے ذریعے سے فضیلت والی امت کو نصیب ہوئی - بعض علماء نے لکھا ہے کہ تین فضیلتیں اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دی ہیں نزول قرآن وہ فضیلت والی کتاب ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم فضیلت والے نبی اور پیغمبر ہیں اور آپ کی امت فضیلت والی امت ہے - اب آپ سورۃ کو دیکھئے اس میں تین جگہ قدر ہے یا نہیں ---- فرمایا کہ

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ٥ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ٥ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ

فرمایا تین فضیلتیں اللہ نے جمع فرما دی ہیں، کتاب فضیلت والی، نبی فضیلت والے، امت فضیلت والی، اس لئے فرمایا کہ یہ رات فضیلت والی رات ہے اور تیسرے معنی قدر کے ہیں کم کرنا، تنگ کرنا --- آج کی رات، تنگی کی رات ہے کیا مطلب! بڑے بڑے میدان ہوتے ہیں بعض اوقات مجمع زیادہ ہو تو وہ تنگ ہو جاتے ہیں ---- میدان عرفات کو دیکھئے، جب حجاج کا ہجوم ہوتا ہے تو میدان عرفات جو حقیقتاً ایک جنگل اور ایک میدان نظر آتا ہے کہ جب حجاج کے خیمے لگتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میدان تنگ ہو گیا --- فرمایا کہ یہ رات تنگی کی رات ہے کیا مطلب؟ یہ رات اس لئے تنگی کی رات ہے کہ عرش اور فرش دونوں کے فرشتے اتنی تعداد میں جمع ہو گئے ہیں کہ دنیا تنگ ہو گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے اللہ نے آپ کو ایسی رات عطا فرمائی ہے، اس کو لیلۃ القدر کہا ہے اور یہ ملاقات کی رات ہے اور اس

میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ عزت اور شرف عطاء فرمایا-

میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب دنیا میں اتاری اور نازل فرمائی ہے وہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں ' کل بنی نوع انسان کے لئے ' بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ چرند و پرند کے لئے اور کل مخلوقات کے لئے ---- وہ دن خوشی کا دن ہے کیوں ؟ اس لئے کہ اس کتاب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو غلامی سے نجات عطاء فرمائی - انسان ' انسان کا غلام تھا ' انسان ' انسان کی غلامی کرتا تھا ' مخلوق ' مخلوق کی غلامی کرتی تھی ' تم اگر انسان ہو تو تمہارا یہ سر صرف اللہ کے سامنے جھک سکتا ہے اور اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہیں ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے ذریعے سے ہمیں آپ کو عزت عطاء فرمائی ہے - ہم صرف اللہ کے دروازے پر سر جھکاتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی اور کے دروازے پہ سر نہیں جھکاتے -

خشیت خداوندی

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات لکھی ہے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کو یہ محسوس ہوا کہ یہ ایک پتھر ہے - یہ رو رہا ہے - پتھر رو رہا ہے - آپ کہیں گے کہ پتھر میں تو حس نہیں ہے ہمارے اور آپ کے اعتبار سے حس نہیں ہے لیکن اس میں حس ہے اور فرمایا کہ اگر پتھر میں حس نہیں تو فرمایا کہ

وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَرُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

کبھی کبھی پتھر اللہ کے خوف سے لرز کر اوپر سے نیچے گر جاتا ہے پتھر میں خوف خدا ہے - اس میں بھی خشیت ہے - وہ رو رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ

بھئی تیرے رونے سے دل کٹا جاتا ہے اس نے کہا میں اس لئے رو رہا ہوں جب سے
میں نے یہ سنا ہے کہ جہنم کے اندر ایندھن کے طور پر جو چیز جلائی جائے گی وہ پتھر
ہوں گے فرمایا۔

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ یعنی کافر ہوں گے اور پتھر جلایا جائے گا میں اپنی قسمت
پہ رو رہا ہوں کہ بانے میں پتھر پیدا کیا گیا جس دوزخ کا ایندھن بن گیا۔ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اس کے حق میں دعا مانگی اور فرمایا میں نے تیرے
حق میں اللہ سے دعا کی ہے، اللہ تعالیٰ تجھے بچا لیں گے آپ تشریف لے گئے واپس
تشریف لائے تو دیکھا کہ برابر رونے میں مصروف ہے، آپ نے پھر پوچھا کہ تیرے
رونے کی کیا بات ہے؟

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ بڑے پیارے الفاظ ہیں
فرمایا کہ

كان ذلك بكاء الخوف وهذا بكاء السرور وہ خوف کا رونا تھا اور یہ خوشی کا رونا
ہے۔ کہاں میری قسمت کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم میرے حق میں
دعا فرمائیں میرے پاس تشریف لائیں یہ وہ خوشی ہے کہ جس کی وجہ سے میرے
آنکھوں سے آنسو تھمتے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آج اگر ہم اور آپ روتے ہیں تو
حقیقت یہ ہے کہ۔۔۔ رونا اس لئے آتا ہے کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی دن
ایسا یا کوئی رات بھی آئے گی کہ اللہ تعالیٰ خود تشریف لائیں اور تشریف لا کر فرمائیں کہ
اے میرے بندے مانگ کیا مانگتا ہے؟ فرمایا کہ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

آج کی رات اللہ کی طرف سے منادی ہو رہی ہے پکارا جا رہا ہے۔ تم میں
سے کوئی مغفرت کا خواہاں ہے۔ میں اس کے گناہ معاف کرتا ہوں۔ تم میں سے کوئی

رزق کا طالب ہے۔ جسے میں رزق دوں۔ تم میں سے کوئی صحت، تندرستی کا طالب ہے جس کو میں تندرستی اور صحت دوں۔

میرے دوستو! اس حال سے فائدہ اٹھاؤ---- آپ اور ہم دنیا کے معاملے میں بہت تیز ہیں، بڑے ذہین ہیں، بڑے لائق اور قابل ہیں، افسوس یہ ہے کہ ہماری منطق دین کے معاملے میں فیل ہو جاتی ہے

دنیا کے معاملے میں تو اتنے تیز ہیں کہ مشہور ہے کہ ایک تاجر کا انتقال ہوا اللہ کے ہاں اس کی پیشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے کہا تمہاری نیکی اور تمہارے گناہ برابر ہیں۔ کہو جنت میں جاؤ گے یا جہنم میں؟ تو اس تاجر نے کہا کہ جی میں تو جنت یا جہنم جانتا نہیں ---- جہاں دو پیسے کا فائدہ ہو وہاں پہنچا دو--

یہ نہیں معلوم جنت کیا جہنم کیا، جہاں دو ٹکے کا فائدہ ہو وہاں پہنچا دو، وہاں تو آپ کا یہ حال ہے لیکن دین کے معاملے میں ہم اور آپ اس طرح نہیں سوچتے۔ اگر سٹیٹ بینک کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے کہ جس کے پاس کوئی پھٹا پرانا، پھٹا، سالن میں گرا، مٹی میں آلودہ نوٹ ہو، وہ اگر لے آئے تو ہم اسے نئے نوٹ میں تبدیل کر دیں گے۔

میرے دوستو! ---- مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا کہ وہ اس پھٹے ہوئے نوٹ کو یہ سمجھ کر بیٹھا رہے کہ یہ اسٹیٹ بینک کی عمارت تو بڑی شاندار ہے، میں یہ گندہ قسم کا نوٹ لے کر کیا جاؤں---- بلکہ ہر آدمی دوڑ کر جائے گا اور یہ کہے گا، یہ تین دن کے لئے اعلان ہوا ہے۔ اس اعلان سے فائدہ اٹھاؤ اور جو نوٹ اپنے گھر میں رکھے گئے ہیں، ان کی رقم بناؤ

غنیمت جانئے

اگر یہ بات صحیح ہے تو میرے دوستو! آج کی شب غروب آفتاب کے بعد سے صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر ندا دی جا رہی ہے۔ آواز لگائی جا رہی

نہیں آؤ گے، اس وقت تک تمہاری کوئی خدمت قابل قبول نہیں ہوگی ---- اس لئے میرے دوستو! پہلا کام عرضی پیش کرنا نہیں ہے۔ بلکہ پہلا کام کیا ہے۔ یہ نہیں کہ اے اللہ! ہم سے جو بھی غلطی ہوئی جو گناہ سرزد ہوئے آج ہم سر جھکا کر غور کرتے ہیں اور ہم رو رو کر تجھ سے مانگتے ہیں کہ تو ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ معاف کر دے بلکہ ہمت کی بات ہے، آپ عرضی پر سوچیں اور غور کریں میں کہتا ہوں بڑی مبارک خصوصیت ہے وہ جو یہ کہتے ہیں۔ جی! ہمیں چاہئے تو پتہ نہیں، عرضی ورضی کی کوئی بات نہیں چاہئے صرف اتنا چاہئے کہ قصور معاف ہو جائے۔

لہذا میرے دوستو! آج سب سے پہلا کام ہمارا اور آپ کا یہ ہے کہ ہم اور آپ اس پر سوچیں اور غور کریں --- ہم نے کس کس کی غیبت کی ہے۔ ہم نے کس کس کی رقم ماری ہے۔ ہم نے کسے ایذا پہنچائی ہے۔ ہم نے اللہ کا کون سا حق دبایا ہے ہم نے انسانوں کا کون سا حق تلف کیا ہے؟ اگر وہ قابل ادائیگی ہے تو لوٹایا جائے اور اگر وہ قابل معافی ہے تو آج گڑگڑا کر اللہ کے سامنے اپنے قصور کی معافی مانگی جائے

توبہ کی حقیقت

اسی کا نام توبہ ہے زبان سے کہنے کا نام توبہ نہیں ہے، اور یہ بھی، توبہ کے معنی نہیں کہ ایک دفعہ گناہ کیا پھر توبہ کی، انہوں نے کہا نہیں، اب بار بار کیا توبہ کریں۔ دو دفعہ کیے چار دفعہ کیا -- نہیں ---- آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔ کسی عارف نے صحیح کہا ہے فرمایا

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ جیسا کیسا تو ہے، آ جا، میری طرف آ جا ----- جیسا تیسا اس لئے فرمایا، یہ نہ دیکھو تم کیسے گناہ کرتے رہتے ہیں، یہ نہ دیکھو کہ زندگی کیسی ہے تم یہ سمجھو کہ تم اصل میں ایسے پانی میں غوطہ زن ہو کر جو پانی صاف اور شفاف ہے، فرمایا کہ

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

کفر کیا ہے تب بھی آجا، آتش پرستی کی ہے تب بھی آجا، گناہ کیا ہے تب بھی آ جا، ہے کوئی ایسا سخی والا---؟

حضرت مولانا تھانوی فرماتے تھے فرمایا کہ اول تو انسان کسی کی غلطی کو معاف نہیں کرتا اور اگر معاف کرتا ہے تو لکھتا ہے کہ اس کی مسل ماتحت کے دفتر میں رکھو تاکہ کبھی یاد تو دلا سکے کہ تم نے یہ غلطی کی تھی۔ معاف کرتا ہے لیکن جرم کے نشان کو باقی رکھتا ہے۔ مگر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ معاف کرنے پر آتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا گناہ بھی معاف کیا۔ اس کی مسل کو جلا کے گناہ کے نشان کو بھی مٹا دیا۔ فرمایا کہ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

سو مرتبہ بھی اگر تو توبہ کر کے توڑ چکا ہے۔ پروا نہ کر ہم تجھے پھر معاف کر دیں گے تو میرے دوستو! سب سے پہلی جو بات ہے وہ یہ ہے کہ دل ہمارا نادم ہو شرمندہ ہو۔ آئندہ کے لئے یہ عزم ہو جب ہم نے اور آپ نے یہ نقاب اٹھا دیا۔ اب اس کے لئے کوئی تاریخ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہیں جہاں بیٹھے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے اللہ کا قرب نصیب ہو جائے گا اور ہم بیٹھے بیٹھے اس قابل ہو جائیں گے کہ ہم کہیں کہ اے اللہ ہماری یہ حاجت ہے "اے اللہ! ہماری یہ ضرورت ہے۔ اے اللہ! ہماری یہ تمنا ہے۔ اے اللہ ہماری یہ مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے "اگر آپ نے درمیان سے وہ نقاب دور کئے بغیر" زیادہ گڑگڑا کر دعا مانگی ہے تو دعا قبول کبھی نہیں ہوگی

آداب دعا

ضرورت سب سے پہلے اللہ سے معافی مانگنے کی اور جب معافی ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں اور قبولیت دعا کے سلسلے میں بھی ایک بات پہلے عرض کی ہے آج بھی عرض کرتا ہوں دعا کے قبولیت کے کچھ آداب ہیں ایک ادب یہ ہے کہ جس چیز کی دعا مانگ رہے ہو اس کے لئے تم نے تدبیر کیا کی ہے۔ اگر تم نے کوئی تدبیر

نہیں کی جو اللہ نے دنیا میں مقرر کر دی ہے تو تم خدا کے ساتھ مذاق کرتے ہو ٹھول کرتے ہو اللہ کے ساتھ - موٹی سی مثال ہے اس لئے میں اکثر دیا کرتا ہوں - آپ ستائیسویں شب کو خوب گڑگڑا کر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے فرزند صالح عطاء فرمائے اور نکاح نہ کریں تو اللہ تعالیٰ فرزند صالح آپ کو کہاں سے دے ' آپ کے پیٹ میں دے دے ؟ کہاں دے گا ؟

جس چیز کی دعا مانگ رہے ہو ' اس کے لئے وہ تدبیر بھی کرو کہ جو تدبیر اللہ نے کرنے کے لئے بتائی ہے - اگر تم نے وہ تدبیر نہیں کی تو یہ تمہاری مرضی فراڈ (FRAUD) ہے دھوکہ ہے 'خدا کے ساتھ مذاق کرنا ہے 'اس کی قبولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بعض اوقات جو خیر کام کئے ہوئے لوگ کیا کرتے ہیں

جب لوگ ملاقات کرتے ہیں (ہم پوچھتے ہیں) بھئی نماز پڑھتے ہو -----جی نماز تو میں نہیں پڑھتا - دعا کیجئے میں پڑھنے لگوں اب بھلا بتائیے میری دعا سے آپ پڑھنے لگیں گے نماز سے یعنی رکاوٹ کیا ہے مسجد محلے میں موجود ہے اذان دی جاتی ہے در مسجد میں جا کر تو آ سکتے ہو - ہم کا ہے کی دعا کریں - ہم کوئی پاگل اور بے وقوف ہیں - کا ہے کی دعا کریں ؟

جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس چیز کی دعا مانگ رہے ہیں ' آپ اس کے لئے وہ تمام تدبیریں کریں جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ مرضی کو ٹٹول کر دیکھ لینا ' کہیں مرضی میں آپ نے ایسی چیز تو نہیں رکھ دی ہے کہ جو آقا کو پسند نہیں ہے - گناہ کی دعا مانگنا جائز نہیں ' گناہ کی دعا مانگنا کیسے ؟ کوئی شخص یہ دعا مانگے کہ اللہ میرے محکمے میں رشوت زیادہ ملنے لگے کوئی شخص یہ دعا مانگے کہ میرے ستانے کے لئے مجھے زیادہ سے زیادہ موقعے ملیں - یاد رکھیے ' جو شریعت میں جائز نہیں ہے اللہ سے اس کی دعا مانگنا اللہ کے ساتھ بغاوت کرنا ہے ' کبھی نہیں کرنا چاہئے صرف وہ چیز اللہ سے مانگو کہ جس کی مانگنے کی اللہ نے

اجازت دے دی ہے۔ اس نے کہا تدبیر کرو اور ساتھ ہی ساتھ پیٹ کے بانو۔ ایک
پیٹ کے طریقے پڑھنے فقیر ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تھو تھو کرے تھوکرے مگر
نکلے کے ہی ہے۔ وہ غرض سے تو کسے یہ کہتا ہے کہ جی وہ لوگ فقیر ہوں گے جو آپ
سے تنگ آکر چلے گئے، یہاں تو میں ٹلوں گا ورنہ ٹلوں نہیں ٹلوں گا تو پیسہ لے کے ٹلوں
گا نہیں۔

الحاح سے مانگے

جب آدمی اس طرح لگ لپٹ کے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ دینے
کے قابل تو نہیں تھا لیکن --- یہ کہتا ہے کہ چونکہ میرے سوا اور کوئی دروازہ نہیں ہے
اس لئے اس کی بات پسند آگئی، چلو دے دیا ہے۔

یہ بھی حضرات نے نقل کی، شیخ سعدی نے لکھا ہے ایک بزرگ تیس
سال سے تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ رات کے وقت آواز آئی، تیری ساری عبادتیں بے
کار ہیں، یہ نکمے ہیں اچھے طریقے پر تو نے ادا کی ہیں۔ وہ بزرگ سن رہے ہیں۔ وضو
کرانے والا بھی سن رہا ہے اس آواز کو۔ اگلے دن پھر اٹھے، پھر آواز آئی، وہ وضو کرانے
والا تو ذرا کچا آدمی تھا۔ وہ کہنے لگا۔ حضرت جی یہ تین دن سے جو آواز آرہی ہے وہ آپ
سن رہے ہیں۔ بابا جی بھی سن رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ جب تیس سال کی عبادت
قبول نہیں ہوئی تو اب جو باقی زندگی رہ گئی ہے اس میں اپنا آرام کیوں خراب کر رہا ہے؟
پڑے سوتے رہیں آرام سے۔ جواب کیا دیا؟ فرمایا کہ

توان از سر این در بتافتن — کہ دیگر دری می توان ساختن

(کلیاتِ سعدی)

فرمایا ارے بے وقوف، تمہارا شعور غلط ہے، چھوڑا تو اسے جا سکتا ہے
جس کو چھوڑنے کے بعد کوئی دوسرا دروازہ ہو۔ اللہ کو چھوڑ کے کس دروازے پہ جاؤں

اللہ کے سوا تو کوئی دروازہ ہی نہیں ہے۔ اللہ پر تو کوئی قرضہ تو نہیں۔ اگر قبول کرے تو اس کی شان رحمت ہے۔ اگر قبول نہ کرے تو اللہ پر ہمارا کوئی جبر نہیں ---- بس! یہ انھوں نے کہا۔ آواز بدل گئی شیخ سعدی کہتے ہیں

آج آواز آئی کیا فرمایا

قبول ست گرچہ ہنر نیستت — کہ جز ما پناہی دگر نیستت

عبادت تو واقعی تیری بے ذوقی تھی مگر آج کی تیری یہ بات اللہ کو پسند آئی کہ اللہ کے سوا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ چلو ہم نے آج تیری تیس سال کی عبادت بھی قبول کرلیں۔

تو میرے دوستو! لپٹ کر مانگو۔ بے نیازی سے نہ مانگو۔ بے نیازی اللہ کو پسند نہیں ہے۔ مولانا تھانوی نے ایک شعر کو سنا اور سن کے فرمایا بھئی! ہماری ہمت نہیں میں اس شعر کو نہیں پڑھ سکتا --- فرمایا کہ

اگر چھٹے زہے قسمت نہ چھٹے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

مولانا نے فرمایا یہ کوئی بہت بے نیاز آدمی معلوم ہوتا ہے۔ بارگاہ خداوندی میں ایسی بات نہیں کہنا چاہئے۔ آپ اتنے بے نیاز ہو گئے --- نہیں --- فرمایا اس شعر کو بدل دو۔ فرمایا کہ

اگر چھٹے زہے قسمت نہ چھٹے تو کہاں زندگی
کیوں ہو سکے کیا یہ خواری مزاج یار میں آئے

ارے ظالمو! یہ سوچتے ہی کیوں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اگر نکالا۔ اگر مگر کا سوال ہی نہیں ہے۔ لپٹ کر دیکھو اللہ قبول کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ اور ایک آخری بات یہ بھی عرض کر دوں۔ وہ یہ ہے کہ رونا مشکل سے آتا ہے۔ عمریں گذری جا رہی ہیں۔ ہم اور آپ جو ہیں بگڑی ہوئی ہنڈیاں ہیں۔ بگڑی ہوئی ہنڈیاں کو درست نہیں کرتے بھی عمر کے

جو پہنے ہیں، وہ تو ہنڈیاں ہیں ان کو ٹھیک پکا سکتے ہیں۔ ہم اور آپ تو بالکل کچے ہو گئے اور یاد رکھئے اگر انسان نے کوئی یہ خیال قائم کیا ہے تو یہ خیال کرنا صحیح نہیں ارے صاحب تیس سال پہلے وہ کافر تھا۔ اب تو اس کا کفر جو ہے وہ پرانا ہو کے ختم ہو گیا وہ کہاں تھوڑا ہی کافر رہا ہے۔

یاد رکھئے! اگر ایمان پر قائم ہے، جوں جوں وقت گذرے گا، ایمان میں پختہ ہوتے چلے جاؤ گے۔ اگر کفر پر قائم ہے۔ جوں جوں وقت گذرے گا، تمہارا کفر پختہ ہوتا چلا جائے گا۔ میں نے عرض کیا اگر دل سخت ہے، رونا نہیں آتا ہے، تو فرمایا چلو رونا نہیں مگر رونے والوں کی شکل تو بنالو۔ رونے والوں کا طرز تو اختیار کرلو رات کو تو ذرا سا رو لو، اور کچھ نہیں تو کم سے کم آنکھوں سے آنسو نکال لو۔ اگرچہ وہ آنسو بھی تکلف کا آنسو ہو، پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ اسی طریقے پر آپ سے سچا گریہ کرا دیں گے جیسے کسی کا دل اندر سے روتا ہے۔

حکایت رومیؒ

مولانا جلال الدین رومیؒ نے حلوہ فروش کی حکایت لکھی ہے کہ ایک اللہ والے تھے، لوگوں سے قرض لیتے تھے اور جب وہ بیمار پڑے تو لوگوں کو فکر ہوئی کہ حضرت جی کو اتنی رقم دی ہے یہ رقم تو حضرت جی کے ساتھ ہی جا رہی ہے کیا کریں، لوگ جمع ہو گئے، حضرت جی منہ لپیٹ کے، چادر اوڑھ کے لیٹ گئے، یہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، سب ماتے ہوئے بیٹھے ہیں، اس کو اتنے ہزار چاہیے۔ اس کو اتنا پیسہ چاہیے اور سب سوچ رہے ہیں کہ اگر حضرت جی نے آنکھ بند کرلی تو ہماری رقم گئی۔ تھوڑی دیر میں ایک معصوم بچے کی معصوم آواز آئی کہ وہ حلوہ بیچ رہا تھا، جب وہ گھر کے قریب آیا تو یہ بزرگ جو چادر اوڑھے لیٹے تھے، چادر پیچھے ہٹائی، اور کسی خادم سے کہا اس حلوہ بیچنے والے کو بلا کر لاؤ، وہ جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے سو وہ کہنے لگے --- ارے ہم تو قرضے کے

----اس میں بیٹھے ہیں---حضرت جی کی طبیعت خراب ہے- مگر حلوے کے بڑے شوقین معلوم ہوتے ہیں- حلوے والا آگیا' اس سے پوچھا کہ یہ حلوا کیا بھاؤ ہے؟ بھاؤ بتایا' فرمایا کہ اچھا یہ سارا کا سارا حلوا تول دو- وہ بچہ بڑا خوش کہ میں سارے دن گشت کرتا اور اپنا حلوہ بیچتا' ایک ہی جگہ سارا بک گیا اب جب اس نے حلوا تقسیم کر دیا' اس نے کہا جی پیسے لاؤ' وہ چادر اوڑھ کے لیٹ گئے' یہ لوگ جو تھے یہ تو بڑے پکے تھے مگر یہ بے چارہ تو معصوم تھا- اس نے تھوڑی دیر کے بعد رونا شروع کر دیا- چلانے لگا ایڑیاں رگڑنے لگا میری اماں کیا کہے گی' میرا ابا کیا کہنے لگا میرے سارے حلوے کے پیسے جو ہیں غائب ہو گئے- اور وہ دل کے اندر سے رو رہا ہے- تھوڑی دیر میں کسی نے دروازے سے آواز دی- انھوں نے کہا کہ جا کے دیکھو---ایک خوان آیا--- اس خوان کے اندر تمام قرض والوں کی رقمیں رکھی ہوئی تھیں اور حلوے والے کی قیمت الگ رکھی تھی- انھوں نے سب کے قرضے ادا کر دیے اور حلوے والے کی قیمت بھی ادا کر دی- لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا بات یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کہا اے اللہ میرا آخری وقت ہے لیکن میں گروی رکھا ہوا ہوں یہ سب قرض والے بیٹھے ہوئے ہیں آپ ان کا قرضہ ادا کروا دیں میں ابھی ابھی جانے کو تیار ہوں نے فرمایا- کہ ان میں سے کوئی رونے والا بھی ہے- میں نے جو ان پر نظر ڈالی تو----میں نے دیکھا کہ ایک سے ایک خرانٹ ہے ان کے دل سخت ہیں- ان میں رونے والا کوئی نہیں ہے- جب میں نے دیکھا کہ یہ سب کے سب سنگدل ہیں- اس بچے کی جب آواز آئی تو میں نے کہا یہ سنگدل نہیں ہے' میں نے اس کا حلوا خرید ا اور اس کو انہی لوگوں میں شامل کر دیا اس نے جب رو رو کر مانگا ہے اس ایک آدمی کے رونے کی وجہ سے اللہ نے سب کی عرضی قبول کر دی فرمایا کہ

تا نہ گرید کودکی حلوہ فروش   بحر بخشائش نمی آید بہ جوش

جب تک حلوہ بیچنے والا بچہ گڑگڑا کر روتا نہیں- اللہ کی بخشش کا دریا بھی جوش میں نہیں

آئیے تو میرے دوستو---- آج کی رات میں ہم رو رو کر گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگیں گے اور جو ہماری مرضیاں تک ہماری تمنائیں ہیں وہ بھی ہم ساتھ ساتھ مانگیں گے- واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

حب نبوی ﷺ کا صحیح معیار

خطیب امت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ صغیر کے نامور خطباء اور مایہ ناز مقررین کی صف کے آخری فرد تھے۔ ان کی رحلت سے خطابت کا ایک باب ختم ہو گیا ہے۔ ذیل میں ربیع الاول کی مناسبت سے حضرت مرحوم کی یک نایاب تقریر حب نبوی کا صحیح معیار شائع کی جا رہی ہے۔ اس سے صحیح طور پر تو وہی حضرات لطف اندوز ہوں گے جنہیں آپؒ کے ساحرانہ خطبات سننے کا اتفاق ہوا ہے۔

تاہم عام قارئین بھی اس خطاب کے طرز دلنشین، برموقع اشعار اور برمحل تشبیہات و واقعات سے یقیناً محظوظ ہوں گے۔ اس تقریر کے لئے ہم جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم کے شکر گزار ہیں، جن کی مساعی اور توسط سے یہ الخیر کے قارئین تک پہنچ رہی ہے۔

خطبہ ماثورہ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمد اعبده و رسوله صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

برادران اسلام! اس سورۃ میں حق تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے میں آپ کے اسی واقعہ کو اس لئے منتخب کر رہا ہوں کہ میرا یہ خیال ہے کہ اگر ہم اپنی بیماریوں میں سے واقعی کوئی جڑ کا پتہ چلا لیں تو اصل جڑ یہ ہے تو ہماری تمام بیماریوں کی جڑ ایک ہے وہ یہ کہ ہم اپنی محبت کا اظہار زبان سے کرتے ہیں شاید محبت کی حقیقت سے واقف نہیں

محبت کی حقیقت

یعنی اصل وجہ ہماری یہ ہے کہ ہمارے دل میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی وہ محبت نہیں ہے جو محبت خود حضور چاہتے ہیں وہ محبت تو بے شک ہے کہ ہم اور آپ اس تیس سال کے عرصہ میں میرا اندازہ یہ ہے کہ تیس لاکھ آپ جلسے کرا لے ہوں گے صبح و شام سیرت النبی ﷺ کی مجلس ہوتی ہیں۔ میلاد نبی ﷺ کی محفلیں ہوتی ہیں ہم اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں علامہ اقبال کا ایک شعر یاد آیا' فرمایا کہ

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی — فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

حضور اکرمؐ کے اوصاف ہم بیان فرماتے ہیں لیکن اگر ہم سے اور آپ سے کوئی پوچھے اس تیس سال کے عرصہ میں سرکارِ دو عالم کی سیرۃ کا کوئی اثر ہم نے اپنی زندگیوں میں پیدا کیا؟ تو میرا یہ خیال ہے کہ ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اصل میں محبت کے لفظ سے واقف ہیں۔ محبت کی حقیقت سے واقف نہیں' لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید م' ح' ب' ت اس کا نام محبت ہے' نہیں' اس کا نام محبت نہیں۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں فرمایا کہ

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق — تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

شاید عشق کا نام تم جانتے ہو تم عشق کی حقیقت نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ جب ذرا سی چوٹ لگی تو تم چھوڑ بھاگتے ہو' شیخ سعدی کی طرف بہت سے واقعات غلط سلط بھی مشہور ہو گئے اور فارسی کے بہت سے محاورات مثلاً آپ نے یہ سنا ہو گا کہ در گلوئیم سنت پیغمبری ست آؤ بھئی محلے والو آؤ نکل کر آؤ دیکھو میرے گلے میں سنت رسول ہے۔ تو لکھا ہے کہ ان کو اصل میں شادیوں کا بڑا شوق تھا' ایک کم عمر بد مزاج لڑکی سے انہوں نے شادی کر لی انہوں نے کہا کہ سالن یا دال میں نمک کم ہے غصہ میں آ کے وہ ہانڈی اٹھا کر لائی اور لا کر اس کے سر پر جو ٹکی تو ہانڈی ٹوٹ گئی اور وہ گلے میں گھیرا جو تھا

تکیے میں آگیا ہے تھے یہ سب ماجرا چپ تھے اور لوگوں کو بتا کر کہا آپ اگر کو ہم سنت پیغمبری
سنت دیکھو دیتی ہے تکیے میں سنت پیغمبری دیکھو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ
زیادہ تر یہ فرضی قسم کے واقعات ہیں انہیں میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ انہوں
نے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا کسی سے اور وہ بڑا اچھا ایک آدمی تھا اس نے کہا کہ اگر آپ کو
واقعی مجھ سے محبت ہے تو چلئے ذرا سمندر میں تیرتے چلیں دریا میں تیرتے چلیں شیخ
سعدی تیرنا جانتے نہیں تھے وہ چلا جا رہا ہے اور شیخ سعدی کو لے جا رہا ہے ابھی دیکھا کہ
ٹخنوں ٹخنوں پانی آیا تو شیخ سعدی نے بھی انکار نہیں کی - پنڈلیوں تک آیا تب بھی انکار
نہیں کیا گھٹنوں تک پانی ہو گیا تب بھی انکار نہیں کیا - لیکن جب ناکوں تک پانی چڑھ
گیا اور شیخ سعدی ڈوبنے لگے تو شیخ سعدی یہ کہہ کر واپس آ گئے کہ عشق سعدی تھا تو
سعدی کا عشق ! ذوق ختم ہے اس سے آگے نہیں معاف کرو میں جان دینے کو تیار نہیں
- ہمیں بھی یہ سوچنا چاہیے کہ کیا ہم جو عشق اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ہمارے ذہن
میں اس کا مفہوم کیا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ ہم سے کس محبت کی توقع رکھتے ہیں
کس عشق کی امید رکھتے ہیں ؟ اور وہ کون سی محبت ہے

حضرت رومیؒ کی حکایت

مولانا جلال الدین رومی نے بہت سی حکایتیں لکھی ہیں لکھا ہے کہ ایک
شخص نے اپنی محبت کا اظہار کیا اور اپنے محبوب کے فراق میں بڑا روتا تھا معلوم نہیں کہ
روتا تھا یا نہیں روتا تھا لیکن اظہار فراق بہت کرتا تھا محبوب نے کہا کہ آپ فلاں جگہ میرا
انتظار کیجئے میں فلاں وقت آؤں گا یہ منتظر تھے عاشق نامدار انتظار فرما رہے ہیں بیچارہ
وہ نہیں پہنچے آپ ! کچھ گھنٹے کے بعد پہنچے جا کے دیکھا تو یہ عاشق صاحب بڑے زور
سے خراٹے لے رہے ہیں - مولانا جلال الدین رومی نے لکھا ہے کہ یہ جو محبوب آیا تھا
اپنے ساتھ اخروٹ لے کر آیا تھا اخروٹ لے جا کر عاشق کی جیب میں رکھ دیئے اور

کرتے ہیں اور ذرا دامن چھوڑ دیا۔ آستین پھاڑ دی۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے لکھا ہے کہ
کسی نے یہ اعتراض اس سے کر دیا کہ آستین پھاڑ دی، دامن پھاڑ دیا، یہ بتانا چاہتا ہے اے
ظالم تمہارا محبوب گھر بارہ بجے تک نہیں آیا تو تم ایک گھنٹے کے بعد کراہنے لگے
محبت تو اسے کہتے ہیں کہ آنکھوں آنکھوں میں رات گزر جاتی ہے ستارے گنتا رہتا ہے
اور نیند نہیں آتی اس لئے یہ جتنے عشق زار ہیں جو کراہتے رہے ہیں ان سے
اعتراض جیب میں رکھو دیئے اور یہ کہا کہ ابھی تو آپ مکتب عشق کے بچے ہیں جس طرح
بچے اعتراض سے کھیلا کرتے ہیں آستین پھٹی ہوئی ہوتی ہے دامن پھٹا ہوتا ہے اس
طرح آپکا دامن بھی پھٹا ہوا ہے آپ کیا جانیں کہ محبت کسے کہتے ہیں؟

حضرت رومیؒ کی ایک اور حکایت

مولانا جلال الدین رومیؒ نے ایک اور حکایت لکھی ہے ایک صاحب کے دل میں بڑا
شوق تھا کہ میں اپنی کمر کے اوپر شیر کی تصویر بنواؤں۔ گودنے والے لوگ تو ایک ذرا سا پھول
بنا لیتے ہیں کوئی ذرا سا نام گود لیتا ہے کوئی اور چیز بنا لیتا ہے تو وہ جو سوئی کے ذریعہ سیاہی
اندر داخل کرتے ہیں اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے بدن کو گودا جاتا ہے آپ کی ہمت
دیکھئے فرماتے ہیں کہ مجھے یہ شوق ہے کہ میری کمر کے اوپر شیر بنا دو وہ گودنے والا اپنے
اوزار اور مسالہ وغیرہ سب چیزیں لے کر آگیا اور کہا کہ تیار ہو کر بیٹھ جاؤ اب جو اس نے
سوئی رکھی اپنے اوزار رکھے تو بڑی زور سے چیخ ماری اس نے کہا کہ ارے بھئی کیا کرتا
ہے اس نے کہا کہ بھئی شیر بنا رہا ہوں اس نے کہا کہ شیر تو بنا رہے ہو لیکن کہاں سے شروع
کیا ہے اس نے کہا کہ دم کی طرف سے شروع کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ دم بنانے
میں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے اگر بلا دم کے بھی تو شیر ہوتا ہے دم بنانے میں تکلیف مجھ
سے برداشت نہیں ہوتی اس نے کہا بہت اچھا میرا کام آسان ہو گیا اس نے پھر سوئی
رکھی پھر بڑی زور سے چلا اٹھے اب کیا شروع کیا اس نے کہا کہ اب میں نے سر سے

شروع کیا تو آپ فرماتے ہیں کہ اگر سیاہ بال سر کا بھی تو شیر ہوتا ہے جب وہ ٹانگوں سے
شروع کرے تو کہتا ہے یار بال ناخنوں کے بھی تو شیر ہوتے ہے۔ جب پیٹ سے شروع
کرے تو کہتا یار بال پیٹ کے بھی تو شیر ہوتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے لکھا ہے کہ
اس گودنے والے نے غصے میں آکر اپنے اوزار پھینک دیے اور اوزار پھینک کر اس نے کہا
فرمایا کہ

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید   ایں چنیں شیر خدا ہم نہ آفرید

ارے ظالم تو کہتا ہے کہ سر نہ ہو کان نہ ہوں، پیٹ نہ ہو، ٹانگیں نہ ہوں ارے ظالم
ایسا شیر تو خدا نے پیدا نہیں کیا۔ میں تیری کمر پر کہاں سے بناؤں فرمایا کہ

تو یکے زخم نہ گیری از عشق   تو بنامے چہ مے دانی ز عشق

صحابہ کرامؓ کی محبت کا معیار

غزوہ احد میں سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے، صحابہ منتظر ہیں آپ نے
اپنی تلوار نکالی اور فرمایا من یا خذ ھذا السیف تم میں سے میری تلوار کون لے گا،
تمام صحابہ نے دو دو ہاتھ آگے کر کے بڑھا دیے کہ یا رسول اللہ ہمیں دے دیجئے، ہمیں
دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس طرح نہیں تم یہ بتاؤ کہ تم میں سے اس تلوار کا حق کون ادا
کرے گا؟ ابھی کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا حق کیا ہے؟ حضرت ابو دجانہؓ (سبحان اللہ)
ایک صوفی ہیں کہ کسی شخص نے ان کو کسی حالت میں اتراتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن
جب جہاد میں جاتے تھے تو اس طرح اتراتے اور شوخیاں کرتے ہوئے چلتے تھے کہ
رسول اللہ نے دیکھا اور فرمایا کہ خدا کی قسم خدا کو یہ چال پسند نہیں ہے مگر چونکہ تو جہاد
میں جا رہا ہے اس لئے خدا کو یہ چال پسند آگئی۔ ابو دجانہؓ کی خاصیت یہ تھی کہ جب جہاد
میں جاتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ مستی پیدا کرنے والی ان کے لئے کوئی
چیز نہیں تھی وہ آگے کو بڑھے اور کہا کہ یا رسول اللہ میں اس کا حق ادا کروں گا حضور

اکرمؐ نے تلوار ابو دجانہؓ کو دیدی۔ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ اس تلوار کا کیا حق ہے؟ یاد رکھئے جتنا جتنا شرف ملتا ہے جتنا جتنا مرتبہ بڑھتا ہے اتنی ہی ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہیں صحابہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی اس تلوار کا کیا حق ہے؟ فرمایا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہو وہ پیچھے کی صف میں نظر نہ آئے وہ سامنے کی صف میں نظر آئے یہ تلوار رسولؐ کی تلوار ہے۔ پیچھے نہیں رہے گی اور جس کو اپنی جان عزیز ہو اور وہ پیچھے رہنا چاہتا ہو تو وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لے کاہے کو۔ فرمایا کہ

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

اگر کسی کو اپنی جان پیاری ہے تو کاہے کے لئے لیتے ہو تلوار، آپ نے فرمایا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس تلوار کا لینے والا اگلی صف میں نظر آئے گا

بہادری کیا ہے؟:

مگر سبحان اللہ سبحان اللہ اسلام نے بتایا ہے کہ بہادری کسے کہتے ہیں؟ خون بہانے کا نام بہادری نہیں ہے، اسی لئے نہتوں کے اوپر حملہ کرنا عورتوں پر حملہ کرنا یا کمزوروں پر حملہ کرنا اسلام کی نظر میں بہادری نہیں ہے بلکہ اسلام کی نظر میں بزدلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کبھی اجازت نہیں دی ہے کہ بغیر اعلان کے اور بغیر اطلاع کے آپ حملہ کریں جیسے آپ نے ۱۹۶۵ء میں دیکھا ہوگا کہ بھارت نے سوتے ہوؤں کے اوپر حملہ کیا، مسجدوں کے امام اور مؤذن مارے گئے، بچے تباہ ہوئے، بوڑھے اور ضعیف مارے گئے اسلام کے احکام یہ ہیں کہ خبردار؟ صرف لڑنے والے مارے جائیں، بوڑھوں پر تلوار نہ چلائی جائے۔ عورتوں اور بچوں پر تلوار نہ چلائی جائے۔ راہبوں پر تلوار نہ چلائی جائے، جو عبادت خانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں تو میں نے عرض

شہید کا خدا سے مکالمہ

آپؐ نے فرمایا کہ جب تمہارے باپ کی حاضری ہوئی بارگاہِ خداوندی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ہمارے راستے میں اتنی بڑی قربانی دے کے آئے ہو، تم کو کیا مانگتے ہو جو کچھ مانگو گے دیا جائے گا عرض کیا میں لذتِ شہادت دوبارہ حاصل کروں گا جو لذت مجھے اس شہادت میں ملی ہے میں اصل میں وہ لذت اٹھانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ دینے پر تلے ہوئے ہیں تو زندگی دے دیجئے تاکہ مجھے لذتِ شہادت دوبارہ مل جائے علماء نے لکھا ہے کہ دیکھنے میں بظاہر شہید کے گلے پر چھری چلی ہے زخم ہیں مگر فرمایا جو شہید ظلماً مار دیا جاتا ہے یا کافروں کی طرف سے مار دیا جاتا ہے فرمایا اس کو تکلیف بالکل اتنی ہوتی ہے جیسے آپ کے زندگی میں کوئی چیونٹی کاٹ دے اس سے زیادہ نہیں ہوتی۔

محبت کی حقیقت ہمارے دلوں میں نہیں

خیر تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اصل بات تو یہ ہے کہ محبت ہمارے دلوں میں آج رہی نہیں ہے رونا اسی کا ہے علامہ اقبال کے دو شعر یاد آگئے قوم کے حالات پر بھی کبھی روشنی ڈالتے ہیں کہ مسلمان! تیرے پاس آج دنیا کی ساری نعمتیں موجود ہیں۔ لیکن تیرے دامن میں محبت کا ہیرا گم ہے آج وہ تڑپ نہیں وہ ذوق نہیں وہ شوق نہیں سب چیزیں ہیں فرمایا کہ:

ہر طرح کی خوشی دی خالق نے تمہیں لیکن
تھوڑی سی ضرورت ہے آنکھوں میں مروت کی

وہ نہیں ہے۔ فرمایا کہ:

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصر ما با ما چہ کرد

اے مسلمان تجھے معلوم ہے کہ زمانے نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے۔ اور جب

زمانہ کرتا ہے تو زمانہ اصل میں یونیورسٹیوں کالجوں اور اسکولوں کے ذریعے سے کرتا ہے جب کسی قوم کے اندر اچھا انقلاب آتا ہے تو پھوٹی نسل کے ذریعے سے آتا ہے اور جب انقلاب شر آتا ہے تو انہی چھوٹے بچوں کے ذریعے سے آتا ہے ہے فرمایا کہ

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد

مے شناسی عصر ما با ما چہ کرد

زمانے نے کیا کیا اگر تمہیں نہیں معلوم تو ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ فرمایا کہ

عصر ما را از ما بیگانہ کرد　　　　از نگاہ مصطفےٰ بیگانہ کرد

زمانہ نے ہمارے ساتھ صرف یہ کیا ہے کہ ساری ملت اور ساری قوم کی نگاہیں سرکار دو عالم کی طرف سے ہٹا دی ہیں اور ساری کی ساری قوم آوارہ ہو گئی ہے۔

مریض قوم کا علاج:

آج اس قوم کے سرہانے اگر کوئی حکیم اور طبیب بیٹھے اور کہے کہ لاؤ بھئی ہم تمہاری نبض دیکھیں تمہیں بیماری کیا ہے؟ تمہارا علاج کیا ہے؟ تم تندرست کیسے ہو گے؟ تو امام غزالی کے پاس بھی ایک حکیم آیا تھا آ کے بیٹھا تھا امام غزالی نے کہا ارے نالائق ! بیوقوف نہ مجھے نبض دیکھنی آئے نہ تو میری بیماری کو پہچانے تجھے پتہ کیا ہے کہ بیماری کیا ہے' فرمایا کہ

از سر بالین من بر خیز اے ناداں طبیب

دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

اس قوم کی بیماری ایک ہے اور وہ بیماری یہ ہے کہ یہ اپنے محبوب کی زیارت کا شرمت پینا چاہتی ہے جب یہ قوم اپنے محبوب سے وابستہ ہو جائے گی تو سمجھ لیجئے کہ یہ قوم تندرست ہو گئی' بیماری یہ ہے کہ قوم کی نگاہیں سرکار دو عالم ﷺ سے ہٹ گئیں میں نے سنیں کہ یہ علامہ اقبال نے اس شعر کا ترجمہ کر لیجئے گا کہ

کہ وحی سے کہ مدینہ ایک لڑائی ہونی ہے جبکہ لڑائی کے لئے حضورؐ روانہ ہوا ہے نوبت
لڑائی کی نہیں آئی اور وہ غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہے تاریخ اسلام کے اندر اس
سے پہلے قحط پڑ چکا ہے مدینہ منورہ میں فاقے گذر چکے ہیں اس لئے قرآن کریم کے
الفاظ پر غور کیجئے فرمایا کہ یہ تنگی کا دور ہے فی ساعۃ العسرہ تنگی ہے کسی کے پاس کچھ
نہیں ہے تو میں نے عرض کیا کہ غزوہ تبوک میں حضور اکرمؐ کو ایک تاجر نے یہ خبر دی کہ
قیصر روم نے چالیس ہزار رومیوں کا لشکر مدینہ پر حملہ کے لئے بھیجا ہے اور کسی
نے قیصر روم کو یہ غلط بات بتا دی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کا انتقال ہو گیا ہے مسلمان سخت
پریشانی میں ہیں۔ ایک مرتبہ حملہ کیا جائے بس کافی ہے۔ وہ چالیس ہزار رومیوں کا
لشکر روم سے چل کر شام کے علاقہ میں آ گیا حضور اکرمؐ نے صحابہ کو جمع کیا آپؐ نے
فرمایا کہ میری عادت نہیں کہ میں جگہ کا نام بتاؤں لیکن آج تک جگہ کا نام بتانا اس لئے
ضروری ہے کہ مقابلہ بہت دور ہے شام کے قریب تبوک میں جانا ہے سازو سامان کم
ہے موسم گرمی کا ہے قحط میں ہم مبتلا ہیں لہذا جتنی تیاری آپ کر سکتے ہو کر لو مختصر
طریقہ یہ عرض کروں گا یہ وہ غزوہ ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے آپ نے
پوچھا اے ابو بکرؓ آپ اپنے گھر پر کیا چھوڑ کر آئے ہیں یہاں کتنا لائے۔ انہوں نے کہا
یا رسول اللہ جو کچھ تھا لے آیا ہوں۔ گھر پر خدا کو اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں
۔ سب کچھ لے آیا ہوں۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں ہوا ہے اور ایک ہی سال بعد سرکار دو عالم
کو ہاتھ والے اللہ کے ہاں میں حضور ہی ہے تشریف لے گئے آخری غزوہ ہے
یہ چنانچہ تیاری ہو گئی لیکن مدینہ میں ایک مشکل ہے اور وہ مشکل یہ ہے کہ مدینہ میں
ایک بڑی تعداد منافقین کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں یہودی رہتے تھے اور یہودیوں
میں سب سے زیادہ منافقین ہیں۔ ان لوگوں نے سوچا کہ مسلمانوں کے ساتھ اسلام
کے اظہار کے لئے نماز تو پڑھ لیتے ہیں جہاد میں کون جائے۔ انہوں نے مسلمانوں کے
پاس جا جا کر مسلمانوں کی ہمت توڑنی شروع کی۔ انہوں نے جا کر کہا آپ لوگ لڑنے کے

لڑنے جا رہے ہیں آپ کو پتہ ہے کہ کس قوم سے مقابلہ ہے؟ رومیوں سے ہے اور رومیوں کے مقابلے پر اگر تم گئے تو بچ کے واپس نہیں آؤ گے مسلمانوں نے کہا کہ میاں ہم قوف ہوئے ہو۔ بچنے کی نیت سے تو کوئی جاتا نہیں، سارے شہید ہونے کی نیت سے جاتے ہیں بچ کے نہیں آئیں گے تو خوش ہونا چاہیے یہ کیا بات کی تم نے۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو پچھلے سال قحط پڑا ہے اور اس سال کی فصلیں تیار کھڑی ہیں۔ اگر تم اس حالت میں چلے گئے تو اس سال کی فصلیں بھی تباہ ہو جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ نہیں ہمارا فلسفہ یہ ہے کہ ہم خدا کا کام کریں خدا ہمارے کام کی نگرانی کرتا ہے ہمیں یقین ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ہم نکلیں گے تو ہماری فصلوں کو دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ روانہ ہو گئے منافقین دبک کے بیٹھ گئے حضور اکرمؐ روانہ ہو گئے کعب بن مالک مرارہ بن ربیع ہلال بن امیہ یہ تینوں کے تینوں یہ سوچ رہے ہیں کہ ہمارے پاس اپنی سواری ہے اور صحابہ تو ایک ایک سواری پر اللہ واللہ مجاہدین باری باری سواری کرتے ہوئے جاتے ہیں ہماری اپنی سواری ہے آج نہیں کل کل نہیں پرسوں ہم جا کر لشکر میں مل جائیں گے آج کل آج کل میں یہ وقت گذر گیا تھے میں حضورؐ واپس تشریف لے آئے رومیوں نے جب یہ خبر سنی کہ پیغمبر اسلام حیات ہیں اور لشکر لے آئے ہیں تو وہ وہیں سے واپس ہو گئے لڑنے کی نوبت نہیں آئی۔ اب جب حضور اکرمؐ واپس تشریف لائے، منافقین میں کھلبلی مچ گئی کیا کریں! کوئی لنگڑاتا ہوا آ رہا ہے کسی نے آنکھ بند کر لی ہے کسی نے پٹی باندھ لی اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے تو چوٹ لگ گئی تھی مجھے تو بخار آ گیا تھا میں اس وجہ سے نہیں جا سکا میں اس وجہ سے نہیں جا سکا کعب بن مالک تشریف لائے ہوئے جلیل القدر صحابی ہیں بدری ہیں حضور اکرمؐ کو انہوں نے آ کر السلام علیکم کہا حضورؐ نے سلام کا جواب دیا۔ لیکن جواب سے پتہ چل گیا کہ آج رسول اللہ ناراض ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے کعب بن مالکؓ تم جہاد میں کیوں نہیں شریک ہوئے کعب ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ بہت سے

منافقوں نے جھوٹی باتیں کر کے اپنی جان بچالی میں بھی کوئی غلط بیانی کر کے بچ جاؤں گا ادھر اللہ کی طرف سے رسول اللہ پر وحی نازل ہو گی اور صحیح صورت حال بتادی جائے گی تب تو ذلیل ہوں گا کیا فائدہ جھوٹ تو وہاں بولے جہاں بولا جا سکے انھوں نے کہا یا رسول اللہ کوئی وجہ نہیں صرف وجہ یہ ہے کہ آج اور کل آج اور کل میں سارا وقت گزر گیا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ میری اپنی سواری ہے بس یہ وجہ ہوئی حضور اکرمؐ نے اعلان فرمادیا خدا کا حکم ہے کہ کعب ابن مالکؓ، مرارہ ابن ربیعؓ، ہلال ابن امیہؓ ان تینوں سے اسلام کلام پیام سب بند کر دیا جائے کوئی مسلمان نہ ان کے سلام کا جواب دے اور نہ ان سے کوئی تعلق رکھے کعب ابن مالک کہتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے اوپر بجلی گر گئی اور یہ اندازہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں ہم سے کیا پھریں گی زمین و آسمان ساری کی کائنات پھر جائے گی۔ یہ اندازہ نہیں تھا فرمایا کہ ہمارے بڑے گہرے دوست یار ہمارا السلام علیکم کوئی جواب نہیں دیتا۔ بات کرتے کوئی ہوتا نہیں کوئی سنتا نہیں کعب ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ اگر کہیں قوم کا مسئلہ ہو، وطن کا مسئلہ ہو، زبان کا مسئلہ ہو، دولت کا مسئلہ ہو جتنے بھی مادری مفادات کے پیش نظر اگر رسول اللہ کے حکم کو پیچھے ڈال دیتے ہیں اس کا نام محبت نہیں ہے محبت اس کا نام ہے حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کعب ابن مالک ان کے باغ میں گئے "السلام علیکم کہا قتادہؓ نے جواب نہیں دیا کعب بن مالک نے کہا اے قتادہ کیا میں نے کیا تجھ پر احسانات نہیں کئے ہیں قتادہؓ نے کہا خدا کی قسم آپ نے بہت سے احسانات کئے ہیں لیکن اس کائنات میں سب سے بڑے محسن سرکار دو عالمؐ ہیں جب تک آپ سے وہ ناراض ہیں میں آپ کے سلام کا جواب بھی نہیں دوں گا اللہ کا پیچا کیسا پیچا! کس کی قرابت داری کس کی رشتہ داری؟ فرمایا۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

فدائے یک تن بیگانہ کہ آشنا باشد

ہے تو بیگانہ مگر خدا سے یگانہ ہے جو اپنا ہو اور خدا سے بیگانہ ہو وہ اپنا نہیں ہے

ں وہاں ختم کرنے کے لئے ان کی اولاد کو بھی یورپ کے درجہ میں لے آئے آپ یہاں تک نوبت آ گئی کہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا

کہ نہ نماز ہے ضروری نہ زکوۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کہ جنٹ کوئی جج ہے

سرسید کا نظریہ:

سرسید مرحوم کے پیش نظر میں نے چھوٹے سرسید سے ملاقات کی آپ میں سے اگر کوئی صاحب واقف ہوں گے خان بہادر بشیر الدین صاحب اسلامیہ ہائی سکول کے منیجر ہوا کرتے تھے اور وہ در حقیقت چھوٹے سرسید تھے انہوں نے سرسید کا زمانہ بھی دیکھا میں نے یہ الفاظ اپنے کان سے سنے ہیں خان بہادر بشیر الدین صاحب خود فرماتے تھے کہ سرسید نے جو یونیورسٹی اور کالج قائم کر کے قوم نکالی ہے اگر آج سرسید قبر سے اٹھ کے اپنی قوم کو دیکھیں تو اپنے ہاتھ میں کدال لے کر خود اس عمارت کو توڑ دیں گے میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگے کہ سرسید مرحوم کے پیش نظر تو یہ تھا کہ مسلمان بی اے کریں گے ایم اے کریں گے انگریزی پڑھیں گے جج بنیں گے اور مسجد کے دروازے پہ گاڑی کھڑی ہو گی جھنڈا لگا ہوا ہو گا کس کی گاڑی! جج صاحب کی یہ نماز کو تشریف لائے ہیں" فلاں پولیس افسر نماز کو تشریف لائے ہیں" اس سے مسلم قوم کی شوکت بڑھے گی لیکن فرمایا کہ یہ ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا کہ جتنے لوگ ڈگریاں پاس کرتے چلے جائیں گے اسلام سے اتنا ہی دور ہوتے چلے جائیں گے یہ ان کے پیش نظر نہیں تھا بہر حال عرض میں یہ کر رہا ہوں

حب نبویؐ کا مقتضا

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام مفادات کو آپ نظر انداز کریں پس پشت ڈالیں ' ایک ہی تقاضا سامنے رکھیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ خدا اور خدا کے رسول کی جب پکار آئے جب ان کی طرف سے دعوت دی جائے تو اپنے تمام تقاضوں اور دعوتوں کو نظر انداز کر دیا جائے یہ اصل میں محبت ہے

شیخ رومی کی حکایت :

آخر میں مولانا جلال الدین رومیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک آدمی نے دیکھا کہ ایک عورت چلی جارہی ہے بڑے خوبصورت کپڑے پہن رکھے ہیں یہ گیا اور جا کے کہا کہ مجھے آپ سے محبت ہے اس نے کہا کہ کوئی حرج نہیں محبت ہو جاتی ہے آپ کو بھی ہو گئی کوئی بات نہیں لیکن میری ایک بات سن لیجئے بات یہ ہے کہ میری بہن ہے وہ مجھ سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہے پیچھے آرہی ہے مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ اس نے مڑ کے پیچھے دیکھا تو اس عورت نے زور سے لات ماری اور کہا کمبخت اسی کا نام محبت ہے مجھ سے بہتر کی خبر ملی تو ادھر دیکھنے لگ گیا اور کہتے کہ محبت اسے کہتے ہیں بہرحال دو گیر محکمہ پھر ایک ہی تقاضا ہمارے سامنے ہو کہ خدا اور خدا کے رسول کا تقاضا کیا ہے ان کی دعوت کیا ہے ! اس کی پکار کیا ہے ؟ آج اس محبت کی ہمارے اندر کمی آگئی ہے ۔ اگر اس محبت کا چراغ پھر ہمارے اندر جل جائے ان شاء اللہ پھر نور پیدا ہوگا اور ہماری پھر اصلاح ہو جائے گی

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

سلامتی کا راستہ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا ونبینا محمد اعبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما خلق اللہ العقل فقال قم، فقام، ثم قال ادبر، فادبر ط ثم قال اقعد فقعد ط ثم قال اقبل فاقبل ط فقال اللہ تعالی ماخلقت خلقاً شیئاً احسن منک وافضل منک ط اوکما قال علیہ الصلوۃ والسلام —

میں ان سے یہ کہا کرتا ہوں کہ بھئی اور جگہ کا معمول تو ہمیشہ کا یہ ہے کہ وہاں مٹھائی بٹتی ہے۔ اور ہم نے کبھی یہ معمول اختیار نہیں کیا۔ مجھے یاد ہے میں چھوٹا تھا اور شاید میں نے سب سے پہلے محراب سنائی تھی۔ والد صاحب سے بعض لوگوں نے آکر یہ کہا کہ آپ کے صاحبزادے، پہلی مرتبہ محراب سنا رہے ہیں۔ آپ ہمیں موقع دیجیے ہم مٹھائی تقسیم کریں گے۔ مجمع بہت بڑا تھا، جو کچھ بھی ہمارا خرچ ہوا۔ والد صاحب نے اجازت دے دی اور ختم قرآن کے بعد مٹھائی بٹی ہے تو یہ معلوم ہوا کہ مسجد، مسجد نہیں ہے بلکہ یہ اصطبل ہے۔ وہ لوادھم مچا، وہ دھکا پیل، وہ چھینا جھپٹی، جس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہا۔ کوئی شخص دیکھ کے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ اللہ کا دربار ہے اور خدا کے دربار کا یہ کوئی احترام کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد والد صاحب نے ہمیشہ کے لئے فرمایا کہ اب کبھی ایسا نہیں کریں گے اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں۔

تو میں لوگوں سے یہ کہا کرتا ہوں کہ سب سے بڑی شیرینی یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی ایک آیت یا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کر دیا جائے، خدا کی قسم! دنیا کی تمام شیرینی اور دنیا کی تمام مٹھائیاں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شیریں کلامی کے اوپر قربان اس کے علاوہ ایک بات سنیے۔ ہمارا اور آپ کا ہر سال ایک مہینے کا ساتھ ہوتا ہے کسی کو کوئی بات ناگوار گذرتی ہے۔ کوئی کسی بات پر خفا ہوتا ہے۔ کوئی کسی بات پر رنجیدہ ہو جاتا ہے مگر یہ میں بتادوں کہ آپ کی یہ ساری کی ساری نزاکتیں، مسجد میں ہی ہوتی ہیں عدالت میں نہیں ہوتیں۔ کسی سرکاری دفتر میں نہیں ہوتیں۔ سینما کے لئے جس تکلیف اور مشقت کے ساتھ ٹکٹ کا لوگ انتظار کرتے ہیں وہ دیکھنے کی بات ہے۔

تو اس لئے بعض لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو میں یہ کہا کرتا ہوں کہ بھئی آج یہ قرآن کی برادری سے ہم رخصت ہو رہے ہیں۔ رخصت ہونے سے پہلے میرا معمول ہے کہ میں دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ بھئی اگر دانستہ، نادانستہ

آپ کو کوئی تکلیف اور ایذا پہنچی ہو تو آپ آخرت کے لئے اٹھا نہ رکھیں - دنیا ہی میں اسے معاف کر دیں -

اور اگر کسی شخص کو کسی کے خیالات سے تکلیف پہنچے، کسی کے افکار سے تکلیف پہنچے تو ہم کبھی بھی اس کے لئے معذرت پیش کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کیونکہ ہم نے اپنے خیالات اور اپنے افکار گروی نہیں رکھے - ہم نے کبھی فروخت نہیں کئے - اگر ہمارے خیالات کے ساتھ کسی کو اتفاق ہو تب بھی اتفاق نہ ہو تب بھی اللہ سے اس کا تعلق ہے خلق خدا سے نہیں - امیر کے دو شعر یاد آگئے، فرمایا کہ :

ساری دنیا آپ کی حامی سہی — ہر قدم پہ مجھ کو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا — اور خلق کے حلقہ میں بدنامی سہی

عقل نعمت خداوندی :

دوسری بات - وہ یہ کہ چند نصیحت کے طور پر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث تلاوت کی ہے - اور وہ حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب عقل کو پیدا کیا - آج عقل مخلوق ہے اور عقل آپ لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے - آپ سے زیادہ کسی اور مخلوق میں اللہ نے پیدا نہیں کی --- جتنے حیوانات ہیں، آپ اگر ان کا تجربہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دل ان کا، جگر ان کا، دماغ ان کا، کلیجی ان کی، آنکھ ان کی، ناک ان کا، ہونٹ ان کے، زبان ان کی ہر چیز، لیکن کیا بات ہے کہ ان کے پاس عقل نہیں ہے - اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے - یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے -

لوگ کہا کرتے ہیں کہ علماء عقل کے دشمن ہیں نہیں - دشمن نہیں ہیں، ہم آج آپ کے سامنے عقل کی فضیلت بیان کریں گے -

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو یہ فرمایا کہ کھڑی ہو جا، فقام

تو وہ کھڑی ہو گئی ثم قال ادبر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عقل پیچھے ہٹ جا فادبر پیچھے ہٹ گئی ثم قال اقعد پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عقل آگے کو بڑھ جا، تو وہ آگے کو ہو گئی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے عقل! میں نے اس کائنات میں تجھ سے زیادہ افضل، تجھ سے زیادہ حسین اور تجھ سے زیادہ بہتر مخلوق پیدا نہیں کی ہے۔

اور فرمایا تیرے ہی بدولت حساب و کتاب بھی ہو گا، تیرے ہی ذریعے سے میں پہچانا بھی جاؤنگا تیرے ہی ذریعے سے نعمتیں بھی ملیں گی، تیری ہی وجہ سے عذاب و عقاب بھی ہو گا۔ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ کبھی کبھی دین کو، شریعت کو، اور قرآن کا مقابلہ ہوتا ہے، گمراہی کا، جہالت کا مقابلہ ہوتا ہے، اور کبھی کبھی جہالت کا مقابلہ نہیں بلکہ مقابلہ عقل سے ہوتا ہے یہ زمانہ کہ جس میں ہم اور آپ گذر رہے ہیں، یہ زمانہ ہے کہ جب عقل نے بغاوت کر رکھی ہے۔ میں نے نہیں کہا علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ کہ اس زمانے میں سب سے بڑا خطرہ، سب سے بڑی خطرناک چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں اس عقل سے خطرہ ہے کہ یہ بہت بڑی بغاوت کا ذریعہ ہے۔ خیر وہ شعر تو مجھے یاد نہیں آیا۔

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

جس کا مطلب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسانوں کو عقل دی۔ انسانوں سے نیچے (مخلوقات) کو عقل نہیں دی۔ مگر ہم نے ان کو طبیعتوں کے تقاضے دیئے، طبیعت کے تقاضے کے معنی یہ ہے جو آنکھوں کو اچھی لگے، اسے لینا چاہیے، جو زبان کو اچھی لگے اسے کھانا چاہیے جو ہاتھ کو اچھی لگے اسے چھونا چاہیے بعض چیزوں سے محبت کرنا، بعض چیزوں سے نفرت کرنا، یہ عام حیوانات میں موجود ہے۔ مگر ان کے پاس قوت فیصلہ نہیں ہے۔ کہ اس کے لینے کا انجام کیا ہے، اس کے چھونے کا، سونگھنے کا

اس نے کہا ہے:

طبیعت اور عقل کی جنگ:

جس کا مطلب یہ ہے کہ حساسات، حیوانات کے پاس موجود ہیں لیکن ان کے احساسات سے نتیجہ نکالنے والی چیز عقل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ انسان کو طبیعت کے تقاضے بھی کبھی کبھی غلطی کرتے ہیں۔ موٹی سی بات ہے، موسم ہے، اس پر رات کا، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ آپ کا جی چاہ رہا ہے کہ میں سو جاؤں، آرام کروں، کام پڑے جائیں، لیکن عقل کہتی ہے کہ اگر آپ نے آرام سے یہ وقت گزارا، تو شام کو بیوی بچے کھانے کے لئے مانگیں گے تو کہاں سے دو گے؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ طبیعت کا تقاضہ، جو سامنے ہے اس کی راہنمائی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے۔ دیکھو! کبھی طبیعت کے تقاضے پر غلط عمل نہ کرنا، یہ عقل تمہیں سمجھاتی ہے کہ طبیعت کا یہ تقاضا غلط ہے۔ طبیعت کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے۔ یہ بات ہے اور اگر چاہیں تو یہ بھی کہہ دوں کہ آپ برا نہ مانیں۔ یہ بھی ایک رسول ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کسی بستی والوں کو ہلاک نہیں کیا، جب تک کہ ہم نے ان میں سے کسی رسول کو نہیں بھیجا، تو علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی انسان کی کسی رسول سے ملاقات نہ ہوئی ہو۔ پھر؟ -- علماء نے لکھا ہے کہ عقل بھی ایک رسول ہے۔ اگر کسی نبی اور پیغمبر سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ تو لکھا ہے کہ عقل تو تیرے پاس موجود ہے۔ اور عقل تجھے اللہ کی وحدانیت اور اللہ کے وجود کی تعلیم دیتی ہے اور اسی بنا پر آخرت میں تجھ سے وحدانیت کا سوال ہو گا۔ نبوت اور پیغمبری کا سوال نہیں ہو گا توحید کا مسئلہ عقلی ہے، نبوت کا مسئلہ خبری ہے۔ جب تک کوئی خبر نہ دے اس وقت تک نبی پر کوئی ایمان نہیں لاتا۔

صرف عقل کافی نہیں:

تو اس نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل دی ہے۔ لیکن عقل بھی کبھی کبھی غلطی کرتی ہے۔ اگر طبیعت کبھی غلطی کرے تو اس کی ہدایت کے لئے عقل اور اگر عقل غلطی کرے تو اس کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کی ہدایت کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہدایت کے تین درجے رکھے ہیں۔ پہلا درجہ ہدایت کا جو عالم حیوانات کو ملا ہے، وہ ہے طبیعت کا تقاضا، دوسرا درجہ انسانوں کو دیا ہے، وہ ہے عقل یہ دوسرا تقاضا ہے۔ اور جب عقل غلطی کرے، اور گمراہی کرے تو اللہ نے ایک اور ہدایت کا سامان دیا ہے اور وہ ہے ہدایت --- اللہ کی وحی --- اور اللہ کا نبی اور پیغمبر کی خبر ہے۔

یہ بات معلوم ہو گئی کہ عقل کا درجہ پیچھے وحی کا درجہ اوپر۔ جس میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا تھا، مجھے وہ آپ سے کچھ ایسا فرق اور طریقہ تعبیر کرنا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں عقل، کتاب اللہ کی ہدایت کے لئے ہے۔ دین کی ہدایت کے لئے ہے، شریعت کی ہدایت کے لئے ہے۔ معاملہ الٹا ہو گیا ہے، حالانکہ عقل اگر غلطی کرتی ہے تو اس کی روک ٹوک کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتب اتاری ہیں، جیسے فرمایا ہے، عقل ہادی نہیں ہے۔ کتاب اللہ ہادی ہے۔

پھر فرمایا کہ جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا کہ تو حرکت کر تو چل پڑی۔ پیچھے ہٹ جا، آگے کو بڑھ جا ---- اس سے اللہ کا مقصود ہے کہ بہترین عقل وہ ہے جو خدا کے حکم کی تابعداری کرے، وہ عقل، عقل نہیں ہے کہ جو خدا کے حکم کی نافرمانی کرے۔

عصری اجتہاد خطرہ سے خالی نہیں:

اگر ہم نے اور آپ نے اس زمانے میں اللہ کی کتاب میں سے ایسے ایسے
اجتہادات کئے اور ہم نے عقل کو اپنا ہادی بنایا تو شیخ کی بات عرض کر رہا تھا۔ اس
زمانے میں پڑھے لکھے طبقے سے یہ بڑا خطرہ ہے کہ وہ غلط قسم کے اجتہادات کر کے اللہ
کی کتاب کو گمراہی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔
اور یاد رکھئے اجتہاد ----- --- ہم اگر کہیں گے تو آپ کہیں گے کہ یہ تو مولویوں کی
بات ہے لیکن علامہ اقبال آپ سے کہے تو پھر تو مولویوں کی بات نہیں ----- فرمایا کہ

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

اگر کوئی ایسا آدمی اجتہاد کرے کہ جس میں قوت اجتہاد موجود نہ ہو، اجتہاد کی بصیرت
اس میں موجود نہ ہو۔ اقبال کہتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ اجتہاد سے باز آجائے۔ بہتر یہ
ہے کہ جو قرآن نے کہا ہے پر عمل کریں۔ ہمیں ایسے اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ ایک
شخص وضو کر رہا تھا۔ جب مسح کرنے کا وقت آیا تو کسی نے کہا کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ اس
نے کہا مسح کر رہا ہوں ------ کس نے بتایا؟ اس نے کہا ----- ابو حنیفہؒ نے بتایا
----- اس نے کہا ---- کہ اس طرح نہیں، تم اس طریقے پر مسح کرو۔ تو اس
نے جواب دیا صاحب میری قسمت میں کسی نہ کسی کے بتائے ہوئے پر عمل کرنا ہے تو
پھر میں تیرے بتائے ہوئے پر کیوں عمل کروں۔ ابو حنیفہؒ کے بتائے ہوئے پر کیوں
عمل نہ کروں۔

اصحاب بصیرت کا اجتہاد معتبر ہے:

میرے دوستو! اگر اجتہاد ان لوگوں کا اجتہاد ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ
بصیرت عطاء فرمائی ہے۔ آج صبح شام ہم دیکھتے ہیں، غلط طریقے سے قرآن کی کسی
آیت کو استعمال کیا جا رہا ہے بعض اوقات تو علماء نے لکھا ہے، کفر ہے۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کس موقع پر بولتے ہیں ؟ یعنی تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں، تم اپنے طریقے پر رہو، ہم اپنے طریقے پر رہیں، آپ ایمان سے بتایئے کہ کیا قرآن کریم کی اس آیت سے یہ مطلب نکلتا ہے، تم اپنے کفر پر قائم رہو، ہم اپنے ایمان پر قائم رہیں ـ بالکل نہیں ــــــــ یہاں دین کے معنی ہے جزا اور بدلے کے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یوم جزاء کا مالک لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کے معنی یہ ہیں، تم ہمارا کہنا مانو یا نہ مانو تم اپنے کام کے کئے کو خود بھگتو گے اور ہم اپنے کام کو بھگتیں گے ـ تمہیں تمہارے کاموں کا بدلہ ملے گا ـ

لیکن اب ایمانداری سے بتایئے کہ اگر کوئی آدمی کہتا ہے **لکم دینکم ولی دین** کہ تم اپنے طریقے پر رہو، ہم اپنے طریقے پر، قرآن کریم کی یہ آیت کہہ رہی ہے یہ اجتہاد قرآن کریم کے منشاء کو تلاش کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے منشاء کو اس کے اندر ڈالنا ہے

تو میرے دوستو! اللہ کی یہ کتاب کہ جس کی ہم اور آپ تلاوت کرتے رہے ہیں اور ہم اللہ کی اس کتاب کی تلاوت کرتے رہیں گے ـ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس قرآن کریم کے اوپر عقل ہادی نہیں ہے بلکہ عقل کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کو بھیجا ہے ـ عقل کا درجہ نیچے ہے وحی کا درجہ اوپر ہے ـ اب اگر آپ قرآن کریم کے کسی بات کے بارے یوں کہیں کہ آپ عقل سے سمجھایئے تو میں کہا کرتا ہوں، اس کی بالکل ایسی مثال ہے ـ

مسجد کے نیچے کوئی تہ خانہ ہو، بلکہ، اور اس تہ خانے کے اندر ایک آدمی گھڑی لے کر بیٹھ جائے، کبھی گھڑی دیکھتا ہے کبھی نقشہ دیکھتا ہے نقشہ کے اوپر لکھا ہے کہ ۶ بج کر ۳۹ منٹ پر افطار ہوگا، غروب ہوگیا اور گھڑی میں دیکھتا ہے کہ ۶ بجکر ۹ منٹ ہوگئے، اس کو آسمان نظر نہیں آتا، اس کو آفتاب کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی ہے، ورنہ روشنی نظر آرہی ہے، نیچے سے اعلان کردیتا ہے کہ بھائیو، روزہ کھولو، آفتاب غروب ہوگیا ـ

کیوں؟ میرا نقشہ بتا رہا ہے کہ غروب ۳۹-۶ پر ہے - میری گھڑی بتا رہی ہے کہ ۳۹-۶ بج گئے۔

لیکن اللہ کا ایک بندہ مینار کے اوپر بیٹھا ہوا ہے - اپنی آنکھوں سے آفتاب کو دیکھ رہا ہے اس نے کہا نہیں، یہ تیرا اعلان غلط ہے کیونکہ میں اپنی آنکھوں سے آفتاب کی ٹکیہ کو دیکھ رہا ہوں کہ ابھی اس کا کنارا نظر آ رہا ہے - سورج غروب نہیں ہوا ہے۔

میرے دوستو! ایمانداری سے بتایئے جو آدمی نقشے اور گھڑی کے مدد سے فیصلہ دے رہا ہے، وہ فیصلہ قابل قبول ہے یا جو کوئی آنکھوں سے دیکھ کے مینار پر بیٹھ کر کہہ رہا ہے کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے اس کا فیصلہ صحیح ہے آپ بتایئے کہیں گے جو آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہے اس کا فیصلہ صحیح ہے اور جو نقشے اور گھڑی کی مدد سے کہہ رہا ہے - وہ صحیح نہیں - کیوں ----- ! نقشہ مرتب کرنے والے سے غلطی ہو سکتی ہے - اور گھڑی میں بھی غلطی ہو سکتی ہے اس کے فیصلے میں نقشہ مرتب کرنے اور گھڑی کے غلط ہونے کا امکان ہے مگر جو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اس میں کوئی غلطی کا امکان نہیں -

ارشاداتِ وحی کی مثال :

جو فیصلہ عقل کے ذریعے کیا جاتا ہے وہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ تہہ خانے میں بیٹھ کر گھڑی اور نقشے کی مدد سے فیصلہ کیا جائے اور جو اللہ کی کتاب، اللہ کی وحی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے مینار کے اوپر بیٹھ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر فیصلہ کرنے والا ہے - علامہ اقبال نے فرمایا کہ -

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

نبی اور پیغمبر جو کہتا ہے آنکھوں سے دیکھ کر کہتا ہے، تخمینہ اور اندازے سے نہیں کہتا --- تو میرے دوستو! جب عقل کا درجہ نیچے ہے - وحی کا درجہ اوپر ہے - تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کی وحی کو معیار اس طرح کا نہ بنائیں کہ آپ اس کو عقل کا معیار بنائیں۔ بے شک اللہ نے عقل پیدا کی ہے وہ بھی فضیلت کی چیز ہے لیکن عقل کبھی کبھی غلطی بھی کرتی ہے بالکل اسی طریقے سے غلطی کرتی ہے جس طریقے پر آپکی قوت ذائقہ غلطی کرتی ہے کسی کو سانپ کاٹ لے آپ اس کو شہد کھلایئے، گھی کھلایئے وہ کہے گا کہ یہ کیا کڑوی کڑوی چیز کھلا رہے ہو۔ بھئی ہم قرآن اٹھا کر کہتے ہیں کہ یہ میٹھی چیز ہے۔ وہ کہے گا کہ نہیں میں بھی قرآن اٹھا کر کہتا ہوں کہ کڑوی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سانپ کے کاٹنے سے جب زہر پھیل جاتا ہے وہ اتنا کڑوا ہوتا ہے یا کوئی اور بیمار ہو اس کو ہر ایک چیز کڑوی لگتی ہے۔

لہٰذا ان قوتوں کے ذریعے سے انسانی عقل فیصلہ دیتی ہے اور جس طریقے سے کہ قوت ذائقہ بیمار ہوتی ہے کبھی کبھی یہ بیماری عقل کو بھی بیمار کر دیتی ہے اور بعض اوقات بیمار بھی نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات انسان کو اس کے استعمال کا طریقہ نہیں معلوم ہوتا۔

سنا ہوگا آپ نے کہ کسی بندر نے حجام کو دیکھا تھا کہ وہ استرے سے حجامت کر رہا ہے۔ بندر کی عادت ہوتی ہے نقل اتارنے کی۔ بندر نے وہ آلہ تو ہاتھ میں لے لیا لیکن یہ نہیں معلوم کہ یہ کس طریقے پر استعمال کیا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ہی جسم اور بدن کا حصہ کاٹ لیا۔ عقل سمجھنے کے لئے ---- کہ کس طرح استعمال کی جاتی ہے اللہ سے پوچھو، اللہ کے رسول سے پوچھو، اللہ والوں سے پوچھو۔

بالکل ایسے ---- میں کہوں یہ شیشہ ہے اس شیشے کے اندر ہر چیز نظر آتی ہے جو چیز آپ اس میں دیکھیں گے وہ نظر آتی ہے آپ کا سر نظر آئے گا آپ کی آنکھیں نظر آئیں گی، آسمان نظر آئے گا، پرندہ نظر آئے گا آگے کی چیزیں پیچھے کی چیزیں بھی نظر آئیں گی۔ ایک صاحب نے مولوی صاحب کی یہ بات سنی اور جب گھر پہنچے تو کہنے لگے کہ اچھا میں دیکھتا ہوں کہ شیشے سے یہ گدی کے بال پیچھے سے نظر آتے ہیں یا نہیں۔ اب اس نے شیشہ کو آگے رکھا ادھر رکھا، اوپر کرتا ہے، نیچے کرتا ہے، گدی کے بال نظر

نہیں آتے - اس نے کہا کہ یہ تو مولوی صاحب نے غلط کہا ہے اس میں ہر چیز نظر آتی ہے مگر گدی کے بال نظر نہیں آتے . میں نے ساری کوششیں ختم کر دی ہیں - مولوی صاحب کے پاس پہنچے - انہوں نے کہا کہ بندے تم سے یہ کس پوچھ لیا ہوتا کہ دیکھنے کا طریقہ کیا ہے ؟ ----- آؤ ہم بتائیں ------ دو آئینے لاؤ ، ایک آئینہ پیچھے رکھو ، ایک آئینہ آگے رکھو آگے کے آئینے میں پیچھے کے بال نظر آنے لگیں گے . اگر اس کو دیکھنے کا یہ طریقہ معلوم ہے تب تو نظر آئیں گے اور اگر یہ طریقہ ہی معلوم نہیں تو کیسے نظر آئیں گے - ؟

آج ہر شخص دین اسلام اور شریعت کے اندر اجتہاد کے در پے ہے - ہر شخص اجتہاد کر رہا ہے بلکہ میں یہ عرض کروں گا کہ آج کل اسلام اور قرآن پہ کہہ رہا ہے کہ بھئی مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ - جو میرے خیر خواہین کے جو اجتہاد کر کے اللہ کے منشاء کو مٹا رہے ہیں اسی لئے میرے دوستو ! یہ بات یاد رکھئے ------ قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے ، جو صحابہ کرام سے منقول ہے جو سلف صالحین سے منقول ہے - جو اللہ والوں سے منقول ہے وہی اصل میں منشاء خداوندی ہے لیکن ان تمام چیزوں کو پس پشت ڈال کر کوئی آدمی کہتا ہے کہ بھئی ایک آدمی کی آنکھ نکال کے دوسروں کو آنکھ لگوانے کے لئے ، دیکھئے فلاں حدیث ہے اور قرآن کی فلاں آیت یہ کہتی ہے ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ اگر کسی کو ، کسی انسان کا مادہ تولید اس کے رحم کے اندر ڈال کر بچہ پیدا کیا جائے اس کے لئے قرآن کی آیتیں ڈھونڈیں گے تلاش کریں گے یا قرآن کی کوئی آیت مل جائے - کوئی حدیث مل جائے میرے دوستو ! یہ اجتہاد جو ہے اس وقت اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے -

ان چیزوں کو آپ سامنے رکھیں - یہ میرا پیغام ختم قرآن کے موقع پر ہے ہم اور آپ سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قرآن پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اس قرآن کریم کے معانی کی حفاظت کی بھی توفیق عطاء فرمائے -

اے اللہ تیرا یہ کلام جس کی ہم نے تلاوت کی ہے۔ اگر دانستہ نادانستہ طور پر ہم سے غلطی ہوئی ہو تو اے اللہ اس غلطی کو معاف فرما اور جتنے فتنے دین اور شریعت کے معاملہ میں اجتہاد کے ذریعے سے آ رہے ہیں۔ ان تمام فتنوں کو تو تہس نہس فرما اور تمام فتنوں کو تو ختم فرما دے ـــــــ آمین!

(ماہنامہ الخیر ملتان)

مولانا احتشام الحق کی رباعیات

[illegible] کا ہے پیسہ تو بڑی [illegible] مشکل انکار ہے طعنوں کا بھی سننا مشکل
قسمت کی [illegible] کے ہاتھ سے شوار دنیا میں شریفوں کا ہے رہنا مشکل

اصلاح باطن اور خوف خدا

الحمد لله نحمده ونستعينه و نستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهدان سيد نا ونبينا و مولانا محمد اعبده ورسوله صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله اصحابه اجمعين اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِىْ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِىْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ وَمَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ثُمَّ مَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ

صدق الله العظيم

اصلاح باطن کی ضرورت

بزرگان محترم وبرادران عزیز! جس جلسہ میں ہم جمع ہیں یہ ایک تبلیغی اصلاحی جلسہ ہے جس کی غرض وغایت اور مقصد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پہنچانا اور

دین کے وہ اصول اور احکام بیان کریں جن سے ہماری روحانیت اور معاشرے کی اصلاح ہو
بالخصوص اس زمانہ میں کہ ہم اپنے جسم کو خوبصورت بنانے میں مصروف ہیں
کراچی شہر کو اگر آپ دیکھیں تو آپ کو ایسی دکانیں مل جائیں گی کہ جہاں لوگ جا کر
اپنے بالوں کو حسین بناتے ہیں اور جسم کو سڈول اور خوبصورت بنانے کیلئے طریقے
بتائے جاتے ہیں تو اس زمانہ میں لوگ جسم کو خوبصورت بنانے کی طرف متوجہ ہیں
لیکن ہم سے پوچھیے کتنے لوگ ہیں جو ایسے ادارے میں جاتے ہوں کہ جہاں اخلاق کو
حسین بنایا جاتا ہے کہ جہاں عادتوں اور انسان کی روح کو زینت دی جاتی ہو گویا تو اس
زمانہ میں عام طور پر دیکھتا ہوں دین جاننے کا لوگوں کے دلوں میں شوق باقی نہیں رہا جو
حقیقت میں انسان کے اخلاق کو خوبصورت بنایا جاتا تھا۔

نجات کا مدار اعمال صالحہ پر ہے

اور جو لوگ جاتے بھی ہیں تو عام طور پر ان کی توجہ اخلاق کی طرف نہیں
ہوتی کہ اپنے اخلاق اور عادتوں کو وہ سنواریں بلکہ سمجھتے ہیں کہ کسی شیخ کے مرید ہو
جائیں تو دنیا میں ہمارا بیڑہ پار ہو جائے گا اور آخرت میں ہمیں بخشوا دے گا جس کا
مطلب یہ ہوا کہ آپ کا پیر ٹھیکیدار ہے اس نے آپ کی نجات کا ٹھیکہ لے لیا ہے وہ
آپ کو کچھ نہیں کرنا سب کچھ اس نے ہی کرنا ہے اور وہ آپ کو آخرت میں بخشوا کر
جنت میں پہنچا دے گا

عبرت آموز دو واقعے:

حالانکہ اگر کسی بڑی سے بڑی نسبت اور تعلق کی وجہ سے نجات ممکن ہو تو
حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادی جن کا نام فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے ان سے
زیادہ بڑی نسبت اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر آج تک اولاد میں کسی کو حاصل
نہیں ایک تو نبیوں اور پیغمبروں کی نسبت پھر ایسے نبی کی نسبت کہ جو تمام انبیاء علیہم

انبیاء میں امام اور سردار کا درجہ رکھتے ہیں تو یہ مقام انبیاء میں کسی حضرت سے تو
یہاں تک بھی لکھ دیا ہے کہ تمام انبیاء نبی بعد میں بنے نبی ہیں اور آپ ﷺ تمام
انبیاؤں کے بھی نبی ہیں آپ ﷺ نبی الانبیاء ہیں تو واقعی جب آپ ﷺ
کا یہ مرتبہ اور مقام ہے تو پھر آپ ﷺ کی نسبت کسی کو حاصل ہو جانے تو کیا
اس سے بڑھ کر بھی کوئی نسبت ہوگی لیکن آپ ﷺ نے دو موقعوں پر ارشاد فرمایا ایک
تو اس وقت کہ جب کہ ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا مخزومی قبیلہ سے تھی چوری
کے جرم میں پکڑی ہوئی آئی اور کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے
سفارش کر دی کہ یا رسول اللہ یہ عورت ذرا نیک ہے اسے چھوڑ دیں ان کا چوروں سے تعلق
ہو گیا کیونکہ پھر بھی سفارش کرنا جرم میں شریک ہونا ہے لیکن ان بیچاروں کو خیال ہوا
کہ یہ عورت ہے اس لئے اس کو سزا دینے کا خیال ہو انہوں نے آ کر سفارش کر
دی۔ حدیث میں آتا ہے کہ غصہ کی وجہ سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور
آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو مخزومی قبیلہ کی فاطمہ ہے خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی
یہ جرم کرتی تو میں حکم دیتا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے وہ نبی زادی ہو یا کوئی ہو قانون سب کے لئے برابر
ہے۔ ایک واقعہ یہ تھا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو خطاب
کر کے نصیحت کی ہے کہ یا فاطمہ انقذی نفسک من النار فانی لا اغنی عنک من
اللہ شیئا کہ اے فاطمہ آپ جہنم سے بچنے کے لئے خود اپنے عمل سے کوشش کرنا
یہ نہ سمجھنا کہ میں نبی کی بیٹی ہوں میں تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا۔ مطلب یہ ہے
کہ اللہ کے ہاں نجات کا دارومدار عمل صالح ہے۔ اب آپ بالکل فارغ ہو گئے اور اب آپ
کو کچھ فکر کرنا ہی نہیں ہے میں نے تو نسبت قائم کر لی ہے ایسا لوگ سمجھتے ہیں کہ اچھے آپ
جانیں کہ دنیا میں وہ کونسی چیز ہے اور شیخ ہے کہ جس کی نسبت حاصل ہو جانے کے بعد
آپ کو درست کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اس کے بعد
چھٹی مل گئی ہے۔ ہمارے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت مولانا تھانوی

نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا

ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

جن گھونسلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں یہ گھونسلے کوے اور چیل کے نہیں ہیں لیکن آج اس پر گدھ بیٹھے ہوئے ہیں کوے بیٹھے ہوئے ہیں کسی وقت جس آشیانے پر شاہین اور عقاب بیٹھا کرتے تھے "گدی والے" اس مسند پر بیٹھ کر استحصال کیا کرتے تھے انہوں نے جو یہ شکایت کی ہے یہ تاجرانہ قسم کے پیروں کی کی ہے ان پیروں کی شکایت کی ہے جو در حقیقت پیری اور مریدی کے مقصد کو نہیں سمجھے بلکہ حصول کو سمجھے ہیں کہ یہ پیری مریدی ہے اسی لئے میں نے عرض کیا کہ لوگوں میں بڑی غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ یہ پیری مریدی ہے اس لئے میں نے عرض کیا کہ لوگوں میں بڑی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے دونوں کے درمیان معاہدہ کا نام پیری مریدی ہے لیکن یاد رکھئے جیسا کہ ٹریفک پولیس والا چوراہے پر کھڑا ہوا آپ کو راستہ بتاتا ہے کہ یہاں سے سیدھے چلے جائیے آگے جا کر آپ کو فلاں رنگ کا مکان نظر آئے گا اس کے ساتھ ہی آپ کی منزل مقصود ہے جہاں آپ نے جانا ہے میں آپ کا بوجھ اٹھا کر وہاں پہنچاؤں گا نہیں میرا کام راستہ بتانا ہے اسی طریقے پر پیر صاحب حمال اور مزدور نہیں ہے جو آپ کو کندھے پر اٹھا کر جنت میں چھوڑ آئے گا فرمایا کہ!

راہبر تو بس دکھا دیتا ہے راہ

راہ چلنا راہرو کا کام ہے

تجھ کو راہبر لے چلے گا دوش پر

یہ ترا راہرو خیال خام ہے

تمہیں طلاق ہو گئی ہیں فرمایا کہ تمہیں جاؤ اپنے شوہر کے ساتھ جا کر رہو تجھ پر ایک
طلاق بھی نہیں ہوئی اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ دنیا
میں انسان کو سب سے زیادہ حسین ہم نے پیدا کیا ہے لہذا تو چاند سے زیادہ حسین ہے
تجھ پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ چاند میں روشنی اور نور ہے مگر چاند میں آنکھیں
موجود نہیں اس طرح وہ قد و قامت نہیں جس کو شاعر کہتے ہیں کہ میرے محبوب کا
قد ایسا ہے جیسے سرو کا درخت چمک اور نور بے شک موجود ہے مگر قد و قامت نہیں ہے

وا سفیہ شاعران نادیدہ   طفلی را اقوا پسندیدہ

شاعر کہتا ہے کہ یہ شاعر بہت بیوقوف ہیں کہ انہوں نے میرے محبوب
کے قد کے بارے میں یہ کہہ دیا ہے کہ میرے محبوب کا قد ایسا ہے جیسے سرو کا درخت
اور میرے محبوب کے قد و قامت کی انہوں نے توہین کر دی وجہ یہ ہے کہ سرو کے
درخت پر ہاتھ پھیر کر دیکھو تو کھردرا معلوم ہوگا اور محبوب کے قد و قامت پر ہاتھ
پھیر کر دیکھو تو کھردرا پن نہیں نظر نہیں آئے گا تو یا سرو کے ساتھ تشبیہ دینا محبوب
کی توہین کرنا ہے

وا سفیہ شاعران نادیدہ   طفلی را اقوا پسندیدہ

سرو را قد یار می گوید   سرو چوب است نا تراشیدہ

سرو ایک ناتراشیدہ لکڑی ہے تمہیں شرم نہیں آئی کہ تم نے میرے محبوب
کے قد و قامت کو اس کے ساتھ تشبیہ دے دی ہے

آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا نور

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ بتلائیے کہ رسول اللہ ﷺ کے
چہرے کی چمک اور جو آپ کے چہرہ کا نور تھا کیا وہ اس طرح تھا جیسا کہ دھوپ میں چمکتی
ہوئی تلوار نظر آتی ہے صحابیؓ نے فرمایا کہ نہیں وہ اور تھا کیا تجھ کو معلوم نہیں ہے

کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ پر فخر ہیں اور آپ ﷺ کے چہرے کو تلوار کے ساتھ مت تشبیہ دیں یہ تو کاٹنے والی تلوار مہلک ہے اور قاتل ہے جبکہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر مردوں میں روح اور حیات پیدا ہو جاتی تھی۔

ایک عجیب بابرکت وظیفہ

علماء نے لکھا ہے کہ وہ آیت جس میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر ہے اور وہ سورۃ توبہ کی آخری آیت لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ ہے جو شخص اس آیت قرآنی کو جس دن تلاوت کرے گا اس دن اس شخص کو موت نہیں آئے گی اور اس دن موت سے محفوظ ہو جائے گا یہ اس آیت کی خصوصیت ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ تو بہت چھوٹا نسخہ ہے اور سب ہی کسی نامعلوم مرض کے لئے یہ بات ٹھیک نہیں ہے قدرت کا قانون ہے کہ جس دن موت آتی ہے اس دن یہ آیت پڑھنا بھول جاؤ گے موت اپنے وقت پر ہی آئے گی تو عرض یہ کر رہا تھا کہ آپ ﷺ کے چہرے کی چمک کو تلوار کی چمک سے تشبیہ دینا درست نہیں کیونکہ تلوار مہلک اور قاتل ہے اور آپ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا ہے۔

غزوہ احد میں آپ ﷺ کا تلوار سے پیار

حالانکہ غزوہ احد میں آپ ﷺ تلوار لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا کہ من یأخذ هذا السیف میری یہ تلوار تم میں سے کون لیتا ہے صحابہ پر وارفتگی طاری تھی ہر صحابی اسے لینے کے لئے آگے بڑھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہرو! یہ تلوار اس کو ملے گی جو اس کا حق ادا کرے گا تم میں سے کون وعدہ کرتا ہے جو اس کا حق ادا کرے گا اب سب خاموش تھے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اس تلوار کا حق کیا ہے ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس تلوار

کا حق یہ ہے کہ اس تلوار سے صرف لڑنے والوں کو مارا جائے اس سے عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے اس طرح بوڑھوں کو بھی قتل نہ کیا جائے اسلام کے اصول جنگ کے اندر یہ چیز ہے کہ جنگ میں جو لڑنے والے ہیں انھیں مارو عورتوں بچوں بوڑھوں اور راہبوں جو اپنی عبادت خانوں میں عبادت کر رہے ہیں انھیں قتل نہ کرو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے صرف لڑنے والوں کو مارا جائے دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ جواب دیا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ لڑنے والوں کو اتنا مارنا اتنا مارنا کہ مارتے مارتے اور قتل کرتے کرتے تلوار ٹیڑھی ہو جائے تو تم میں سے کوئی یہ حق ادا کرے گا؟ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی تلوار کا حق ادا کروں گا مجھے دے دیجئے تو آپ ﷺ نے انھیں دے دی۔

حضرت ابو دجانہ کا حال

اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب اعلان جنگ ہو گیا تھا اور میدان میں آئے تھے اور سرخ جوڑا پہن لیتے تھے اور اس طرح شوخیاں کرتے ہوئے آتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اتنی خوشی کسی کو عید کی نہیں ہوتی جتنی انھیں خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ شوخیاں کرتے ہوئے آرہے ہیں آپ ﷺ نے انھیں دیکھ لیا تو فرمایا کہ ابو دجانہ یہ رفتار جس سے آپ آرہے ہیں خدا کو پسند نہیں ہے یہ شوخی کی چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے لیکن چونکہ تم میدان جہاد میں شوخیاں کرتا ہوا آرہا ہے اس لئے خدا کو پسند ہے علاوہ جہاد کے یہ رفتار خدا کو پسند نہیں اور حضرت ابو دجانہ نے پھر واقعہ تلوار کا حق اسی طرح ادا کیا ہے کہ بہت سے کفار کو اس تلوار سے مارا میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کو قتل نہیں کیا آپ کے چہرے کے نور کو تلوار سے تشبیہ دینا منع ہے پھر تلوار کی وہ چمک جو دھوپ میں محسوس ہوتی

ہے یہ بینائی کو کمزور کر دیتی ہے اس لئے جب آپ سورج کی طرف دیکھیں گے تو
آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی سفید رنگ بینائی کو کمزور کرتا ہے اس وجہ سے بعض ممالک میں
ابھی تک ٹیلی ویژن نہیں جاری کیا صرف یہ سمجھ کر کہ بینائی پر خراب اثر پڑتا ہے۔
جنوبی افریقہ جہاں پر خاص انگریزی حکومت ہے وہاں ابھی تک ٹیلی ویژن نہیں ہے اور
بھی کئی باتیں وہاں کی سامنے آئیں مثلاً اتوار کے دن اور رات کو سینما بالکل بند ہوتا ہے
میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے ہمارے ہاں تو اتوار کو زیادہ تماشے لگے ہوتے ہیں اور یہاں
اس دن بالکل سناٹا ہے انہوں نے کہا کہ آج کا دن ہماری مذہبی عبادت کا دن ہے اس دن
ایسی خرافات کو ہم روا نہیں رکھتے اور یہاں یہ حال ہے کہ جب کوئی پکچر شروع ہوتا ہو تو
وہ جمعہ کے دن شروع ہوتا ہے کوئی کھیل سٹیڈیم میں شروع ہونی ہو وہ جمعہ کے دن
ہوتا ہے آزاد یورپ کے ممالک میں جائیے اور وہاں اتوار کو شروع کر کے دیکھئے
مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کے اندر زندہ قومیں ہیں اور ہم باوجود اس کے کہ اپنے آپ کو
آزاد کہتے ہیں ہمارا ضمیر اور دل و دماغ غلام ہیں۔

آج کل کے مجددین کا حال

اور آج کل بڑے بڑے مجدد پیدا ہو گئے ہیں اگر کسی سے کہیں کہ آج جمعہ کا
دن عبادت کا دن ہے آج کا دن مقدس دن ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں راہبوں اور
یہودیوں کی طرح نہیں ہے کہ آج کے دن ہم کوئی کام بھی نہیں کریں گے اور کہتے ہیں
کہ قرآن کہتا ہے کہ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اللہ کا فضل اور روزی تلاش کرو۔ معلوم
نہیں کہ ان کو قرآن کس نے سکھایا ہے صرف وَابْتَغُوْا تو یاد کر لیا لیکن اس سے پہلے کیا
ہے اس سے پہلے ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ کہ جمعہ کے
دن تیاری کر کے نماز جمعہ ادا کرو اور جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو پھر بے شک روزی
تلاش کرو۔ تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ایسی قومیں بھی موجود ہیں جنہوں نے کہا کہ

ہمارے لوگوں کی نظریں اور اخلاق خراب ہوتے ہیں اس لئے انھوں نے کبھی ریشن جاری نہیں کیا۔ ہم چین میں گئے جو کہ بہت بڑا ملک ہے جس نے مادی اعتبار سے بھی ترقی کی اور اخلاقی اعتبار سے بھی ترقی کی آپ کو وہاں کوئی چور نہیں ملے گا۔

تو انسانیت اصل میں اچھے اخلاق اور اچھی تہذیب کا نام ہے۔ ہم انسان کی اچھی عادتوں کا نام انسانیت ہے اونچے اونچے مکانات اور بڑی بڑی بلڈنگوں کا نام اور بہترین بہترین لباس کا نام انسانیت نہیں ہے انسانیت حسن اخلاق کا نام ہے۔ ایک وفد مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گیا جن میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جا کر شاہ حبشہ نجاشی سے ملا پیچھے پیچھے کفار قریش بھی پہنچ گئے انہوں نے جا کر نجاشی سے کہا کہ یہ مسلمان آئے ہیں جو کہ نئے نبی اور پیغمبر کو مانتے ہیں آپ انہیں اپنے ملک سے نکال دیجئے شاہ نجاشی نے کہا کہ جب تک میں ان سے بات نہ کر لوں میں نہیں نکالوں گا میں ان کو بلا کر ان سے بات کرتا ہوں چنانچہ وہ مسلمانوں کا وفد نجاشی کے دربار میں آیا اور کفار قریش بھی آئے ان کفار قریش نے کہا کہ حضور دیکھئے ان کے قد کتنے چھوٹے ہیں ان کی شخصیت پروقار نہیں ہے یہ کوئی سنجیدہ اور معقول آدمی نہیں ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے شاہ حبشہ میری بات سنئے حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ الانسان باصغرین کہ انسان لمبے لمبے قد و قامت کا نام نہیں ہے سرخ سفید رنگ کا نام انسان نہیں ہے انسان دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے الانسان باصغرین القلب واللسان یعنی دل اور زبان کا نام انسان ہے شاہ نجاشی بڑا متاثر ہوا حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی کا قلب اچھا ہے تو وہ انسان ہے اگر کسی کی زبان اچھی ہے تو وہ انسان کہلانے کے قابل ہے اگر کسی کا لمبا قد موجود ہے مگر اس کا دل اچھا نہیں اس کی زبان اچھی نہیں تو وہ انسانوں میں شمار کرنے کے قابل نہیں ہے اور زبان پر تو بہت زیادہ مدار ہے اس لئے کہ ایک شخص مہذب ہے زبان کے اعتبار سے تو سب کی عزت کرے گا کسی کے دل کو تکلیف نہیں پہنچائے گا اور ایک شخص بیباک اور

ایک دوسرے پر چوٹ کی جاتی ہے اور بعض دفعہ یہ مذاق ہی دشمنی کا سبب بن جاتا ہے
اس مذاق کا نمونہ جس میں ایک دوسرے پر چوٹ ہو وہ یہ ہے کہ اکبر کے زمانہ میں آپ
نے فیضی کا نام سنا ہوگا اور اس کے باپ کا نام مبارک تھا فیضی کے گھر کتے پلے ہوئے
تھے اور اتفاق سے ایک کتیا نے بچے بھی دیئے ہوئے تھے جو کہ باہر پھر رہے تھے عرفی
ایک شاعر تھے وہ فیضی کے پاس آیا اور اس نے آکر مذاق کیا عرفی نے فیضی سے پوچھا کہ
یہ جو آپ کے بیٹے اور اولاد پھر رہی ہے (مطلب یہ کہ آپ کتے ہیں اور یہ کتے کے بچے
ہیں) ان کا نام کیا رکھا ہے فیضی سمجھ گیا کہ اس نے چوٹ کی ہے اور مجھے کتا کہا ہے تو
فیضی نے جواب میں کہا کہ ان کا نام عرفی ہے مطلب یہ کہ آپ عرفی ہیں یہ نام ہے ان
کا عرفی نے اندازہ لگا لیا کہ اس نے بھی مجھ پر چوٹ کر دی ہے تو عرفی نے اس سے بھی
بڑھ کر چوٹ کی اور کہا کہ ان کا نام مبارک ہے اور مبارک فیضی کے والد کا نام تھا یعنی ان
کا نام عرفی نہیں ہے بلکہ ان کا نام مبارک ہے اس کو مذاق کہتے ہیں اور یہ مذاق اللہ
والوں کی شان نہیں ہے سرکار دو عالم ﷺ نے تمام عمر کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا
کیونکہ مذاق میں چوٹ کی جاتی ہے جو کہ ناجائز ہے ہاں خوش طبعی کی بات جس میں کسی
پر چوٹ نہیں وہ درست ہے۔

آپ ﷺ کا مزاح فرمانا

جیسا کہ حضور اکرم ﷺ ایک صحابی کا ہاتھ پکڑ کر بطور مزاح فرمایا کرتے
تھے کہ یہ میرا گاؤں ہے اور میں اس کا شہر ہوں اس لئے کہ جب یہ گاؤں سے آتا ہے تو
میرے لئے چیزیں لے کر آتا ہے جو یہاں نہیں ملتیں اور جب یہ یہاں سے واپس جاتا
ہے تو میں اس کو وہ چیزیں دے دیتا ہوں جو شہر میں ملتی ہیں گاؤں میں نہیں ملتیں۔

ہدیہ کا سنت طریقہ

حضور اکرم ﷺ سے زیادہ پر عظمت ہستی اس کائنات میں کوئی نہیں ہے

تنخواہ بند ہو جائے گی اس طرح کلرک اپنے افسر سے ڈرتا ہے کہ کہیں جواب طلبی نہ ہو جائے اس طرح ایک افسر اپنے بڑے افسر سے ڈر رہا ہے تو سارا کا سارا نظام حکومت جو ہے وہ اس فکر میں ہے کہ کہیں جواب طلبی نہ ہو جائے اور اس خوف میں ہیں اسی کا نام احساس ذمہ داری ہے آپ ایمانداری سے بتائیں کہ اگر چپڑاسی کلرک افسر میں احساس ذمہ داری اور ڈر ہے تو سارا کا سارا نظام درہم برہم ہو گا یا نہیں یقیناً درہم برہم ہو جائے گا لیکن افسوس یہ ہے کہ انسان کی جواب طلبی کا احساس ہے مگر خدا کی جواب طلبی کا احساس نہیں ہے جب آپ کے اندر خدا کی طرف سے جواب طلبی کا خوف پیدا ہو جائے گا تو اسی کا نام ہے خوف خدا اور خشیت الٰہی اور جب یہ جوہر انسان میں پیدا ہو جاتا ہے تو انسان جنید بغدادی بن جاتا ہے شبلی بن جاتا ہے غزالی بن جاتا ہے حسن بصری بن جاتا ہے وہ انسان اخلاق و عادات کے اعتبار سے حسین بن جاتا ہے اور پھر اس کو قدم قدم پہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں اللہ کے ہاں جواب طلبی نہ ہو جائے تو اگر خدا کی جواب طلبی کا خوف ہو اور چپڑاسی سے لے کر صدر مملکت تک سب کے دل میں خوف خدا ہو تو سب کے سب متقی پرہیزگار ہوں گے تو پھر معاشرے میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہ ہو گی اور یہی وہ طریقہ تھا جس کے ذریعے سے حضور اکرم ﷺ نے جانوروں سے انسان بنایا اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ عورتیں تمہارے نکاح میں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں تم ان امانتوں میں خیانت نہ کرو آپ حضرات اگر اپنے معاشرے میں اپنی بیویوں کا خیال رکھیں تو گھروں کے اندر جو روزانہ فساد پیدا ہوتے ہیں یہ کبھی نہ ہوں۔

حضرت خولہؓ کا حضرت عمر فاروقؓ کو نصیحت کرنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت خولہؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کچھ نصیحت فرما دیجئے حضرت خولہ ایک ضعیف العمر خاتون ہیں دو عمر

فرمایا کہ حضرت آپ نصیحت فرماتی ہیں کہ ـــ عمر تجھے بچپن میں عمیر کہا جاتا تھا پھر
جب بڑے ہوئے عمیر کہا جانے لگا تجھے عمیر کا ... سے عمر پھر اس کے بعد تجھے
عمر کہنے لگے پھر اس کے بعد تجھے لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کیا لیکن اے
عمر ان الفاظ سے دھوکہ نہ کھانا آخرت کو پیش نظر رکھنا ان الفاظ سے متاثر نہ ہونا
حضرت عمر فاروقؓ مردان جنگ کے ہوتے سن رہے ہیں بہت سی نصیحتیں ہیں ساتھیوں
میں سے کسی نے حضرت عمر فاروق سے کہا کہ ان کی نصیحت کب تک آپ سنیں گے
حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر صبح سے شام تک مجھے کھڑا رکھے اور
خولہ مجھے نصیحت کرے تو سوائے نماز کے وقت کے کہ نماز کے لئے میں چلا جاؤں گا
یہاں سے میں ہلوں گا نہیں اور خولہ کی نصیحت سنتا رہوں گا اور فرمایا کہ وجہ اس کی یہ ہے
کہ جس کی خدا نے سنی ہے عمر کیا اس کی نہیں سنے گا یہ تو وہ خاتون ہیں کہ جس کی اللہ تعالیٰ
نے سنی تھی اگر خدائی جواب طلبی کا خوف پیدا ہو جائے خاوند بیوی کے معاملہ میں یہ
سوچے اور بیوی خاوند کے معاملہ میں یہ سوچے اور بیچنے والا خریدنے والے کے معاملے
میں یہ سوچے اور خریدنے والا بیچنے والے کے معاملہ میں یہ سوچے پڑوسی پڑوسی کے
معاملہ میں یہ سوچے حاکم رعایا کے معاملہ میں یہ سوچے تو سارا کا سارا معاشرہ فرشتوں کا
معاشرہ بن جائے اور انسانوں سے ساری نا انصافیاں دور ہو جائیں۔

خشیت الٰہی ہی معتبر ہے

آپ کہیں گے کہ کیا آپ ہمیں کافر سمجھتے ہیں کیا ہمارے اندر آخرت کا
خوف نہیں ہے کیا ہم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے آخرت پر جو ایمان نہ رکھے وہ تو کافر
ہے ظاہر ہے کہ میں ایسی بات تو کہہ نہیں سکتا آپ سب کے سب مسلمان ہیں آخرت
پر یقین رکھتے ہیں مگر آپ کا یقین وہ ایسا ہے جیسے کہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ آگ کا انگارہ رکھ
کر اگر پھر اس کی خبر نہ لیں تو تھوڑی دیر میں راکھ ہو جاتا ہے کہ جھک کر دیکھیں تو نظر آتا ہے

جميع السيئات وترفعنا بها اعلى الدرجات و تبلغنا بها اقصى
الغايات من جميع الخيرات في الحيوة وبعد الممات انك على كل شئ
قدير برحمتك يا ارحم الراحمين والحمد لله رب العالمين

اسلامی تعلیمات

الحمد لله نحمده و نستعینه و نستغفره و نؤمن به ونتوکل علیه
ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یهده الله فلا
مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا
شریک له و نشهدان سیدنا ومولانا و نبینا محمدا عبده و رسوله
صلی الله تعالی علی خیر خلقه محمد وعلی آله واصحابه اجمعین اما
بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا
الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ یٰٓاَیُّهَا
الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ
مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ
یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ
یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ثُمَّ مَآ
اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ
صدق الله مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلک
من الشاهدین والشاکرین والحمد لله رب العالمین

بزرگان محترم اور برادران عزیز! میں نے قرآن کریم کی ایک لمبی سورت
تلاوت کر دی ہے

سورت کے مضامین

اس سورت کا مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر بیان فرما رہے ہیں کہ جب آسمان زمین چاند ستارے سب معطل ہو جائیں گے دریاؤں کا نظام ختم ہو جائے گا اور یہ عالم جس میں ہم موجود ہیں یہ فنا ہو جائے گا اور ایک عالم وجود میں آئے گا اس عالم میں اللہ تعالیٰ ہر انسان سے ایک سوال فرمائیں گے انسان امیر ہو یا غریب، عورت ہو یا مرد، ولی ہو یا غوث، فاسق ہو یا فاجر سب سے ایک سوال فرمائیں گے کہ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ کہ ہم نے اے انسان تیرے لئے قدم قدم پر نشانیاں قائم کر دی تھیں تاکہ تم ہمیں بھلا نہ سکو، اوپر دیکھو، نیچے دیکھو، دائیں دیکھو، بائیں دیکھو، ہر جانب اتنی علامتیں لگا دی تھیں کہ تم ہمیں بھول نہ سکو لیکن تم نے ان سب کے باوجود خدا کو بھلا دیا تو وہ کونسی چیز تھی جس نے تمہیں خدا سے غافل کر دیا تھا فرمایا کہ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ کہ وہ تمہارا رب اور پروردگار جس کو تم نے بھلا دیا جو کہ تمہارا خالق ہے، جس نے تمہیں حسین قسم کا قالب دیا جس نے تمہارے اندر بہترین قسم کے پرزے اور بہترین قسم کی مشینیں رکھیں اور اعلیٰ درجے کی صلاحیتیں تمہارے اندر رکھیں تم کو مظہر صفات خداوندی بنایا اس کے تین لفظ استعمال کئے۔ فرمایا کہ الَّذِي خَلَقَكَ تمہیں وجود دیا فسواک کہ صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ ایک اچھا قسم کا سڈول قالب بھی دیا فعدلک اور تمہارے اندر وہ وہ صلاحیتیں پیدا کیں کہ اس کائنات میں وہ صلاحیتیں کسی کو نہیں دیا

تخلیق انسانی میں عجائبات

اور ان نعمات کے ساتھ ساتھ ایک بڑی نعمت اور ہے فرمایا کہ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ اور وہ اچھا قالب دیا اچھی صلاحیتیں تمہارے اندر رکھیں اس کے علاوہ ایک اور بات تمہارے اندر پیدا کی کہ تم سب انسان ہو مگر ہم نے تمہاری

شکلوں میں تھوڑا تھوڑا فرق باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔
تو اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر غور کرو کہ تمام انسانوں کو ایک شکل اور ایک صورت پر پیدا
نہیں کیا۔ حتیٰ کہ ہاتھوں کی لکیریں اور نشانات ہر ایک شخص کے دوسرے سے مختلف
ہیں بعض اوقات کئی بچے ہوتے ہیں کہ جو ہم شکل ہوتے ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان
میں تھوڑا تھوڑا امتیاز رکھا ہوا ہوتا ہے جس سے وہ علیحدہ علیحدہ پہچانے اور دیکھے جاتے
ہیں اگر یہ امتیاز اللہ تعالیٰ باقی نہ رکھتے تو اولاد کے نوجوان ہونے کے بعد یہ پہچاننا بہت
مشکل ہوتا کہ کیا یہ میرا شوہر ہے یا میرا بیٹا ہے' یہ میرا بھائی آیا ہے یا میرا باپ آیا ہے یہ
میری بیوی ہے یا یہ میری بہن' یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا' اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ جس
طرح اللہ نے انسانوں کی شکل کو جانوروں سے مختلف بنایا ہے اسی طرح ہم انسانوں کی
شکلوں میں بھی فرق رکھا ہے تاکہ نظام عالم برقرار رہے۔

مرد و عورت کو ایک دوسرے کی نقالی کرنا جائز نہیں

اور صرف یہی نہیں بلکہ مرد و عورت کی وضع قطع میں بھی امتیاز رکھا ہے کہ مرد
الگ پہچانا جاتا ہے عورت الگ پہچانی جاتی ہے یہ اور بات ہے کہ جو لوگ اللہ کے نظام
انتظام سے بغاوت کرنے والے ہیں کہ لڑکوں نے لڑکیوں کی صورت اختیار کی اور
لڑکیوں نے لڑکوں کی صورت اختیار کی' اسی لئے اسلام میں یہ جائز نہیں ہے کہ مرد
عورت کی نقالی کرے اور عورت مردوں کی نقالی کرے اس لئے کہ اللہ نے جس حکمت
کی بناء پر یہ فرق باقی رکھا ہے تم اس فرق کو مٹا کر اللہ کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے
ہو' مثلاً عورتوں کے لئے حکم ہے کہ وہ بال رکھیں اور مردوں کے لئے یہ ہے کہ وہ بال
کٹوائیں یا صرف اسی مقدار بال رکھیں جتنی مقدار میں سرکار دو عالم ﷺ نے رکھے ہیں
اور وہ کانوں کی لو تک ہیں

آپ ﷺ کے موئے مبارک

حدیث میں آتا ہے کہ تین قسم کے بال حضور اکرم ﷺ کے شمار کئے جاتے تھے وفرہ، لمہ، جمہ، وفرہ کے معنی آتے ہیں کانوں کی لو کے نیچے تک لمہ کے معنی کانوں کی لو تک کے ہیں اور جمہ کے معنی کانوں کی لو اور اوپر، جس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت حضور اکرم ﷺ کان کی لو سے تک رکھتے تھے جب اصلاح اور حجامت کرانے میں دیر ہو جاتی تھی تو ذرا کان کی لو سے بڑھ جاتے تھے اور جب اصلاح ہوتی تھی تو کان کی لو سے ذرا اوپر ہو جاتے تھے لیکن عورتوں کے سر کے بال کٹوانے کی اجازت نہیں اسی طریقہ سے مردوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ ایسا لباس پہنیں جو مخصوص ہو عورتوں کے ساتھ مثلاً دوپٹہ پہننے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ لباس سے بعض عورت اور مرد میں امتیاز ہوتا ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ اپنا مخصوص لباس چھوڑ کر مردوں کا لباس اختیار کریں کیونکہ یہ منشاء خداوندی کے خلاف ہے اسی لئے مردوں کو داڑھی منڈانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک علامت اور نشانی ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت میں امتیاز رکھا ہے۔

ایک لطیفہ

اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بڑے مزاح کی باتیں فرمایا کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ جب سے نوجوانوں نے داڑھیاں منڈانا شروع کی ہیں۔۔ خیر ہم کو تو شرعاً ناپسند ہے لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں کو بڑی مشکل پیدا ہو گئی کہ رات کو اگر باپ کے پاس سو جائے اور رات کو آنکھ کھلے اور وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر یہ دیکھنا چاہے کہ وہ باپ کے پاس لیٹا ہے یا ماں کے پاس لیٹا ہے تو اس کو کچھ پتہ نہیں چلتا کیونکہ شکلیں دونوں کی ایک جیسی ہو گئی ہیں جو امتیاز قدرت نے رکھا تھا وہ باقی نہیں رہا لہٰذا یاد رکھئے مردوں کو عورتوں کا شعار اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے اور عورتوں کو

مردوں کا شعار اختیار کرنے کی اجازت نہیں' اسلام نے جو نشانیاں اور علامتیں رکھی ہیں ان پر انتظام عالم کا دارومدار ہے اگر تم نے وہ نشانیاں مٹا دیں تو فتنہ و فساد کی پامال ہو جائے گا'

انسان و حیوان میں امتیاز

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حیوانات سے انسانوں کو الگ کر دیا اور الگ بھی اس طرح کیا کہ عقل میزان ہے' آپ غور کریں کہ اللہ نے انسان کو پاؤں دیئے' ہاتھ دیئے زبان دی' آنکھیں دیں' کان دیئے منہ دیا' چکھنے کی قوت دی اور جسم کے تمام اعضاء اللہ نے دیئے جیسا بھی دیا اور حلق میں کوا بھی رکھا ہے آپ غور کر کے دیکھ لیجئے جانوروں میں یہ سب باتیں موجود ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ایک گھوڑا لاؤڈ سپیکر کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر نہیں کر سکتا کیا اس کے جبڑے بدلے ہوئے ہیں کیا اس کی زبان بدلی ہوئی ہے کیا اس کا کوا لٹکا ہوا ہے کیا اس کے دو ہونٹ نہیں ہیں' سب کچھ ہے مگر یہ ایک عجیب قدرت ہے وہی نظام اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو دیا ہے اور وہی نظام اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیا ہے لیکن انسان بولنے پر قادر ہے مگر جانور بولنے پر قادر نہیں آپ ناطق ہیں وہ ناطق نہیں ہے' اس لئے انسان کو حیوان ناطق کہتے ہیں' بولنے والا انسان تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے مقابلہ میں آپ کی نشانی برقرار رکھی اسی طرح مردوں اور عورتوں کی نشانی کو بھی برقرار رکھا' تمہارا لباس تمہاری عادت کے مطابق ہے اور عورت کا لباس عورت کی عادت کے مطابق مناسب ہے۔

مرد و عورت کا طریقہ عبادت مختلف ہے

تمہارا طریقہ عبادت مردوں کی چال کے مناسب اور عورتوں کا طریقہ عبادت ان کی شان کے مناسب مثلاً تکبیر تشریق عورتوں کو حکم ہے کہ آہستہ کہیں مردوں کو حکم ہے کہ تکبیر زور سے کہیں' حنفی مسلک کے مطابق مردوں کے سجدہ کا

طریقہ اور ہے عورتوں کے سجدہ کا طریقہ اور ہے عورتوں کو مردوں کی طرح سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے' عورتیں سجدہ کرتے وقت چپٹی رہیں گی اور کہنیاں زمین پر بچھا دیں گی اسی طرح مرد و عورت کے کفن میں بھی فرق ہے' اسی طرح جنازہ لے جانے میں بھی فرق ہے' اور عورت کا جنازہ اٹھانے سے پہلے ضروری ہے کہ میت پر ایسا کپڑا ڈالیں جو بدن سے اوپر اٹھا رہے اور بدن کی ہیئت نظر نہ آئے' آج ہماری مائیں اور بہنیں زندگی میں اپنے جسم کے ان حصوں کو ضرور چھپاتی ہیں کہ جن حصوں کو اللہ کی غیرت یہ کہتی ہے کہ ان کو چھپایا جائے' حالانکہ مرنے کے بعد کسی کی نیت خراب نہیں ہوتی' اگر آپ کسی میت عورت کو دیکھیں تو کسی کے دل میں برا خیال نہیں آتا بلکہ موت یاد آتی ہے لیکن اسلام یہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی جنازہ لے جاتے وقت عورت کا بدن ظاہر نہ ہو' اور یہ جو عورتیں کہا کرتی ہیں کہ ارے بھائی پیر سے کیا پردہ کرنا' نوکر سے کیا پردہ کرنا اور محلے والوں سے کیا پردہ کرنا' میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ مرنے کے بعد تو ظاہر ہے کہ سب کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے' موت ہی موت یاد آتی ہے مگر کیا وجہ ہے کہ شریعت اب بھی یہی حکم دے رہی ہے کہ خاتون کا جسم چھپانا چاہیے

دفن میت میں کوتاہیاں

اور یہ بھی یاد رکھیے کہ جب عورت کو قبر میں اتارا جائے تو اس وقت حکم ہے کہ نامحرم سب ایک طرف ہو جائیں اور قبر کے ارد گرد چادر لگا کر اس چادر کے اندر عورت کو قبر میں اتارا جائے۔ اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کو قبر میں اتارنے کے اندر بھی کوئی فرق باقی نہیں رہا' سب لوگ سامنے کھڑے ہوئے ہیں اور عورت کی میت قبر میں اتار دی جاتی ہے یہ اسلام کے خلاف ہے' اس کے علاوہ موت اور غسل میت کے مسائل تو میرے خیال میں اب کسی کو یاد ہی نہیں رہے ہیں' لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے' نئی دہلی میں یہ واقعہ ہوا تھا کہ کسی صاحب کا انتقال ہو گیا

کہ آپ کو کسی امت سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ جو آپ ﷺ کے امتی ہونے کی نشانی
تھی وہ تو آپ نے برقرار نہ رکھی اس کو آپ نے مٹا دیا تو یہ امت محمدیہ کے پہچانے
جانے کی نشانی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے یہ اہتمام کیا ہے کہ ملت موسوی کے ساتھ
ملت محمدیہ گڈمڈ نہ ہو جائے

ملت یہود سے امتیاز کرنا

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں
تشریف لے گئے تو ربیع الاول کا مہینہ تھا جب پہلی مرتبہ محرم کا مہینہ آیا آپ ﷺ نے
دیکھا کہ جو یہود مدینہ میں آباد ہیں ان سب نے روزہ رکھا ہوا ہے اور دسویں محرم کا روزہ
یہود نے رکھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہود سے پوچھا جائے کہ آج کے دن کیوں روزہ رکھا
ہے یہود نے کہا کہ آج کے دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہود قوم کو فرعون
کے پنجے سے نجات دلا کر [illegible] کر رہے تھے اس لئے آج روزہ [illegible] محرم کو روزہ رکھتے
ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ [illegible] حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی [illegible]
نجات سے تو ہم [illegible] آپ [illegible] نجات [illegible] بھی روزہ رکھیں [illegible]
ہو گی ملت محمدیہ [illegible] ایک ہو جائے اس لئے [illegible]
دسویں تاریخ کا روزہ [illegible] کا روزہ [illegible]
کے ساتھ ملا کر رکھا [illegible] ملت موسوی ایک نظر آئے ملت محمدیہ الگ نظر آئے
آپ نے [illegible] آپ ﷺ نے ملتوں کے امتیاز کو باقی رکھا ہے اور بہت بڑا آدمی کہ
سب سے زیادہ بڑی عبادت اللہ کی نماز ہے اور نماز کے اندر بھی سب سے پیارا حصہ
سجدہ کرنا ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی فضیلت ہے وہ اس سجدہ کی وجہ سے ہے
کیونکہ اگر کھڑے ہو کر پڑھو گے تو سر اعلیٰ درجہ تک اونچا ہو جاتا ہے اس کے بعد اس کو
زمین میں ڈالو اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھی تو پھر سر زمین میں ڈالا تو ہے مگر اتنی اونچائی سے

گردن ڈالا جتنی اونچائی سے ڈال سکتے تھے یعنی تم نے آدھے راستے سے ڈالا ہے' سب سے زیادہ فضیلت سجدہ کی ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ جب انسان سجدہ کرتا ہے تو اس کا سر اللہ کے قدموں میں رکھا ہوا ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ نماز میں سب سے زیادہ سکون ہے کیونکہ نماز میں صرف اللہ سے ملاقات ہی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے قدموں کو چھو لیا جاتا ہے' جگر مرحوم کا شعر ہے! فرمایا کہ

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

سب سے زیادہ عاشق کو سکون اس وقت ملتا ہے جب محبوب کے قدم مل جائیں تو سجدہ کی عبادت کتنی اہم ہے لیکن باوجود اس اہمیت کے اسلام نے کہہ دیا کہ تین وقت ایسے ہیں جن میں سجدہ کرنا درست نہیں ایک تو جب سورج نکل رہا ہو اور جب سورج ڈوب رہا ہو اور جب سورج نصف النہار پر ہو' فرمایا کہ ان تین وقتوں کے اندر سجدہ کرنا گناہ ہے' یاد رکھئے کہ اس وقت سجدہ کرنا اور عبادت کرنا اس لئے منع ہے کہ مشرک قوم سورج کی پرستش کرتی ہے جب سورج طلوع ہو غروب ہو نصف النہار پر ہو وہ اس کی بندگی کرتی ہے' یہ مشرک قوم کا طریقہ ہے تو مسلمانوں کو اس وقت عبادت کرنے سے منع کر دیا کہ مسلمانوں کی مشرکین سے مشابہت پیدا نہ ہو' سجدہ سب سے زیادہ پیارا ہے مگر اس سے بھی زیادہ پیاری چیز وحدت مسلمہ کا امتیاز باقی رکھنا ہے' تو جو نشانیاں ملتوں کو پہچاننے کے لئے ہیں جن نشانیوں سے ملت پہچانی جاتی ہے ان کو شعائر کہتے ہیں تو جس طرح مرد و عورت کو پہچاننے کی جو نشانیاں ہیں ان کو شعائر جنسی کہا جاتا ہے اسی طرح جو ملت کو پہچاننے کے لئے نشانیاں ہیں ان کو شعائر اسلام کہا جاتا ہے' اسلام نے منع کیا ہے کہ امام کے کھڑے ہونے کے لئے کوئی الگ جگہ نہ بنائی جائے کیونکہ یہود کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا امام الگ جگہ پر کھڑا ہوتا ہے اس کے لئے علیحدہ کمرہ بنا ہوا ہوتا ہے اسی لئے حکم ہے کہ اگر محراب میں امام کھڑا ہو تو تھوڑا سا محراب سے باہر

کانا سخت بیہودگی کی تھی تو وہ جو تو نے مجھے کاٹ کر کھا گیا ہے وہ کیا تھا جیسے وہ شخص جو ٹکڑے
چودھویں کو لوٹ رکھا تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے فرمایا کہ اس کو
تمہارا کاٹ لیا ہے مگر خدا کی قسم میرا لینا شعر ہو گیا ہے کیونکہ اس نے اس کا نقشہ ایسا کھینچا
ہے تو شعائر اس نشانی اور علامت کو کہتے ہیں کہ جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔
سرکاری درختوں پر نشان لگا ہوا ہوتا ہے اسی طرح سرکاری گھوڑوں کی پشت پر نشان لگا
ہوا ہوتا ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے کہ یہ سرکاری گھوڑا ہے تو شعائر اللہ ان علامتوں
کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ کا دین پہچانا جاتا ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ رمضان مبارک کا مہینہ جو آنے والا ہے یہ بھی
شعائر اللہ میں سے ایک شعار ہے، جمعہ کا دن بھی شعائر اسلام میں سے ہے، عیدین بھی
شعائر اسلام ہیں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا

اجتنابه – سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين

والحمد لله رب العالمين برحمتك يا ارحم الراحمين

سن ہجری کا آغاز

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نومن به ونتوکل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا لله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمد اعبده و رسوله صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبی الکريم ونحن علی ذالك من الشاهدين و الشاكرين والحمد لله رب العالمين—

بزرگان محترم اور برادران عزیز! آج محرم الحرام کی ۶ تاریخ ہے اور ہمارا ہجری اور اسلامی سن ۱۳۹۶ھ شروع ہو چکا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آپ کی اس مختصری محفل میں کچھ اس مہینہ کے بارے میں کچھ سن ہجری کے سلسلہ میں اور کچھ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عظمیٰ کے سلسلہ میں آپ کی خدمت میں چند باتیں پیش کی جائیں گی پہلی بات یہ ہے کہ جب یہ مہینہ آتا ہے تو اس سے سن کی ابتداء اور سال کا آغاز ہو جاتا ہے اسلام کے زمانہ میں بھی ایسا ہی تھا اور اسلام کے زمانہ کے بعد یعنی ظہور اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب ہم نے اس سن کو اپنایا پھر بھی یہی سلسلہ قائم رہا کہ محرم سے سال کا آغاز ہوا یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ قمری دور اور قمری مہینے ان ناموں کے ساتھ اور اسی نظام کے ساتھ اسلام سے پہلے بھی موجود تھے' عیسوی سن بھی موجود تھا جس کو

شمسی نظام کہتے ہیں سورج کی رفتار سے مہینوں اور سالوں کا نظام قائم کیا جائے تو اس
کو نظام شمسی کہتے ہیں اور چاند کی تبدیلیوں سے مہینوں اور سالوں کا نظام قائم کیا جائے تو
اس کو نظام قمری کہتے ہیں جب دنیا میں اسلام آیا شمسی نظام بھی موجود تھا اور قمری نظام
بھی موجود تھا جب ہی تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے
تو دسمبر کی پچیس تاریخ تھی حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے ۵۷۱ سو سال پہلے
کی بات ہے معلوم ہوا کہ شمسی نظام موجود تھا ان کے بھی مہینے موجود تھے اور اسی ایک
مہینہ دسمبر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جب حضور اکرم ﷺ دنیا میں
تشریف لائے شمسی نظام بھی تھا اور قمری بھی تھا اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ جب حضور
ﷺ دنیا میں تشریف لائے ہیں تو ربیع الاول کا مہینہ تھا سن کون سا تھا خاندان
قریش نے اپنا ایک سن شروع کیا تھا اور ان کا وہ سن ایک سردار کے زمانے سے چلا آ رہا تھا
لیکن اس کے بعد اصحاب الفیل کا جو واقعہ پیش آیا چونکہ یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا
لہٰذا انہوں نے اپنا سن تبدیل کر کے سن عام الفیل جاری کیا عام الفیل کے معنی یہ ہیں
کہ اصحاب الفیل کے واقعہ کو اب ایک سال گزر گیا اب دو سال گزر گئے اس سے تاریخ
لکھی جا رہی ہے حضور اکرم ﷺ کا سارا مکی دور گزر گیا تاریخیں یہی لکھی جا رہی ہیں
آپ کا مدنی دور گزر گیا تاریخیں عام الفیل سے لکھی جا رہی ہیں حضرت ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ کے دور کے اڑھائی سوا دو سال بھی گزر گئے تاریخ یہی لکھی جا رہی ہے
یہاں درمیان میں آپ کی معلومات کے لئے ایک بات اور عرض کر دوں آج ہمارے
بہت سے روشن خیال احباب اور دوست یہ کہتے ہیں کہ چاند کو آنکھوں سے دیکھنے کی
بات بڑی مشکل ہے کہیں گرد و غبار ہوتا ہے کہیں بارش ہوتی ہے کیوں نہ اس روایت
کے نظام کو حساب کے ذریعہ تبدیل کر دیا جائے سابق صدر ایوب خان نے بڑی زور دار
طریقے سے یہ بات کی کہ [illegible] آج حساب اتنا اچھا اور صحیح ہے کہ اس حساب کے ذریعہ
سے چاند پر لوگ پہنچ گئے کس وقت پہنچے کیا وقت تھا یہ سارا کا سارا حساب ٹھیک نکلا جب

حساب اس درجہ تک پہنچ گیا ہے تو اب غلطی کا کوئی امکان نہیں لہٰذا کیوں نہ حساب کا نظام اختیار کر لیا جائے اور اسی سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ منائی جائے اور باقی احکام پر بھی اسی سے عمل کیا جائے' لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اتحاد و اتفاق کے لئے یہ بڑی ہی اچھی تجویز ہے لوگوں کو بڑی غلط فہمی یہی ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اتحاد کسے کہتے ہیں' ہر اتحاد اچھا نہیں ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کچھ لوگ اتحاد کر کے کسی کو قتل کرنے کے لئے جائیں تو کیا یہ ان کا اتحاد قابل تعریف ہے یا نہیں بلکہ ان میں پھوٹ پڑ جائے تو اچھا ہے تاکہ اس کی جان بچ جائے' اگر چور اور ڈاکو اتحاد کر لیں کہ ہم نے یاری یاری ڈاکہ ڈالنا ہے تو کیا یہ اتحاد قابل تعریف ہے' یہ اتحاد قابل تعریف نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ہر اتحاد اور اتفاق قابل تعریف نہیں ہے اور ہر اختلاف برا نہیں' بلکہ بعض اختلاف اچھے ہیں جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ آپ میری بات پر آمنا و صدقنا کر کے چلیں یہ صحیح نہیں آپ نے مجھے نجات کا پل بنا رکھا ہے اور جو سارا میری کمر پر رہ جاتا ہے آپ کی جو اپنی رائے ہو آپ اس کا اظہار کریں اختلاف ہو کوئی حرج نہیں اگر ان کے شاگردوں نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا وہ برا نہیں ہے قرآن و سنت کے دائرہ میں عمل کی وسعت اور گنجائش پیدا ہوتی ہے مثال کے طور پر قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ صلوٰۃ اللیل پڑھنے والوں کی تعریف فرماتے ہیں اس کے الفاظ ایسے ہیں کہ جس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں سوال یہ ہوتا ہے کہ صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد پڑھنے کی فضیلت کن لوگوں کو حاصل ہو گی آیا وہ لوگ جو عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے اور صبح صادق سے پہلے جو نماز ادا کی نماز تہجد کے نام سے ان کو یہ فضیلت حاصل ہو گی یا اگر سوئے بغیر عشاء کے بعد تہجد کی نماز پڑھ کر سو جائے اس کو بھی یہ فضیلت ملے گی یا نہیں' قرآن کریم کی اس آیت کا ایک ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی نظر میں قابل تعریف ہیں کہ جن کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں' یا بستروں سے جدا اس وقت ہوں جب بستروں سے نکلیں تو بعض آئمہ نے یہ فرمایا کہ

شاگردوں کو تیار کیا ایک حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فرمایا کہ جب ضرورت پڑتی تھی قلم سے ترجمان کی زبان سے ترجمانی کی تو ہم دونوں کو یاد فرمایا کرتے تھے اور ہم دونوں پر یہ اعتماد تھا کہ یہ ہماری زبان اور ہماری قلم ہیں اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بتایا کہ دہلی میں ایک اعلیٰ کانفرنس ہوئی اس کانفرنس کے بلانے والے حکیم اجمل خان مرحوم تھے مسلمانوں کے دلوں میں ان کا بڑا احترام تھا اور حکیم اجمل خان سیاست میں بھی مسلمانوں میں سے سب سے آگے اور پیش پیش تھے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لئے ہندو اور مسلمان متحد ہو جائیں اس لئے کہ اگر مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد پیدا نہ ہوا تو پھر اس انگریز کو ہندوستان سے نکالنا بہت مشکل ہے کوشش یہ کی جارہی ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے اسی اتحاد کی خاطر مسلمانوں نے یہاں تک کیا کہ گاندھی جی کو لے جاکر جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھادیا اور یہ کہا کہ ہمارے اس عبادت خانے کے اندر آپ خطاب کریں دوسری کوشش اتحاد کی یہ ہوئی کہ ہندوستان سے گاؤکشی کو بند کردیا جائے' مسلمانوں نے اس طور پر سوچا کہ جب تک مسلمان گائے ذبح کرنا جاری رکھیں گے ہندو مسلم اتحاد نہیں ہو سکتا تحریک مسلمانوں میں شروع کی جائے کہ گاؤکشی بند کردیں گائے کا ذبیحہ بند کردیں اس کے لئے حکیم اجمل خان صاحب نے ایک بڑی کانفرنس دہلی کے اندر بلائی' حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس کی اطلاع بھی آئی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ حضرت شیخ الہند کو اظہار خیال بھی کرنا ہے حضرت شیخ الہند نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سے کہا کہ میری طرف سے جاکر اس کانفرنس میں میری ترجمانی کریں اور فرمایا کہ آپ جاکر یہ کہیں کہ ہم مسلم ہندو اتحاد انگریز کو نکالنے کی خاطر ہم ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے لئے اسلام کے کسی شعار کی قربانی دینے کو تیار نہیں ہیں اور یہ فرمایا کہ اے مسلمانو! اگر تم نے ہندو مسلم اتحاد کی خاطر یا کسی اور مصلحت کی خاطر دین کے قلعہ میں ذرا سا بھی سوراخ کیا تو

مسجد میں آنے والی نہیں بات یہ کہ علماء دین کی اتنی نئی چیز کو ہم قبول کرنے کے
تیار نہیں۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی تشریف لے گئے اور اپنی خداداد طاقت
کے ذریعے سے مسلمانوں کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا مسلمان کا جب دینی جذبہ بیدار
ہو جائے تو دنیا میں اس سے بڑھ کر طاقت ور اور کوئی قوم نہیں ہے تو مسلمانوں نے
بڑے جذبات کے ساتھ یہ کہا کہ ہم ہرگز ہرگز ہم دین کی بات کو چھوڑنے کے لئے تیار
نہیں ہیں اور مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت شیخ الہند کی تجویز سے اتفاق کر لیا حکیم
اجمل خان مرحوم کو کوئی پروا نہیں تھی لیکن بعض اوقات انسان کی فکر ہوتی ہی اس
طرح ہے کہ شاید کسی طرح اتحاد ہو جائے ان کو بھی یہی خیال تھا تو ان کی کانفرنس کل
ہوتی اور سہ رنگیں جو نیا تھیں جیسے تقاضے لوگ تھے مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا کہ
حکیم اجمل خان صاحب کا میرے پاس خط آیا اور اس خط میں انہوں نے مجھے لکھا تھا
العدو والحبیب کہ سنے بہتر ہے دشمن اور حکیم اجمل خان نے لکھا کہ میں نے
تمہیں دشمن تو اس لئے کہا کہ جو جو میرا منصوبہ تھا وہ سب تم نے خاک میں ملا دیا اور
حبیب اس لئے کہا کہ تم نے اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے اس لئے میں تم کو پیارا
بھی کہتا ہوں اور دشمن بھی کہتا ہوں اور میں تمہارے ساتھ متفق ہوتا ہوں میں نے یہ
بات اس لئے عرض کی کہ کتنا اچھی چیز ہے لیکن پہلا مسئلہ آپ کا یہ ہے کہ آپ احکام
شریعت پر عمل کریں احکام شریعت پر عمل کرتے ہوئے اتحاد ہو جائے تو ہم چشم ما
روشن دل ما شاد۔ لیکن ہم ایسے اتحاد کے قائل نہیں ہیں کہ جس کے لئے شریعت کے
کسی مسئلہ کی قربانی پیش کرنی پڑے اگر آپ یہ کہیں کہ شریعت کے دیکھتے ہوئے روایت
کے احکام کو اور شعائر کے احکام کو اتحاد کی خاطر قربان کر دیا جائے ہم ایسے اتحاد کے
قائل نہیں ہیں ہم ایسے اتحاد میں اس اختلاف کو پسند کرتے ہیں جو اختلاف اس میں کیا
جائے کہ آپ اللہ کا دین اختیار کریں اور دنیا کے اندر خدا کے حکم کو قائم کریں تو آپ
کہتے ہیں کہ اگر حسب منشا کام ہو گئے تو اتحاد ہو جائے گا تو میں نے ایوب خان صاحب

سے یہ بات کہی کہ آپ کی تجویز تو بہت اچھی ہے لیکن میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ حساب ایسی چیز ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی کراچی میں آپ کو حساب کی جنتریاں مل جائیں گی بعض جنتریوں میں لکھا ہے کہ محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کو ہے اور بعض جنتریوں میں لکھا ہے کہ محرم کی پہلی اتوار کو ہے تو یہ انہوں نے رویت سے تو نہیں لکھا حساب سے ہی لکھا ہے دونوں میں ایک تو غلط ہے تو یہ غلطی کیسے آگئی لہٰذا آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ۱۹۶۸ء میں چاند کے مسئلہ پر حکومت سے اختلاف ہوا تو کراچی یونیورسٹی نے اور رائے دی اور لاہور یونیورسٹی نے اور رائے دی جبکہ دونوں کی رائے حساب پر مبنی تھیں مگر دونوں الگ الگ نتیجہ پر پہنچے تھے دونوں کے درمیان اتفاق نہیں تھا تو پہلے تو ہمیں اس بات پر اتفاق نہیں ہے کہ حساب میں غلطی نہیں ہوتی اور اگر فرض کرلیں کہ حساب میں غلطی نہیں ہوتی تو میں نے ایوب خان صاحب سے کہا کہ یہ بتایئے کہ جب دنیا میں اسلام آیا اور اسلام کو اس کی ضرورت پیش آئی کہ ہم بھی تاریخوں اور مہینوں سالوں کے لئے کوئی نظام اپنائیں تو اس وقت قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الاہلہ قل ہی مواقیت للناس والحج قرآن کریم کی اس آیت نے بتلایا کہ ہم نے تمہارے لئے چاند کو اور چاند کے تغیرات کو میقات بنادیا ہے اوقات اور تاریخوں کے معلوم کرنے کا ذریعہ بنادیا ہے تو جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت شمسی نظام موجود تھا اور شمسی نظام حساب پر مبنی ہے رویت پر مبنی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہے ہیں کہ چاند پر بنیاد رکھو اس وقت حساب کا نظام موجود ہے اور آپ کا یہ کہنا ہے کہ حساب میں آسانی زیادہ ہے کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رائج شدہ حسابی نظام کو اختیار نہیں فرمایا بلکہ اسے رد فرما کر مسلمانوں کو حکم دیا کہ آپ چاند کا نظام اپنائیں ۱۹۶۸ء میں اختلاف ہوا تھا کہ بعض لوگوں نے حکومت سے یہ کہا کہ دو خطبے ایک ہی دن جمعہ بھی ہو اور عید بھی ہو یہ حاکموں پر بہت بھاری ہوتا ہے اور حکومتوں کے لئے بہت نقصان ہوتا ہے تو عید

جمعرات کو ہی عید ہو جاتی تو آپ سے قبل ہی عید کر لیتے حالانکہ بات یہ ہے کہ ہم نے دنیا کے حساب میں مقید نہیں کیا ہے اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی ان باتوں سے ہم کوئی شرعی حکم بدل دیں گے یا اپنی شرعی رائے بدل لیں گے تو آپ غلطی پر ہیں چنانچہ آپ بعض ذمہ دار لوگوں نے مجھے فون کیا کہ مولانا آپ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ چاند نہیں ہوا اور عید جمعہ کو ہوگی میں نے کہا کہ جی ہاں نظر نہیں آیا ہمارے قصبہ سے چند لوگوں نے آکر کہا ہے کہ ہم نے چاند دیکھ لیا ہے میں نے ان سے کہا کہ پورے پاکستان میں کہیں نہیں خصوصاً پورے ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھا اور اگر آپ کے قصبہ میں چند لوگوں نے دیکھ لیا ہے تو وہ میرا نام تو جانتے ہوں گے آپ میرا نام لے کر ان سے یہ کہہ دیں کہ اگر تم نے چاند دیکھا ہے تو تم کل روزہ مت رکھنا مگر عید تم کل نہیں منا سکتے عید ہمارے ساتھ ہوگی مگر ہمارے ساتھ کوئی نہ کوئی آج اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے منشاء خداوندی کے خلاف کیا ہے ہم نے شرعی نظام کو بھی توڑ دیا منشاء خداوندی کے خلاف کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی بات ہے جیسا کہ ایک آیت میں ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۔ جب حضور ﷺ مدینہ میں تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے تو ان پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن کا ترجمہ ہے کہ بہت بڑی ہلاکت اور بربادی ہے اور یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے قہر اور غصہ کے ہیں کہ ان لوگوں کے لئے بہت بڑی ہلاکت اور بربادی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں یعنی بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اس وقت ڈنڈی مارا کرتے تھے بہت کم مقدار میں ہوتی تھی صرف تولہ دو تولہ کا فرق ہوتا تھا تو اتنی تھوڑی سی مقدار کی کمی پر اللہ تعالیٰ نے سخت غصہ کا اظہار فرمایا تو علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ ہماری نظر تو تولہ دو تولہ کی کمی پر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی نظر اس پر ہے کہ ہم نے پیمانہ عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے دیا تھا یعنی عدل و انصاف کے پیمانہ میں کمی کر کے اللہ تعالیٰ کے منشاء کو بدل دیا تو

اللہ کے منشاء کو تبدیل کر کے باقی ہو گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر کا اظہار فرمایا تو اسی طرح اگر آپ رویت کے نظام کو حساب میں تبدیل کر دیں جبکہ جس وقت قرآن کی یہ آیت اتری تھی جس میں چاند کا نظام دیا گیا اس وقت حساب کا نظام موجود تھا تو اس تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم کیلنڈر نہیں بنا سکتے ضرور بنائیں گے مگر اس حساب کو انسانی حساب سمجھیں اگر آپ کا کیلنڈر یہ بتا رہا ہے کہ آج شوال کی پہلی تاریخ ہے اور چاند کی رویت نہیں ہوئی تو تمہیں اس کیلنڈر پر روزہ کھولنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ رویت پر عمل کر کے تیس رمضان المبارک کی سمجھنی چاہیے اور اگلے دن رویت کی بناء پر یکم شوال سمجھنا چاہیے نظام حکومت چلانے کے لئے اگر کیلنڈر تیار ہو تو نظام حکومت اس پر چل سکتا ہے مگر اس پر احکام شرع نہیں چلیں گے تو قمری نظام ہمیں مل گیا تھا مگر سن ہمارا اپنا رہا تھا عام الفیل سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی سن چلتا رہا لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک منڈی تھی جس پر شعبان کا مہینہ لکھا ہوا تھا مگر سن نہیں لکھا ہوا تھا سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ منڈی کیش ہو چکی ہے یا ابھی کیش ہونی ہے کیونکہ اس پرچہ پر سن موجود نہ تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ بھائی سن لکھنا تو ضروری ہے مگر آج یہ طے کر لیں کہ کونسا سن لکھیں ابھی تک عام الفیل سن چلا آ رہا ہے صحابہؓ نے طے کیا کہ آج ہم اپنا اپنا سن طے کریں اور وہ سن ہجرت کا سن کہلائے یعنی اسلام کو روئے زمین پر اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے قوت عطا فرمائی اور مسلمانوں کو اجتماعیت عطا فرمائی جب سے مسلمان ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آ گئے لہذا یہ ہماری سربلندی کی تاریخ ہے ہم اپنا سن ہجرت سے شروع کر دیں مگر اس پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ نے قمری نظام اپنایا ہے اور قمری نظام تو محرم سے شروع ہو کر ذوالحجہ پر ختم ہو جاتا ہے اور اگر آپ اپنا سن الگ بناتے ہیں تو حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ کا سن بارہ ربیع الاول

سے شروع ہوگا اور ربیع الاول پر ختم ہو جائے گا جب بارہ ربیع الاول آئے گی آپ کا سن بدل جائے گا چنانچہ اس صورت میں جو قمری نظام چلا آ رہا تھا وہ آپ نے توڑ دیا اور آدھا چھوڑ دیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ طے کیا کہ ہم پورا قمری نظام لیں گے اور ہمارا سن محرم کی پہلی تاریخ سے ہی شروع ہوگا اور ہجرت بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے تو محرم صفر دو مہینے یہ اور گیارہ دن ربیع الاول کے تو دو ماہ گیارہ دن کی کسر کو نکال دیئے گئے اور سن یکم محرم سے ہی شروع ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ سن کی بنیاد واقعہ ہجرت کو تو بنایا گیا ہے ہجرت کی تاریخ کو سن کی بنیاد نہیں بنایا گیا کہ وہی رکھا گیا جو پہلے تھا کہ محرم سے شروع ہوگا اور ذوالحجہ پر ختم ہو جائے گا

ماہ محرم واقعہ ہجرت کی یاد دلاتا ہے

جب یہ محرم کا مہینہ آتا ہے تو یہ محرم کا مہینہ مسلمانوں سے پکار پکار کر کے کہتا ہے کہ اے مسلمانو! اپنے بزرگوں اور اسلاف حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے واقعہ ہجرت کی یاد کو تازہ کرو کہ آپ ﷺ اللہ کی خاطر مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لائے، جو قوم اپنے بزرگوں کے کارناموں کو یاد رکھتی ہے وہ قوم بڑی غیور اور غیرت مند قوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ پر اس کا تذکرہ کیا ہے کہ آپ کے غیرت کے جذبے کو ابھارا جائے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ

لوكان لابن آدم واديان من المال لابتغى ثالثا ولا يملاء جوفه الاالتراب اوكما قال صلى الله عليه وسلم آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر انسان کے لئے دو وادیاں بھری ہوئی مال کی مل جائیں، تو انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ تیسری بھی ملادے اور حدیث میں آتا ہے کہ اگر تیسری مل جائے تو کہے گا چوتھی اور دے دو فرمایا کہ یہ تمہاری بھوک ایسی بھوک ہے کہ اس سے تمہارا پیٹ نہیں بھر سکتا سوائے اس کے کہ مرنے کے بعد قبر میں جب ڈال دیا جائے گا تب یہ

بھوک ختم ہو سکتی ہے زندگی میں یہ بھوک ختم نہیں ہو سکتی ہمارے حرص کے جذبہ ۔
اس حدیث میں بتایا گیا ہے اور اس حدیث میں ابن آدم کا لفظ ارشاد فرمایا کہ آدم علیہ
السلام کے بیٹے علماء نے لکھا ہے کہ ہمیں ابن آدم کیوں کہا گیا' یہ اس لئے کہا کہ کچھ تو
غیرت آئے گی کہ ہم آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں ہمارے باپ تو ایسے نہیں تھے ہم
ایسے کیوں نکل آئے' ہم آدم کی اولاد ہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام اتنے حریص نہیں
تھے تو اولاد کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے کہ ہم کس باپ کے بیٹے ہیں قرآن کریم میں اللہ
تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا یابنی اسرائیل کہ اے بنی اسرائیل
مگر کسی جگہ بھی یا بنی یعقوب نہیں کہا جبکہ اسرائیل بھی حضرت یعقوب کا نام ہے' اس
کی وجہ یہ ہے کہ اسرا کے معنی ہیں بندہ ئیل کے معنی ہیں اللہ یعنی اللہ کا بندہ بنی
اسرائیل کو ان کے باپ کا وہ نام یاد دلایا جا رہا ہے جس نام کے اندر ان کے باپ کی
فرمانبرداری اور اطاعت کا پہلو نکلتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے بنی اسرائیل تم
اس باپ کے بیٹے ہو جو سر تاپا اللہ کی عبادت اور بندگی کیا کرتا تھا تمہارے اندر یہ سر کشی
کہاں سے آئی' معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد کی تاریخ سے قوم کے اندر غیرت کے جذبات
پیدا کئے جاتے ہیں اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ سرکار دو عالم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اسلام
کے لئے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں کچھ لوگ مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلے گئے اور کچھ
لوگ پھر مدینہ ہجرت کر کے آ گئے' گھر بار چھوڑا عزیزوں کو چھوڑا اور تو اور بیت اللہ کو
چھوڑا لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے عربی کا ایک شعر پڑھتے
رہتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا پھر کبھی ایسا وقت آئے گا کہ ہم ایسی جگہ موجود ہوں
گے کہ جس جگہ بیٹھ کر ہم خانہ کعبہ کو دیکھ سکیں گے' یاد کر رہے ہیں ہمارے بزرگوں اور
اسلاف نے اسلام کی سربلندی کی خاطر اتنی قربانی دی کہ ہجرت کر کے آئے ہماری
تاریخ اس سے وابستہ ہے' ہمارے اندر اپنے اکابر و اسلاف کی عظمت اور احترام پیدا ہو گا
غیرت کا جذبہ پیدا ہو گا ایک تو محرم کا مہینہ جب آتا ہے تو وہ یہ سبق دیتا ہے'

حضرت حسینؓ کی شہادت عظمیٰ اور اس کا مقصد

وہ سنہ ہے کہ ہجرت کو جب ساٹھ سال گزر گئے اور ہجرت کا اکسٹھواں سال
آیا تو اس وقت خاندان نبوت کے چشم و چراغ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی شہادت عظمیٰ کا واقعہ پیش آیا اور آج اس واقعہ کو تیرہ سو چونتیس سال چند دن گزرے
ہیں یہ تیرہ سو چونتیس سال بے شمار ساعتوں کا اور اتنے طویل عرصے کے باوجود یہ واقعہ
ہمارے دلوں میں تازہ ہے اور قیامت تک تازہ رہے گا کیونکہ حضرت سیدنا امام حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت حق کی خاطر تھی اور حفاظت دین کی خاطر تھی یہ بات
ہے کہ آج کل ہم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عاشق کہلاتے ہیں اور
ان کے فدائی کہلاتے ہیں اور انہیں کا دم بھرتے ہیں اور انہیں کی محبت کا دم بھرتے ہیں مگر افسوس
کہ اس دین کی طرف سے روگردانی کر رہے ہیں جس دین کی حفاظت کی خاطر حضرت سیدنا
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنی عظیم قربانی دی تھی حضرت امام حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ تو خاندان نبوت کے چشم و چراغ اور نواسے ہیں حضور اکرم ﷺ کا واقعہ آپ کو
یاد ہوگا کہ آپ ایک دفعہ خطبہ دے رہے تھے اور اس وقت ان کی عمر بہت کم تھی کیونکہ
وہ سنہ تین چار ہجری میں دونوں صاحبزادے پیدا ہوئے ہیں ایک سال کا فرق ہے اور
آپ دس ہجری کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے تو دونوں صاحبزادے حضرات
حسنین کی عمر اس وقت آٹھ نو سال ہے اس سے زیادہ ان کی عمر نہیں ہے تو حدیث پاک
میں یہ واقعہ آتا ہے کہ آپ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے ہیں اور یہ صاحبزادے لمبے
لمبے کرتے پہنے ہوئے صفوں کے درمیان میں سے آگے آ رہے ہیں آپ ﷺ کو خیال
ہوا کہ کہیں یہ کرتوں میں الجھ کر نہ گر جائیں تو آپ ﷺ نے منبر سے اتر کر ان کو گود
میں اٹھایا آپ ﷺ کو ان سے اتنی محبت تھی اور یہ حقیقت ہے کہ نواسوں کی محبت بڑی

شدید ہوتی ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ اس منزل سے گذرے ہیں انہیں معلوم ہے کہ اولاد کی محبت اور زیادہ شدید ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خاندان نبوت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے یہ جذبہ تھا کہ نانا جان کے دین کی شکل نہ بدلے اور نہیں سے اس کی صورت نہ بدلے کوئی اس کے اندر تبدیلی نہ کرے۔

ہمارا نظام اخلاق دنیا کے تمام مذاہب کے نظام اخلاق سے جدا ہے ہمارا نظام معیشت دنیا کے تمام نظام ہائے معیشت سے جدا ہے، ہمارا نظام حکومت دنیا کے تمام نظام ہائے حکومت سے جدا ہے، ہمارے نظام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے دنیا کے اندر جب قدم رکھا ہے تو چاروں طرف سوائے بادشاہت اور ملوکیت کے کسی کوئی چیز نظر نہیں آتی، دنیا میں جہاں جس کی حکومت موجود ہے وہاں بادشاہت یعنی خاندانی جانشینی چلتی تھی قیصر و کسریٰ کا بھی یہی طریقہ تھا لیکن اسلام دنیا میں پہلا مذہب اور دین ہے کہ جس نے آکر یہ بتایا کہ اگر دنیا سے ظلم کو مٹانا چاہتے ہو تو سب سے پہلے بادشاہت اور ملوکیت کا نظام ختم کریں اور شورائی نظام کو جاری کریں، شورائی نظام کا اصول یہ ہے کہ باپ کے بعد بیٹا مستحق نہیں ہے بلکہ اپنی مرضی سے نامزد کیا جاتا ہے اہل حل و عقد کی رائے سے حاکم نامزد کیا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ یزید باپ کے بعد نامزدگی کے طور پر آیا ہے آپ نے اس لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا کہ اس سے میرے نانا جان کا دیا ہوا وہ نظام حکومت جس کے ڈھانچے میں حاکم اور امیر مسلمان اہل حل و عقد کی رائے سے آتا ہے اگر باپ کے بعد بیٹے کا طریقہ رائج ہو گیا تو پھر اسلام اور قیصر و کسریٰ کے نظام میں کیا فرق رہ جائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

منافق کی پہچان

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبى الكريم ونحن على ذالك من الشاهدين و الشاكرين والحمد لله رب العالمين

بزرگان محترم اور برادران عزیز! قرآن کریم کی مشہور سورت سورۃ المنافقون ہے اس کی ابتدائی آیتیں اس سے پہلے جمعہ میں بھی تلاوت کی گئی تھیں اور گذشتہ جمعہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ منافقوں کے بارے میں فرمایا اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ لوگ اپنے قول اور اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں کیونکہ یہ قسمیں کھا کھا کر جس بات کا اظہار کرتے ہیں یہ قسمیں ڈھال ہیں اور صرف اپنے بچاؤ کے لئے قسمیں کھاتے ہیں انہیں یہ معلوم ہے

کہ اگر ہم قسمیں نہ کھا کر مسلمانوں کو یہ بتلا نہیں سکے کہ ہم مسلمان ہیں تو ہماری جان محفوظ ہو جائے گی اور ہمارا مال محفوظ ہو جائے گا ہماری عزت و آبرو محفوظ ہو جائے گی تو ان لوگوں کی یہ قسمیں ان کی ڈھال ہیں در حقیقت ان کے دلوں کے اندر کفر ہے فصدوا عن سبیل اللہ کہ اگر ان کی یہ قسمیں سچی ہوتیں تو خود بھی عمل کرتے اور دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کرتے مگر ان کا طریقہ یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو بھی اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور لوگوں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور ان لوگوں میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ان کو اللہ کے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں منافقوں کا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ وہ اللہ کے دین میں شک و شبہ پیدا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو اسلام سے گمراہ کرنا

کسی زمانہ میں ایک پادری کسی مسلمانوں کے علاقہ میں دورہ پر جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کی مگر کوئی شخص بھی عیسائی نہیں ہوا کسی نے اس پادری سے یہ کہا کہ تم تو ناکام واپس آئے اس لئے کہ کوئی مسلمان بھی عیسائی نہیں ہوا تو وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ اگرچہ میں کسی مسلمان کو عیسائی نہیں بنا سکا لیکن میں نے کسی مسلمان کو مسلمان نہیں رہنے دیا ہر مسلمان کے دل میں ایسا شبہ اور شک پیدا کر دیا ہے وہ خود سوچتا ہے کہ ہمارا دین سچا ہے یا کہ نہیں اور یہ بھی پتا چلا ہے کہ بڑی کامیابی ہے عیسائیوں کا مذہب کہ مسلمانوں کی ایک نسل کے اندر ہم شکوک و شبہات کے بیج بوتے ہیں اور کوئی مسلمان عیسائی نہیں ہوتا لیکن قرآن میں شک کرنے لگتا ہے نبوت میں شک کرنے لگتا ہے اور حضور ﷺ کی زندگی کے اندر شک کرنے لگتا ہے تمام احکام میں شک کرنے لگتا ہے تو جب ان کی دوسری نسل آتی ہے تو وہ جرأت کے ساتھ اسلام کا انکار کر دیتی ہے اسی طرح کہنے والا یہ کہتا ہے کہ میں نے کسی مسلمان کو عیسائی نہیں بنایا یہ سچ ہے لیکن ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم نے کسی مسلمان کو مسلمان نہیں چھوڑا ہے سب کے دل میں شک و شبہ پیدا کر دیا۔

آج کی تحقیقات کا حال

ہمارے اپنے مسلمان آج بھی بہت سے موجود ہیں مثلاً بہت سے ڈاکٹر اور ڈگری یافتہ لوگ اور ڈاکٹر کی ڈگری تو عام طور پہ ملتی ہی اسی بات پر ہے کہ جو خود باقاعدہ اپنے مقالہ میں اسلام کی کسی کمزوری کا اظہار کریں اسلام کی کسی شخصیت کی مخالفت کریں کسی نے سچ کہا ہے کہ ہماری تحقیقات کس چیز کا نام ہے فرماتے ہیں

ناموس چند سالہ اجداد نیک نام

ہمارے وہ آباؤ اجداد کہ جن میں سے حسن بصری ہے کسی کا نام امام غزالی ہے کسی کا جنید بغدادی ہے کسی کا رابعہ بصری ہے یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے کردار سے اسلام میں ایک مقام پیدا کیا اور اگر آپ ریسرچ کرنا چاہتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک شخصیت کو لیجئے اور ان کے خوب حالات لکھئے یہ آج کل کی ریسرچ اور تحقیق کا طریقہ ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے خود باقاعدہ لکھا ہے کہ جن بزرگوں کا آپ نام لیتے ہیں ان کے ہاں تو اس کثرت سے شراب پی جاتی تھی کہ بغیر شراب کے کوئی مجلس میں بھی نہیں بیٹھتا تھا تو جب اس نے یہ بات کی تو اس پر اس کی ڈگری مل گئی کیونکہ اس نے بہت عجیب اور نئی بات کی ہے اور اس نے اعلیٰ تحقیق کی ہے بہت سچ کہا ہے فرمایا کہ!

ناموس چند سالہ اجداد نیک نام
در زیر پائے مغرب ریسرچ نہادہ ایم

مغرب کے قدموں میں ان شخصیات کو ڈال دو ان کو ذلیل کر دو اس کا نام ہم نے ریسرچ رکھا ہے اور اس کو ہم تحقیق کہتے ہیں

ایک صاحب کہنے لگے کہ ایک مرکزی میٹنگ میں بیٹھے ہوئے تھے جس کا کام بھی ریسرچ تھا آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے ایک ادارہ ماتحت کل تھی میں اس کی ایک

میٹنگ میں شریک ہونے اسلام آباد سے رات پہنچا جب یہ ادارہ شروع کیا گیا تو اس کے اندر
بہت سے شیخ تھے بہت سے محکموں کے سیکرٹری تھے بہت سے یونیورسٹیوں کے وائس
چانسلر تھے اس کا چیئرمین وزیر تھا اور اس ادارہ کا ڈائریکٹر عہدہ دار تھا اور شاید نظریہ
کے چلانے کے لئے ایک مولوی بھی تھا اور وہ میرا نام تھا ایک صاحب نے یہ سوال
اٹھایا کہ ہم یہاں ریسرچ کرنے کے لئے بیٹھے ہیں تو ہمیں ریسرچ کی حدود معلوم ہونی
چاہئیں میں نے کہا کہ ہم آپ کی بات سمجھے نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں بنیاد تو قرآن و
سنت ہے کہنے لگے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہ طے کر لیں کہ ہم صرف قرآن کی
بنیاد پر ریسرچ کریں گے میں نے کہا کہ اور سنت کہنے لگے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے
کہ سنت تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا نام ہے وہ شریعت اور دین نہیں ہے میں نے کہا
کہ اچھا تو کہنے لگے کہ فقہ در اصل یہ تو سرکاری چیز ہے امراء اور سلاطین جو چاہتے
علماء سے فتویٰ لے لیتے تھے ان فتووں کا نام فقہ ہے میں نے کہا کہ یہ تو آپ نے بڑی
عجیب و غریب تحقیق کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلیفہ وقت امام ابوحنیفہ سے کہتا
تھا کہ تم یہ فتویٰ دے دو اور وہ اس کے مطابق فتویٰ دے دیتے تھے اور یہ فقہ مرتب ہو گئی میں
نے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ نے یورپ کے کس مستشرق کی کتاب پڑھی
ہے اور آپ نے امام ابوحنیفہ کا مطالعہ کہاں سے کیا ہے میں نے کہا کہ آپ کی بات ہے آج
آپ ایسی مجلس میں بیٹھے ہیں جس مجلس کے اندر چیئرمین وزیر جس کے چھ ارکان جو
تنخواہ دار اور چھ ارکان یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر تنخواہ پانے والے جس کے چھ
ارکان حکومت کی تنخواہ پانے والے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تمام کے تمام ارکان سرکاری
اور حکومت سے تنخواہ وصول کرنے والے ہیں ایک آدھ کو چھوڑ دیں تو اس سے کیا
ہوتا ہے تو اگر امام ابوحنیفہ کی فقہ اس لئے قابل عمل نہیں ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ وہ
سرکاری شہ پر دیئے گئے فتووں کا نام ہے تو معاف کیجئے یہ مجلس جس کی صدارت
وزیر کر رہا ہے جس کا ہر رکن تنخواہ پاتا ہے اس کا نتیجہ یا اس کی فقہ کون مانے گا اور اس مجلس

کا ہر رکن وظیفہ خوار ہے اور یہ کیسی فقہ تیار کرے گا اور یہی سب کہا کہ بڑے افسوس کی
بات ہے ابو حنیفہؒ پر یہ الزام

ابو حنیفہؒ کی حق گوئی

ایک مرتبہ ایک دستاویز آئی امام ابو حنیفہؒ کے سامنے جو کہ خلیفہ وقت کی طرف سے تھی آج ہم اور آپ جس انحطاط کے دور میں کہ یہاں کردار ہیں دیکھنے کو بھی نظر نہیں آتا معاف کیجئے ہم اور آپ ان لوگوں کے کردار کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور جنہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت کی خاطر کسی چیز کی پرواہ نہیں کی یہ بالکل اس طرح ہے جیسا کہ ایک کمزور جسم کا آدمی کہ اگر پھونک ماریں تو گر پڑے اگر وہ یہ کہے کہ کسی زمانہ میں ہاتھی کی میں دم پکڑ لیتا تھا تو ہاتھی حرکت نہیں کر سکتا تھا آپ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ واقعہ شکل تو آپ کی ایسی ہی ہے کہ آپ ہاتھی کی دم پکڑ لیتے تھے بالکل یہی ہی بات ہے کہ آج کردار کا وجود نہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ شاید اس زمانہ میں بھی جن کے اوپر دین اور شریعت کی ذمہ داریاں تھیں وہ بھی ایسی ہی کمزوریاں دکھاتے ہوں گے نہیں معمولی معمولی بات خلیفہ کے سامنے فوراً کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ اصول شریعت کے خلاف ہے 'قاضی بقار یہ قاضی القضاۃ ہیں قاضی القضاۃ کا ترجمہ اس زمانہ میں سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہے جو خلیفہ کے بارہ میں بھی فیصلہ دے سکتا ہے کہ خلیفہ کا یہ عمل جائز ہے اور یہ ناجائز ہے قاضی بقار چیف جسٹس ہیں خلیفہ نے یہ درخواست ظاہر کی کہ میرے محل میں ایک جائداد وقف ہوئی ہے اور اس کی شہادت اور گواہیاں مرتب کرائی ہیں'

ہمارے یہاں کی عورتیں کہیں جاتی نہیں آپ تکلیف فرمائیں اور محل میں تشریف لے آئیں اور یہاں آ کر وہ شہادتیں قلمبند کر لیں یہ اپنے اس خیال کو لے کر محل میں گئے مجلس لگ گئی خلیفہ موجود ہے قاضی بقار نے اپنے پیشکار سے کہا شہادت

قلمبند کرا دیں انہوں نے شہادت قلمبند کروائی اور جب قلمبند ہو گئی تو انہوں نے اس کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد وہ دستاویز پیش کار کے منہ پر دے ماری اور کہا کہ بے وقوف تو عدالت کا آدمی ہے تجھے یہ خبر نہیں کہ کیا لکھا ہے اس نے شہادت میں یہ لکھ دیا تھا کہ خلیفہ اور بادشاہ کی مجلس میں قاضی پیشکار نے سامنے حسب ذیل شہادتیں ہوئیں اور یہ شہادت قلمبند ہوئیں انہوں نے خلیفہ کے سامنے کہا کہ تجھ کو یہ پتہ نہیں ہے کہ جس مجلس کے اندر قاضی القضاۃ بیٹھ کر فیصلہ دیتا ہے وہ مجلس قاضی کی مجلس ہوتی ہے خلیفہ کی مجلس نہیں ہوتی یہ تو نے کیا لکھ دیا کہ خلیفہ کی مجلس میں یہ ہوا جہاں شہادت ہوتی ہے وہ قاضی کی مجلس ہوتی ہے تو قاضی پیشکار نے کہا یہ لکھو کہ قاضی القضاۃ کی عدالت میں موجودگی خلیفہ حسب ذیل شہادت قلمبند ہوئی دیکھئے صرف عدالت کی برتری کی بات تھی کہ یہ خلیفہ اور سلطان کی مجلس نہیں ہے بلکہ قاضی القضاۃ کی مجلس ہے جس کے اندر حاکم قاضی القضاۃ ہے کہ خلیفہ اور خلیفہ ایک اسی طرح موجود ہے جس طرح ایک عام آدمی ہوتا ہے اندازہ لگائیے کہ کیا یہ لوگ خلیفہ کے اشارہ پر کوئی بات کر سکتے تھے امام ابو حنیفہ کے پاس ایک دستاویز آئی کہ خلیفہ کے خاندان میں سے فلاں نے فلاں کے نام جائیداد ہبہ کی ہے اور یہ ہبہ نامہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے آپ اس پر دستخط فرما دیں امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میرے دستخط کرنے کے معنی ہیں شہادت دینا میں اگر دستخط کروں گا تو گویا میں یہ شہادت دے رہا ہوں کہ فلاں نے فلاں کو ہبہ کیا ہے فرمایا کہ جب یہ سارا معاملہ میرے سامنے ہی نہیں ہوا اور مجھے معلوم ہی نہیں کہ ہبہ کرنے والا کون ہے اور جس کے نام ہبہ کیا گیا ہے وہ کون ہے تو میں شہادت کس طرح دوں فرمایا اس کو لے جاؤ میرے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ میں شہادت دوں اور میں اس پر دستخط نہیں کروں گا کاغذ خلیفہ کے پاس گیا اور بتایا گیا کہ امام ابو حنیفہ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے خلیفہ نے امام ابو حنیفہ کو بلایا اور انہوں نے یہ بات سمجھائی کہ میرے دستخط کرنے کے معنی ہیں کہ میں ہبہ کی شہادت دے [illegible]

شہادت کیسے دے دوں تو خلیفہ نے کہا کہ اس پر اور علماء نے بھی تو دستخط کئے ہیں انہوں نے کیسے کئے امام صاحب نے کہا کہ اگر کسی نے دستخط کئے ہیں تو غلط کئے ہیں یہ اصول کے خلاف ہے' خلیفہ نے کہا کہ اچھا ان علماء کو بلاؤ جنہوں نے دستخط کئے ہیں' انہوں نے کہا کہ امام ابو حنیفہ دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ یہ واقعہ میرے سامنے نہیں ہوا' اور دستخط کرنے کے معنی ہیں شہادت دینا جو بات میرے سامنے نہیں ہوئی میں اس کی شہادت کیسے دوں' ان علماء نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے ہم نے تو صرف خلیفہ کا خیال کرتے ہوئے دستخط کر دیئے ہیں لیکن حق بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کہہ رہے ہیں اندازہ لگایئے کہ امام ابو حنیفہ خلیفہ کی دستاویز پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ حنفی کے معنی یہ ہیں کہ جو بادشاہ نے کہہ دیا اس کو قانون بنا کر دے دیا' ہرگز نہیں یاد رکھئے یورپ والوں نے ایک ایک شخصیت کو مجروح کیا ہے اور نہایت مسخ کر کے ان کو پیش کیا ہے اور جو شخص اس طرح پیش کرتا ہے میں نے عرض کیا کہ اس کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل جاتی ہے' فرمایا کہ!

ناموس چند سالہ اجداد نیک نام

در زیر پائے غرب دیسر قوش نمادہ ایم

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ اپنے آپ کو بھی صحیح راستے سے روکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں شبہات پیدا کر کے' یاد رکھئے کہ جب انسان کو اپنے عقیدہ میں تردد پیدا ہو جائے تو یوں سمجھ لیجئے جیسا کہ درخت اپنی جڑیں چھوڑ دے کہ وہ درخت خشک ہونا شروع ہو گیا ہے معلوم نہیں کہ کس وقت گر جائے گا اسی لئے ایمان کی جب تعریف کی جاتی ہے کہ ایمان کسے کہتے ہیں' تو صرف یہ مان لینا کافی نہیں ہے کہ ہم یقین رکھتے ہیں بلکہ یقین کا درجہ یہ کہ کسی کے شبہ ڈالنے سے بھی شبہ پیدا نہ ہو تو

اسی یقین کا نام ایمان ہے اب ہم اپنا جائزہ لے لیں دعویٰ تو ہم سب ایمان کا کرتے ہیں مگر ہم میں ایسے مسلمان بھی ہیں کہ جنہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ قرآن جو آپ پڑھتے ہیں اس کے خیالات اور جذبات وہ اللہ نے ڈالے ہیں مگر یہ الفاظ کلام الٰہی نہیں ہیں یہ کلام نبی کا کلام ہے الفاظ کا لانا نبی کا کام ہے نعوذ باللہ من ذالک اگر کسی شخص کو قرآن کریم کے بارے میں یہ تردد پیدا ہو جائے کہ مضمون من جانب اللہ اور وحی ہے الفاظ قرآن وحی نہیں تو آپ دیکھ لیں کہ ہمارے تو ایمان کا سارا گھروندا بکھر گیا مگر ایسے لوگ موجود ہیں۔ ......

آج اس آیت کے بارہ میں عرض کرتا ہوں فرمایا کہ یہود انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرتے تھے لیکن ابتداء قتل سے نہیں ہوئی تھی ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ سب سے پہلے نافرمانی کرتے اور پھر حد سے تجاوز کرتے اس کے بعد نوبت یہاں تک آئی کہ عناد اور دشمنی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کرتے معلوم ہوا کہ قتل کی نوبت حد سے تجاوز کرنے سے آئی اور حد سے تجاوز اس لئے کیا کہ نافرمانی کی۔

میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ منافقوں کے دلوں میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ اور مہر لگا دی ہے ان میں اب صلاحیت باقی نہیں رہی ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ طبع کے معنی مہر لگا دینا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں میں جو کیفیتیں آتی ہیں ان کو الفاظ کے ذریعہ تعبیر فرمایا

اور جو جگہ محل ایمان اور ایمانیات کا مرکز ہے جس کو قرآن کریم میں قلب کہا گیا ہے یہ وہ قلب نہیں ہے جس کو ڈاکٹر قلب کہتے ہیں ڈاکٹر گوشت کے ٹکڑے کو قلب کہتے ہیں قرآن کریم اس کو قلب نہیں کہتا اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں منافقوں کا ذکر کر کے فرماتے ہیں فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضا ان کے دلوں میں بیماری

ہے جوں جوں اسلام بڑھتا جاتا ہے بیماری بڑھتی جاتی ہے اگر قرآن کریم کے نزدیک وہی قلب ہے جس کو ڈاکٹر قلب کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے کہ جتنے بھی منافقین تھے ان کے دلوں کے اندر اختلاج قلب کی بیماری تھی یا اور کوئی ان کے قلب میں بیماری تھی' نہیں' آگے فرمایا وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ کہ ایسے قدو قامت کے لوگ ہیں جن کا ظاہر بہت اچھا اور بہترین ہے نظر فریب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جسمانی قلبی بیماری نہیں تھی وہ اختلاج قلب کی بیماری نہیں تھی جسمانی اعتبار سے بالکل ٹھیک تھے' لیکن وہ بیماری جس کا قرآن پاک میں ذکر ہے وہ روحانی بیماری ہے جس کا جسم کی بیماری سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح قلب سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں قرآن کریم قلب اس جگہ کو کہتا ہے جو جذبات اور احساسات پیدا ہونے کی جگہ ہے اور یہ ایک لطیفہ روحانی ہے جو کہ ایمان کا مرکز ہے' کبھی کسی انسان کا قلب کمزور ہے لیکن قرآن کریم جس کو قلب کہتا ہے وہ اتنا طاقت ور ہوتا ہے جس کی طاقت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا مگر یہ قلب ایک حالت پر نہیں رہتا اس کی ایک حالت نہیں ہے اگر اس کی ایک حالت ہوتی تو پھر کوئی خطرہ نہ تھا' مگر خطرہ ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھے ہیں اور اس وقت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل تڑپ رہا ہے اعلیٰ درجہ کے جذبات دل میں موجود ہیں لیکن وہ تڑپ اور وہ آنکھوں سے آنسو اور وہ کیفیت نہیں ہے اور صحابہؓ نے اپنی یہ کیفیت حضور ﷺ کے سامنے بیان کی کہ ہم جب آپ ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو جو حالت اس وقت ہوتی ہے وہ مجلس سے اٹھنے کے بعد نہیں ہوتی' صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم کہیں منافق تو نہیں ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں آپ اس کا خیال نہ کریں کیونکہ ایک وقت ایک حالت ہوتی ہے اور دوسرے وقت دوسری حالت ہوتی ہے ایک ہی کیفیت قلب پر باقی نہیں رہتی اور فرمایا اگر تمہارے قلب کی ایک ہی حالت باقی رہتی تو ملائکہ تم سے مصافحہ کرتے' بعض دفعہ

میں بے چینی کی کیفیت پیدا ہو یہ محسوس ہو کہ اچھا نہیں ہوا تو سمجھ لیجئے کہ قلب پر وہ
سیاہ داغ پڑ گیا ہے گناہ پر ندامت ہو دل میں تکلیف ہو تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ابھی
تک روحانیت صحیح ہے گناہ کیا تو قلب پر ذرا سا سیاہ نشان بن گیا توبہ کی تو وہ نشان دھل
گیا اگر گناہ پر گناہ کرتے چلا گیا تو وہ داغ بڑھتا چلا جاتا ہے اور جب بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے
تو دل کو مکمل طور پر ڈھانپ لیتا ہے اور چھا جاتا ہے اور جب وہ سیاہ داغ قلب پر چھا جاتا
ہے تو حق تعالیٰ اس کا یوں اظہار اس طرح کرتے ہیں فرمایا کہ کلا بل ران علی قلوبہم ما کانو
یکسبون ان کے دلوں پر ان کی معصیت کا زنگ جم گیا ہے معلوم ہوا کہ قلب کی ایک
کیفیت کا نام رین بھی ہے ایک کیفیت کا نام ختم بھی ہے ایک کیفیت کا نام طبع بھی ہے
معلوم ہوا کہ یہ کیفیت مختلف کیفیت ہے اور جب انسان گناہ کرتے کرتے اپنی صلاحیت
کو ختم کر لیتا ہے تو موت کی منزل تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کو میت
قرار دیا ہے فرمایا کہ آدمی کو میتا اور اس کو میت قلبی بھی کہا گیا ہے اور اب جو اس
منزل پر آ گیا ہے کہ آنکھیں تو ہیں مگر دیکھتے نہیں کان ہیں سنتے نہیں دل ہے سمجھتے
مگر سمجھ نہیں فرمایا کہ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ اب یہ چوپایوں اور جانوروں کی
طرح ہو گیا ہے کہ آنکھیں تو ہیں مگر حق بات نہیں سنتا ہر بات کو سمجھنے کی صلاحیت
موجود ہے مگر حق بات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے ایک نمبر کے ذہین تھے ذاکر
حسین مرحوم انہوں نے ایک دفعہ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ ایک کافر کو
کھانے پر بلایا اس سے میں نے بین الاقوامی سیاست پر گفتگو کی جب وہ اپنی قابلیت کے
ساتھ بین الاقوامی سیاست پر روشنی ڈال رہا تھا تو میں حیران تھا کہ اس آدمی میں کتنی
قابلیت ہے اور اس کی کتنی معلومات ہیں اس کی کتنی اچھی سمجھ ہے لیکن سنئے کہ جب
پانچ چھ روز گذر گئے میں نے ایک دن کھانے پر پھر انہیں بلایا اور اس دن ان سے مذہبی
باتیں کیں تو ان کا یہ حال تھا کہ جب میں نے ان سے مذہبی باتیں کیں تو مجھے یہ پتہ چلا کہ

اس سے زیادہ احمق اور بیوقوف دنیا میں پیدا نہیں ہوا کہ سیدھی سادی بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ بھی ایک صلاحیت ہے یاد رکھئے کہ دنیا میں بڑے بڑے قابل لوگ موجود ہیں کہ دنیاوی علوم کے نکتہ نظر سے بڑے بڑے قابل لوگ موجود ہیں مگر ان کے اندر عارفانہ خداشناسی یعنی وہ صلاحیت کہ جس سے خدا کو صحیح طریقہ پر پہچان سکیں نہیں ہے۔۔۔۔۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

مولانا احتشام الحق کی رباعیات

جو کوشش اجرت کا نتیجہ نکلا ارزاں ہے زمانے میں کوئی بے معنی

سمجھے ہیں مسلمان تصور کی خوش عیش انسان کو ملتا ہے کئے کا بدلہ

نکاح کی نا مسنون رسمیں

خطبہ اثر

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمد اعبده و رسوله صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين

بزرگان محترم اور طالبان عزیز!

نظریہ پاکستان

نظریہ پاکستان کا منشاء و مدعا اسلام اور صرف اسلام ہے اور چونکہ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح محض مذہب زندگی کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ضابطہ حیات اور افراد و معاشرہ کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں کو پورا کرنے کا ضامن ہے۔ اس لئے اسلام اور نظام اسلامی کسی کافر حکومت اور اجنبی نظام مملکت میں قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کا اپنا وطن، اپنا ملک اور اپنی سر زمین نہ ہو۔ ہمارے مسلمان ہر دور میں اسلام کے کامل نفوذ کی خاطر اسلامی سلطنت اور اسلامی حکومت کو ناگزیر سمجھ کر اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ اگر اسلام محض عبادات کا مجموعہ ہوتا اور مذہب کی اس کی غایت ہو سکتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف نہ لے جاتے۔

اسلام کے اسی مزاج اور اسی حیثیت کا اثر تھا کہ مسلمانان ہندوستان نے حکومت اور اقتدار سے محروم ہو جانے کے بعد بھی اسلامی حکومت و سلطنت کے قیام کی جدوجہد کو جاری رکھا اور جب خلافت عثمانیہ نے بھی دم توڑ دیا تو ان کی یہ جدوجہد تیز تر ہو گئی۔ اسی کے نتیجہ میں مسلم لیگ نے تحریک پاکستان کا آغاز کیا۔ جس کا مقصد ایسے خطہ کا حصول تھا جہاں اسلام کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں پر آزادانہ عمل ہو۔ اور اسلام کا اخلاقی سیاسی معاشی اور تعلیمی نظام قائم کیا جا سکے۔

چنانچہ جونہی مطالبہ پاکستان سامنے آیا برصغیر پاک و ہند کے مختلف الخیال، مختلف اللسان اور مختلف جغرافیائی حدود میں بسنے والے مسلمان متحد ہو گئے اور تمام گروہی و علاقائی مفادات کو بھول کر اسلامی نظام کے قیام کے لئے ایک ہو گئے اور انہوں نے اپنے گھر کو اجاڑ کر نیا گھر آباد کرنے کے عزم کا اظہار کیا تاکہ اسلام کا گہوارہ اور وطن وجود میں آ جائے۔ بالآخر ان کی قربانیوں کے نتیجہ

میں پاکستان قائم ہوا۔

جو وطن ان اہم اسباب پر وجود میں آیا ہو اس میں بنیادی نظریہ اور ملک دو الگ الگ چیزیں نہیں
بلکہ ایک حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ نظریہ پاکستان کی حفاظت دراصل پاکستان کی حفاظت ہے
اور اس نظریہ کی مخالفت پاکستان کے وجود کی مخالفت اور اسے ختم کرنے کی کوشش ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ وہ لوگ جن کی نظروں میں پاکستان کھٹکتا ہے اور جو اس کی سالمیت و استحکام کو برداشت نہیں
کر سکتے ملک میں لادینی نظریات کو فروغ دینے اور لادینی نظام قائم کرنے کے نعرے لگا رہے ہیں۔
یہ عنصر کھل کر پاکستان کی مخالفت تو نہیں کر سکتے البتہ اس ذریعے سے اسے ختم کرنا چاہتے ہیں،
کیونکہ جانتے ہیں کہ اگر نظریہ پاکستان یعنی اسلام کو متنازعہ مسئلہ بنا دیا جائے تو پاکستان کے،
مربوط اجزاء منتشر ہو جائیں گے اور پھر ان کا کام آسان ہو جائے گا ---- اس لئے پاکستان کے
عوام اور ارباب اقتدار کا خواہ وہ جمہوری نمائندے ہوں یا فوجی و شہری ملازمین صرف دینی فریضہ ہی
نہیں بلکہ اس ملک کی بقاء اور سالمیت کی خاطر ایک لمحہ کے لئے بھی کسی لادینی نظام اور نظریہ کو
برداشت نہیں کرنا چاہئے اگر اس معاملے میں کوتاہی سے کام لیا گیا اور اس سے وطن عزیز کو کوئی
نقصان پہنچا تو ہم عند اللہ و عند الناس مجرم ہوں گے اور تاریخ اور آنے والی نسلیں ہمیں
کبھی معاف نہیں کریں گے۔

اسلام اور سوشلزم

سوشلزم محض کسی معاشی یا اقتصادی نظام کا نام نہیں بلکہ پوری زندگی کا ضابطہ ہے،
جس کا حاصل مذہب اور خدا کی نفی اور مخالفت ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اور ادیان روحانیت کو
اساس قرار دیتے ہیں، جس کی ابتداء خدا کے تصور سے ہوتی ہے اور سوشلزم ایک مادی ضابطہ
حیات ہے جس کا آغاز انکار خدا اور انکار مذہب سے ہوتا ہے۔ مذہب یا دین زندگی کا تصور خدا سے
حاصل کرتا ہے جب کہ مادی نظام کا موجد اس ضابطہ حیات کو انسانی فکر اور انسانی عقل سے ترتیب
دیتا ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ سوشلزم صرف اقتصادی یا معاشی نظام ہے، حقیقت کے خلاف

اور دوسروں کو دھوکہ دینا ہے۔ سوشلزم، کسی مذہب یا دین کا پیوند نہیں بن سکتا۔ بالخصوص اسلام کے ساتھ اس کا کسی نوع کا رشتہ یا کسی قسم کی پیوندکاری ممکن نہیں۔ کیونکہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی ایسا مکمل دین اور کامل ضابطہ حیات ہے جس کا اپنا سیاسی نظام بھی ہے اور اقتصادی نظام بھی۔ اور جو اسلام اپنی جامعیت کی بناء پر دنیا کے کسی آسمانی مذہب سے بھی پیوندکاری کی اجازت نہیں دیتا، وہ کسی لادینی فلسفی، حکیم کے ایجاد کردہ ازم سے تعلق کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

اپنی خودی پہچان!

انسانی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب تک کسی ملت کی خودی بیدار رہی وہ قوم غیر کی تقلید کو موت سمجھتی ہے اور اس کی نظر میں غیر کی کوئی بات نہیں جچتی لیکن جو قوم خودی کھو بیٹھی یا اس میں ذہنی مرعوبیت پیدا ہو جائے تو اپنی عظمت کھو بیٹھی اور اپنی اقدار کو چھوڑ کے اور غیروں کی روش کو اپنانے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی ساری صلاحیتیں اس پر صرف ہوتی ہیں کہ غیروں کی اچھائیوں اور خوبیوں کو بیان کر کے اپنی نقل کے لئے وجہ جواز ڈھونڈے اور انہیں اپنا لے اور اس جذبے کے پیچھے ذہنی مرعوبیت، شکست خوردگی اور احساس کمتری جیسے ذہنی محرکات کارفرما ہوتے ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو غیروں کی روش اختیار کرنے اور تقلید سے روکا ہے۔ چنانچہ ایک سفر میں مشرکین مکہ میں سے تازہ تازہ اسلام قبول کرنے والی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ ہوا۔ وہاں ایک درخت تھا جس پر مشرک اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ ان نومسلموں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح کا ایک درخت متعین فرما دیجئے تاکہ ہم بھی اپنے ہتھیار مشرکین کی طرح لٹکا سکیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ عجیب بات کی ہے! تمہارا یہ کہنا بالکل ایسا ہے جیسا حضرت موسیٰ کی قوم میں سے بعض نے فرعون مصر سے نجات حاصل کرنے کے بعد بعض لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھ کر کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایسا ہی خدا بنا دیجئے جیسا ان لوگوں کے پاس ہے۔

فکر کی نامسلمانی

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب سے فرمایا کہ جس قوم سے نکل کر تم اسلام میں داخل ہوئے ہو اس قوم کی کسی بات کی پیروی اور اتباع کی خواہش تمہارے دل میں پیدا نہیں ہونی چاہیئے اب تمہاری تمام تر توجہ اسلام اور صرف اسلام پر مرکوز ہونی چاہیئے
---- لہذا آج جو لوگ اسلام میں ہوتے ہوئے لادینی نظریات و افکار کی حمایت کر رہے ہیں ان کی حالت بھی بنی اسرائیل کے انہی لوگوں کی سی ہے جنہوں نے مت پرستوں کو دیکھ کر بتوں کی پوجا کرنی چاہی تھی اور وہ لوگ جو اسلام کا نام لینے کے باوجود سوشلزم کی طرف مائل ہیں وہ اصل ذہنی غلامی اور ایمان کی کمزوری کا شکار ہیں -

گو زبان سے اقرار و تکبیر
فکر کی نامسلمانی سے فریاد

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسلام سے باہر کی کسی چیز کو قابل التفات نہ جانیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر آج ہمارے اندر اسلامی حمیت و حقوق پیدا ہو جائے تو ہم اسلام کے سوا کسی ازم کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کریں -

اسلامی سوشلزم

جہاں تک اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کا تعلق ہے یہ بجائے خود غلط ہے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ' سوشلزم سراسر مادی نظام ہے اور کفر ہے - اس صورت میں اسلامی سوشلزم کا مطلب اسلامی کفر کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ کوئی کفر ایسا نہیں ہو سکتا جس کی اسلام اجازت نہ دیتا ہو ' سوشلزم کے داعی طرح طرح کی دلیلیں لاتے اور کہہ رہے ہیں کہ ہمارا سوشلزم قرآن اور سنت کے عین مطابق ہے اور اسلامی سوشلزم کی اصطلاح میں کوئی عیب نہیں - سوال یہ ہے کہ اسلام پہلے آیا یا سوشلزم ؟ اگر اسلام کی کوئی بات سوشلزم میں ہے تو وہ اسلام ہی سے لی گئی ہے - اسلام کی غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ کسی لادینی نظام کا نام لے کر اسلام کے مطالب

اور مسائل حل کئے جائیں۔

قوم کو دھوکہ!

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ جب مالٹا سے آئے تو ہندوؤں اور مسلمانوں نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی بھی شامل تھے۔ جلوس میں کسی نے محمود حسن کی جے کا نعرہ لگا دیا۔ یہ نعرہ سنتے ہی مولانا نے فوراً جلوس رکوا دیا اور مولانا شوکت علی سے کہنے لگے میں تو نعرہ تکبیر چھوڑ کر گیا تھا۔ یہ جے جے کب سے لگنے لگے انہوں نے جواب دیا کہ جے کا مطلب ہے فتح! مولانا محمود حسنؒ نے خفگی سے کہا کہ اگر ترجمہ ہی کرنا ہے تو نعرہ کا ترجمہ رام کیوں نہیں کر لیتے؟ - حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام اور سوشلزم میں کوئی فرق نہیں وہ قوم کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ عوام کی حالت بہتر بنانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ملک میں اسلام کا نظام قائم کیا جائے جس میں نہ کسی لادب پنی کی گنجائش ہے اور نہ کوئی اتنا غریب ہوتا ہے کہ نان شبینہ کو ترسے!

سوشلزم کی مخالفت اور سرمایہ داری!

اس اعتراض میں کوئی جان نہیں کہ سوشلزم پاکستان میں کوئی مسئلہ نہیں! اصل مسئلہ تو سرمایہ داری ہے اور سوشلزم کی مخالفت سے سرمایہ داری کو زندگی ملتی ہے کیونکہ یہ سوال تو تب پیدا ہو جب ہم سرمایہ داری کو تحفظ دیتے ہوں۔ دراصل اس مسئلے کے دو پہلو ہیں اولاً موجودہ معاشی ناہمواری اور اس کے نتائج اور ثانیاً مستقبل اور مستقبل کے خطرات!

موجودہ معاشی ناہمواری اور اس کے نتائج قطعاً اس سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہیں جو اس ملک میں قیام پاکستان کے بعد انگریز تو چلا گیا لیکن انگریز کے شاگرد سرکاری افسروں اور نوکر شاہی نے ۲۳ سال تک ملک پر سرمایہ دارانہ نظام قائم رکھا ہے۔ خاص طور پر صدر ایوب کے دور آمریت میں تو غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بنا دیا گیا اور اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ غریب تو فٹ پاتھ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہا ہے امیر محلوں میں داد عیش دے رہا ہے۔ اور سرمایہ

وارانہ نظام ایک لعنت ہے جو انسان کے دل میں انسان کی عظمت باقی نہیں رہنے دیتا اور انسان کا مال بن جاتا ہے۔ اس نظام میں نیکی باقی نہیں رہتی کاروبار بن جاتی ہے۔

مسئلہ کا حل

اس مسئلہ کا حل سوشلزم نہیں اسلام ہے۔ سوشلزم غریبوں کا دوست نہیں بلکہ ان کا بدترین دشمن ہے۔ جن ملکوں میں سوشلزم مسلط ہے وہاں کے لوگوں نے اچھی طرح یہ حقیقت محسوس کی ہے کہ ان کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ دوسرے سوشلزم کا مقصد دین اور اخلاق کی تباہی ہوتا ہے اور آج پاکستان میں سوشلزم کا جو نعرہ لگایا جا رہا ہے اس کے پیچھے بھی غریبوں کے دکھ درد کے علاج اور ان سے ہمدردی کا جذبہ نہیں بلکہ دین اسلام کے نشانات و آثار مٹا کر لادینی نظام مسلط کرنے کا جذبہ کارفرما ہے۔ اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مزدوروں کسانوں اور غریبوں کی ہمدردی میں سوشلزم کا نعرہ لگانے والے سوشلسٹ لیڈر نجی زندگی میں سرمایہ داروں سے بھی بڑھ کر داد عیش دے رہے ہیں۔ ان کی کوٹھیوں کاروں اور ان کی زندگی کے معمولات پر نظر ڈالی جائے تو انہیں دیکھ کر سرمایہ دار بھی شرما جائیں۔

قومی ملکیت کے سبز باغ

انہوں نے آج تک بھی مزدور اور کسان کی سطح پر آ کر کام نہیں کیا حتیٰ کہ اپنے نجی اور ذاتی ملازموں کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی اس قسم کا مساویانہ سلوک نہیں کیا جس کا پرچار کرتے ہوئے ان کی زبان نہیں تھکتی اور نیشنلائزیشن کے ذریعے خوشحالی کا سبز باغ دکھانے والے ان رہنماؤں نے آج تک اپنی زمینیں، جائیدادیں اور ملیں تو حکومت کے حوالے نہیں کیں اور نہ انہیں اپنے مزارعوں اور نوکروں میں تقسیم کیا جن لوگوں نے ساری عمر ایک روزہ نہیں رکھا بلکہ شراب کے جام لنڈھاتے ہیں، انہیں کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک غریب پر فاقہ میں کیا گزرتی ہے البتہ یہ لوگ غریبوں کو دھوکا دینے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ سوشلزم کے نافذ ہوتے ہی ان کے سارے دکھ دور ہو جائیں گے۔ غلاموں کو بھی آسودگی ہو جائے گی اور کسانوں اور مزدوروں کو مل

جائے گی یہ سراسر دھوکا اور فریب ہے۔ سوشلزم کے بنیادی اصول قومی ملکیت کا یہ مطلب نہیں
کہ ۲۲ خاندانوں کی دولت پوری قوم کو مل جائے گی۔ سوشلزم اس دولت کو چھین کر ۱۲ کروڑ عوام
میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ ۱۲ کروڑ عوام کی املاک کو چھین کر سرکاری ملازموں کے حوالے کر
دیتا ہے۔ اس میں ۱۲ کروڑ افراد قوم نہیں کہلاتے بلکہ چند سات سو سرکاری افسر ہی قوم ہوتے ہیں
۔ کسی سوشلسٹ ملک میں نہ کسی مزدور کو کسی کی فیکٹری کا شریک بنایا گیا اور نہ کسی سرمایہ دار کی
کوٹھی کسی کسان کے حوالے کی گئی۔ البتہ مزدور سے مطالبہ اور ہڑتال کرنے کا حق ضرور چھین لیا
گیا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے نوکری نہیں بدل سکتے۔ اسی طرح کسانوں کی زبانوں پر بھی تالے لگا
دیئے گئے ہیں وہ بیچارے طلوع سے غروب آفتاب کے بعد تک بیلوں کی طرح کام کرتے رہنے پر
مجبور ہیں اور پیداوار کی مرضی پر منحصر ہے کہ اس کا جی چاہے تو اسے روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے
عطا کردے اور جی چاہے تو انہیں کسی صحرا میں بھیج دے۔

خوش نما سیاسی نعرے

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وطن عزیز میں سوشلزم کا نعرہ لگانے والوں کے پیش
نظر اصل مسئلہ اقتصادی نہیں بلکہ اسلام کی مخالفت اور لادینی نظام و نظریات کو مسلط کرنے کا ہے
کسان اور مزدور کی بہبودی کا نام تو محض ایک خوشنما سیاسی نعرے کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اصل
غایت دین کی جگہ لادینی نظام قائم کرنا اور اسلامی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے مسلمانوں کو ختم
کرنا ہے۔ اس تجزیے سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ فتنہ پہلے فتنے سے بھی زیادہ خوفناک ہے جو پاکستان
کے نظام کو جڑ سے ختم کرنے اور اسلامی سالمیت کو تباہ کرنے کا پروگرام رکھتا ہے اور مستقبل کے انہی خطرات
کے پیش نظر پاکستان کے مسلمانوں نے سوشلزم کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔

اس جنگ سے سرمایہ داروں کے فائدہ اٹھانے کا سوال تب پیدا ہوتا جب سرمایہ
دارانہ نظام کو کسی درجے میں بھی گوارا یا قابل برداشت قرار دیا جاتا۔ موجودہ نظریاتی اور سیاسی
جنگ کا اصل رخ تو یہ ہے کہ قائم شدہ سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرکے اس کی جگہ اسلامی نظام قائم

کیا جائے تاکہ نہ صرف سرمایہ داری کی لعنت سے نجات ملے بلکہ سوشلزم کا راستہ بھی بند ہو جائے۔ اگر اسلام پسند طبقہ کی طرف سے سوشلزم کی مخالفت اور سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت کی جاتی تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ ہم موجودہ استحصال کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ سوشلزم اور سرمایہ داری دونوں لعنتوں سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن سرمایہ داری کی مخالفت میں سوشلزم کی حمایت ایک لعنت سے چھٹکارا حاصل کر کے دوسری کو گلے لگانا ہے۔

آپ کاغذ پر دستخط کر دیں

ایک دفعہ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے کچھ سرمایہ دار لوگوں نے عرض کیا کہ مولانا اس زمانے میں سود کے بغیر کام نہیں چلتا۔ آپ اس کاغذ پر دستخط کریں کہ سود حلال ہے۔ مولانا نے کہا یہ دین "اشرف علی کا دین نہیں اللہ کا دین ہے۔ اگر اس کاغذ پر دستخط کر دوں تو فتویٰ اپنی جگہ پر رہے گا لیکن اشرف علی اپنی جگہ پر نہیں رہے گا ہمارا موقف بھی یہی ہے" ہم یہ نہیں کر سکتے کہ ایک برائی کو ختم کرنے کے لئے دوسری برائی کو قبول کر لیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہم نے پاکستان سوشلزم کے لئے حاصل نہیں کیا تھا۔ یہ مقصد تو متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ کیا نہرو پکا سوشلسٹ نہیں تھا؟ سچ یہ ہے کہ پاکستان اسلام کی امانت ہے اور اسلام نماز "روزہ اور داڑھی کا نام نہیں اور نہ صرف سجدہ اور رکوع کا نام ہے بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اسلام کے پیرو مسجد میں تو اسلام کا نام لیں اور مسجد سے باہر اپنے نفس کی اطاعت کرتے رہیں۔ سجدہ میں تو اللہ کو خالق قرار دیں اور عملی زندگی میں کارل مارکس اور لینن کو راہنما سمجھیں!

طبقاتی بنیادوں پر نمائندگی

اسلام جس کا بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ انسانوں کے جغرافیائی "لسانی اور نسلی امتیازات کو مٹا کر امت مسلمہ کو اسلامی وحدت میں تبدیل کرنے کا مدعی اور پرستاران اسلام کے معاشرے

میں کسی قسم کی طبقاتی تقسیم کا موقف ہے- وہ امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں کرتا بلکہ اس کے
نزدیک وجہ امتیاز تقویٰ ہے- جو جتنا متقی اور احکام الٰہی کا پابند ہو- اتنا ہی معزز اور محترم ہوگا- خواہ
مالی لحاظ سے کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو؟ لہٰذا طبقات کو تسلیم کرنا اور ان کے سیاسی حقوق الگ الگ قائم
کرنا روح اسلام کے منافی ہے- اسلام نے نوع انسان کو ایسا نظام زندگی دیا ہے جو تمام انسانوں کی
فلاح و بہبود کا ضامن ہے- چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں
امیر اور غریب کسان اور مزدور کی بنیاد پر کوئی اور کسی قسم کا طبقاتی امتیاز قائم نہیں کیا گیا اور نہ
اس بنیاد پر مختلف طبقات کے الگ الگ حقوق قائم کئے گئے- طبقاتی امتیازات کا نظام دنیا کے ان
مادی نظریات ہی کو زیب دیتا ہے جو طبقاتی منافرت اور طبقاتی کشمکش پیدا کر کے انسان کو انسان
سے لڑاتا اور انسانی خون سے اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں- اسلام میں اس کی کوئی
گنجائش نہیں-

اسلامی جمہوریت

جمہوریت ایک لفظ ہے- جس سے مراد اکثریت ہوتی ہے- لیکن اس کا مدعا و مفہوم اس
وقت تک متعین نہیں ہوتا- جب تک اس کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ لگایا جائے- جیسے کہ اعداد و
شمار اس وقت بے معنی ہوتے ہیں جب تک کہ ان کے ساتھ شمار والی چیزوں کا ذکر نہ کیا جائے- اسی
وجہ سے جمہوریت کا مفہوم متعین کرنے کے لئے اس کے ساتھ مختلف الفاظ لگا دیئے جاتے ہیں
مثلاً طاغوتی جمہوریت امریکی جمہوریت روسی جمہوریت، جمہوریت سلطانی وغیرہ- سیاسی اصطلاح
میں جمہوریت اس نظام کا نام ہے جس میں قانون سازی اور فیصلے کا دارومدار کثرت رائے پر ہوتا
ہے- اور قوت و دلیل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا- اس کے برعکس اسلام میں قانون سازی اور
فیصلے کا انحصار قوت دلیل پر ہے کثرت رائے پر نہیں- لیکن امور مباحات یعنی وہ امور جن کے
متعلق قرآن و سنت میں مثبت اور منفی کوئی ہدایت نہیں ہے ان میں جمہوریت اور کثرت رائے
سے فیصلہ کرنا ہی شرعی طریقہ ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق نے اپنے جانشین کے انتخاب کی

خاطر چھ صحابہؓ پر مشتمل ایک انتخابی کمیٹی قائم کی تھی۔ کہ یہ چھ صحابہؓ اپنی رائے اور مشورے سے امیر کا انتخاب کریں گے۔ لیکن اگر ان میں اختلاف پیدا ہو جائے اور دونوں طرف تین تین ہوں تو فیصلہ کرنا مشکل ہوگا۔ ایسی صورت میں میرے بیٹے عبداللہؓ سے رائے لینا۔ اور جس طرف ان کی رائے شامل ہو جائے وہ تین کے مقابلے میں چار یعنی اکثریت کا فیصلہ ہوگا۔ اسی کے مطابق امیر کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جمہوریت اسلام میں اسی وقت فیصلے کی بنیاد بن سکتی ہے جب قرآن و سنت کی تصریح نا موجود ہو۔ لیکن قرآن و سنت کے واضح احکام اور تصریح کی موجودگی میں کثرت رائے تو ایک طرف اس کے خلاف متفقہ آراء بھی قبول نہیں کی جا سکتیں۔ مختصر یہ کہ اسلام میں شورائیت انہی مسائل میں ہے جن میں قرآن و سنت کی رائے موجود نہیں۔

حاکم کا انتخاب

جہاں تک حاکم کے انتخاب کا تعلق ہے اس میں عام مسلمانوں کی رائے کا دخیل ہونا ضروری ہے۔ مگر اسلام نے اس کی کوئی شکل متعین نہیں کی ہے البتہ عملی طور پر اس کی دو مثالیں موجود ہیں اولاً ملت کے عام افراد کثرت رائے سے حاکم کا انتخاب کریں۔ ثانیاً ملت کے معتمد نمائندے امیر منتخب کریں۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا انتخاب عام مسلمانوں کی رائے سے ہوا۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کو عام مسلمانوں کے خاص اور معتمد نمائندوں نے منتخب کیا۔ جن کی حیثیت آج کل کی اصطلاح میں امیر کو چننے والی پارلیمنٹ کی سی تھی۔ مصر کے ایک مشہور عالم سید رشید رضا نے لکھا ہے کہ یورپ سیاست میں بہت کچھ ترقی کر جانے کے باوجود ابھی تک اس طریقے سے آگے نہیں بڑھ سکا جو طریقہ حضرت عمر فاروقؓ نے قائم کیا تھا۔ یعنی یہ کہ عوام اپنے خواص کو چنیں اور خواص امیر کا انتخاب کریں

اشتراکی علماء

اس میں کوئی شک نہیں۔ مسلمان اہل قلم اور اہل علم نے سوشلزم کے حملوں سے
بچنے کے لئے بڑی نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور اس کے نقوش و آثار کو مٹانے میں زبردست کردار ادا
کیا ہے جبکہ بعض نام نہاد علماء نے سوشلسٹوں سے اتحاد اور اشتراک عمل کر کے بظاہر اس گرتی ہوئی
دیوار کو سہارا اور سوشلزم کے اس فتنہ کو فروغ دینے کے لئے کام کیا مگر پریشان ہونے کی ضرورت
نہیں کیونکہ اسلام کوئی انسانی تحریک یا نظام نہیں بلکہ اللہ کا دین ہے اور بڑی سے بڑی شخصیتیں بھی اگر اس
کی مخالفت اور مزاحمت کے خلاف کسی لادینی طاقت سے اتحاد کر لیں تو بھی اسلام کو ضعف نہیں پہنچ سکتا
آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے نام نہاد پیشواؤں کو لادینی نظام سے تعاون کے نتیجے میں رسوائی کا سامنا
ہے اور وہ اپنا وقار و مقام کھو رہے ہیں۔

سی ایس پی افسر

میں نے اپنی آخری تقریروں میں بلاشبہ بعض سی ایس پی افسروں کو سوشلزم کے فتنے کی
سرپرستی کا الزام دیا ہے اور مجھے آج بھی اس پر اصرار ہے کہ ملک میں جہاں تک سرمایہ دارانہ نظام
کو چلانے اور اس نظام کی بدعنوانیوں کو فروغ دینے کی ذمہ داری انہی پر ہے ---- نیز ملک کی
سیاسی جماعتوں کا گلا گھونٹنے اور جمہوریت کا جنازہ نکالنے میں بھی ان کا ہاتھ رہا ہے ملک کے بنیادی
مقاصد سے انحراف اور مذہبی اقتدار کو پامال کرنے کے لئے سب سے زیادہ سازشیں اسی طبقہ
نے کی ہیں۔ نظریہ پاکستان کے خلاف سوشلزم کے لادینی فتنہ کی پرورش بھی ان ہی کے ہاتھوں
ہوئی اور اب بھی سوشلزم اور بے دینی کو فروغ دینے میں ان کا کھلا ہاتھ معروف ہے۔ یہ ممکن ہے
کہ اس طبقہ میں بعض صحیح الفکر اور اسلامی ذہن رکھنے والے افسر بھی ہوں جو اپنے عقیدے اور
ذہن کے اعتبار سے ایسی سازشوں کو پسند نہ کرتے ہوں۔ لیکن ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ
ان میں سے کسی نے ان سازشوں پر احتجاج کرتے ہوئے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیا ہو۔ کیونکہ یہ افسر
انہیں اپنی اغراض اور سیاست کا آلۂ کار بنا رہے ہیں۔ اور ان سے آئینی اور قانونی ضابطوں کے
خلاف کام لیتے ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک اس جرم میں تمام اعلیٰ افسر برابر کے شریک ہیں کہ

انہوں نے کرسیِ اقتدار پر قبضہ کر کے سوشلزم کی پرسرار شعبدوں کے ساتھ خاموشی سے تعاون کرتے رہے۔

موجودہ آئینی مسائل

میرے نزدیک اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ مارشل لاء کے عبوری دور کو ختم کر کے اقتدار جلد از جلد جمہور کے نمائندوں کو منتقل کیا جائے۔ اس وجہ سے بھی کہ اگر جمہوریت بحال نہ کی گئی تو وہ تمام قربانیاں جو پی پی پی کی آمریت کے خلاف جدوجہد میں ملت کے ہر طبقہ نے دی ہیں ضائع ہو جائیں گی اور یہ بحالیِ جمہوریت کی تحریک کے ساتھ غداری کے مترادف ہو گا۔ اور اس لئے بھی کہ اسلام اور سوشلزم کی نظریاتی کشمکش میں نظریہ پاکستان اور اسلام کے تحفظ کا اعلان کرنے کے باوجود موجودہ حکومت اور اس کی سرکاری مشینری نے اس کے لئے بال برابر بھی کام نہیں کیا۔ بلکہ ایک تماشائی کی حیثیت سے غیر جانبدار رہی ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک طرف تو صدر مملکت اور ان کے ساتھی ملک کی بقاء کے لئے اسلام اور نظریہ پاکستان کو ضروری تسلیم کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف ملک کی موجودہ نظریاتی جنگ میں اپنے آپ کو غیر جانبدار بتاتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی عمارت کو اپنی ملکیت اور باپ دادا کی نشانی قرار دیتے ہوئے اس کی بقاء کے لئے بنیادوں کے تحفظ کو ضروری قرار دے لیکن جب کوئی دوسرا اس کی بنیاد کو کھودنا شروع کر دے۔ تو خود کو غیر جانبدار ظاہر کرنے لگے ہمیں نہیں معلوم کہ طرزِ عمل کے اس تضاد کے پیچھے کون سی مصلحتیں کارفرما ہیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ عوام کی طرف اقتدار کی منتقلی کو مسلسل تعویق میں ڈالا گیا۔ اور جلد سے جلد انتخابات نہ کرائے گئے تو یہ نظریاتی کشمکش ایسی سنگین اور خطرناک صورت اختیار کرے گی کہ اس وقت حکومت کی مداخلت بھی حالات پر قابو نہیں پا سکے گی۔ اور یہ ملک خوانخواستہ طوائف الملوکی کی نذر ہو جائے گا۔ ہماری رائے میں اس صورتِ حال کو جلد سے جلد اور محفوظ سے محفوظ تر طریقے سے ختم کرنے کے لیے ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی بہترین ذریعہ ہے جو تبدیلی ترمیم ہونے کے باوجود کافی حد تک جمہوری اور اسلامی

باب ۔

۱۹۵۶ کے آئین کی کہانی

پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی پاکستان کو عوامی امنگوں کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کا آغاز ہو گیا چنانچہ لیاقت علی خان کے ایماء پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنے رفقاء کے تعاون سے اسلامی آئین کا خاکہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس مقصد کے لئے مجھے ہندوستان سے بلوایا گیا جب مولانا مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر حمید اللہ، مفتی محمد شفیع اور سید سلیمان ندوی کو پاکستان لا ضرور چنانچہ اول الذکر تینوں حضرات تو پاکستان پہنچے - اور تین ماہ شب و روز کام کرنے کے بعد اسلامی آئین کا خاکہ تیار کر لیا گیا تھا، تو اس مرکزی اسمبلی میں قرار داد مقاصد منظور کرائی گئی جس کی تیاری کے لئے شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء نے دن رات ایک کر دیئے تھے - مجھے یاد ہے کہ قرارداد مقاصد کی مخالفت صرف اقلیتی فرقوں اور سوشلسٹوں نے کی تھی - مشرقی پاکستان کا کوئی ایک مسلمان ممبر بھی ایسا نہیں تھا جس نے مخالفت میں حصہ لیا ہو - دوسری بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا - اس کی تشکیل اور ارکان کا انتخاب قطعی طور پر شیخ الاسلام کی مرضی سے ہوا - اور بورڈ کی ذمہ داری یہ قرار پائی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی جاری نہ ہونے پائے گا اور ہر آئینی اور قانونی مسئلہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں جانچ پرکھ کر رائے دے -

لیاقت مرحوم کا اضطراب!

آئین سازی کا مسئلہ ابھی جاری تھا کہ شیخ الاسلام کا انتقال ہو گیا اور اس مرحلے پر اسلام اور اسلامی آئین کے لئے لیاقت علی خان کا اضطراب کھل کر سامنے آیا - وہ شیخ الاسلام کے مسائل پر سخت پریشان تھے - چنانچہ انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کو بلانے کا فیصلہ کیا - ہم ابھی تک ہندوستان میں تھے - اس غرض کے لئے مجھے منتخب کیا - میں نے کہا کہ شاید ہندوستان مجھے ویزا نہ دے - تو انہوں نے فرمایا کہ ہم آپ کو سفارتی نمائندے کی حیثیت سے بھیجیں گے -

لیکن میں نے اس طرح جانے سے انکار کیا اور کہا کہ مولانا اس وقت جدہ میں ہیں۔ اگر فوری طور پر پاسپورٹ اور ویزا بنا دیا جائے تو میں جدہ میں جا کر انھیں لے آؤں۔ چنانچہ لیاقت علی خان نے متعلقہ حکام کو رات گئے احکام جاری کئے اور دو گھنٹے کے اندر اندر تمام ضروری کاغذات میرے ہاتھ میں تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ میں جدہ روانہ ہوتا اطلاع ملی کہ مولانا سید سلیمان ندوی بمبئی پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ مجھے ہندوستان بھیجا گیا اور میں نے مولانا سید سلیمان ندوی سے ملاقات کر کے انھیں پاکستان آنے کی دعوت دی۔

پہلا مسودہ آئین

بعد ازاں جب پہلا مسودہ آئین سامنے آیا تو وہ قطعاً غیر اسلامی تھا۔ اس پر ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ ممتاز علماء کراچی میں جمع ہوئے اور انھوں نے ۲۲ نکات مرتب کر کے حکومت کو پیش کئے کہ پاکستان کا دستور ان بنیادوں پر مرتب کیا جائے۔ علماء کا یہ اجتماع پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

یہ اجتماع میری دعوت پر منعقد ہوا تھا۔ اور اس اعتراض کا جواب تھا کہ یہاں کون سا اسلام رائج کیا جائے؟ اس کے علاوہ ہم نے ملک بھر میں نظام اسلامی کانفرنسیں منعقد کیں۔ اس کے بعد حکومت نے نیا دستوری مسودہ شائع کیا۔ اس میں اسلام کے بنیادی اصول بڑی حد تک آ گئے تھے۔ مگر کچھ باتیں ترمیم طلب تھیں۔ علماء دوبارہ کراچی میں جمع ہوئے اور ایک ایک آرٹیکل پر اپنی سفارشات مرتب کر کے حکومت کو بھجوائیں۔ نتیجہ ۱۹۵۶ء میں اس آئین سے وفاداری کا حلف اٹھانے والے ایوب خان نے اسے منسوخ کر دیا۔

قائد اعظمؒ اور لیاقت علی خانؒ

قائد اعظمؒ اور لیاقت علی خانؒ کو جو لوگ سوشلسٹ قرار دیتے ہیں، وہ ان پر بہتان باندھتے ہیں۔ انھوں نے کبھی سوشلزم کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس قائد اعظمؒ اور قائد ملتؒ نے ہمیشہ قرآن و سنت کا نظام جاری کرنے پر زور دیا۔ قائد اعظمؒ نے ہمیشہ اسلامک

سوشل جسٹس کا لفظ استعمال کیا ہے آج اسلامی سوشلزم کا لفظ استعمال ہو رہا ہے اسی طرح قائد ملت
نے بھی کبھی سوشلزم کی حمایت نہیں کی - بلکہ ایک اور ملاقات میں جبکہ بعض حلقے ان پر شدید نکتہ
چینی کر رہے تھے - انہوں نے کہا
مولانا! لوگ سمجھتے ہیں کہ میں اسلام کا نام صرف سیاست کے طور پر استعمال کرتا ہوں
- لیکن میرا ایمان ہے کہ پاکستان کی بقاء اسلام ہی سے وابستہ ہے - اگر یہاں اسلامی نظام کے علاوہ
کوئی دوسرا نظام نافذ کیا گیا تو یہ قوم نہ رہ سکے گا -

وما علینا الا البلاغ

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے

یہ معرکتہ الآراء تقریر کمالیہ شہر میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام نظام اسلام کانفرنس میں ارشاد فرمائی جسے جناب مولانا محمد زکی کیفی مرحوم نے ضبط تحریر کیا (مرتب)

جناب صدر، حضرات علمائے کرام اور معزز حاضرین جلسہ آج مجھے آپ کے شہر کمالیہ میں حاضر ہو کر بے حد مسرت اور خوشی ہوئی کہ آپ نے دین کے ایک خادم اور ایک طالب علم کی آمد پر صرف حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ انتہائی گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔

اگر کوئی شخص کوئی مقصد لے کر کسی جگہ پہنچتا ہے اور عوام اس کا استقبال کر کے اس کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ تو حقیقت میں یہ اس شخص کا استقبال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس مقصد کا استقبال ہوتا ہے جس کو وہ لے کر آتا ہے۔ آپ نے جس مقصد سے اس گرمجوشی اور جوش و ولولہ کے ساتھ استقبال کیا میں یقین دلاتا ہوں کہ ان شاء اللہ وہ مقصد پورا ہو کر رہے گا۔

پاکستان کو قائم ہوئے تئیس ۲۳ برس کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اور تئیس ۲۳ کا عدد ہی وہ عدد ہے جس نے دنیا میں نیا انقلاب پیدا کر کے دکھا دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل تئیس ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں ایک ایسا انقلاب پیدا فرمایا کہ انسانوں کی تاریخ میں اتنی کم مدت میں اس طرح کایا پلٹ ہونے کی کوئی مثال نہیں مل سکتی جو قوم پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھی اس کو دنیا کا معلم بنا کر دکھا دیا۔ بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والوں نے سلطنت و حکومت کی باگ ڈور سنبھال کر ایک نئی تہذیب اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھ دی۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تیئیس سالوں میں زندگی کے ہر شعبہ میں ایک دور رس اور اہم تبدیلیاں پیدا کر دیں جس سے اس وقت تک دنیائے انسانیت ناآشنا تھی۔ اور جن اصولوں کو اختیار کئے بغیر دنیا کو امن اور سکون کا راستہ ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔

پاکستان قائم ہوئے بھی تیئیس سال ہو چکے اور جب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ اس مدت میں پاکستان اپنے مقصد کے حصول میں کس قدر آگے بڑھا تو دل خون ہو جاتا ہے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم آج بھی ۴۷ء کے دور میں کھڑے ہیں بلکہ عجب نہیں کہ اس سے بھی زیادہ انحطاط کے دور میں داخل ہو گئے ہوں مقصد پاکستان کے سلسلے میں قدم آگے تو کیا بڑھتے اس عرصہ میں بعد کی قوم میں وہ تمام برائیاں آ گئیں جو قوموں کی تعمیر و ترقی کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہیں فحاشی عیاشی، فسق و فجور اور دینی بیزاری کی وباء اس طرح پھوٹ پڑی ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی زد سے باہر نظر نہیں آتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلے تو بنی اسرائیل چالیس سال تک وادی تیہ میں سرگرداں پریشان ٹھوکریں کھاتے رہے اور راستہ نہ ملتا تھا۔ شاید ہم بھی آج کسی ایسے ہی عذاب میں مبتلا ہو کر پریشان پھر رہے ہیں۔ ۱۴ اگست ۴۷ء اور آج کے حالات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اس وقت بھی ہمارے پاس کوئی دستور نہیں تھا اور آج بھی ہم اسی طرح دستور سے محروم ہیں اس وقت پاکستان بننے نہ بننے کی جنگ لڑی جا رہی تھی آج پاکستان رہنے نہ رہنے کی جنگ لڑی جا رہی ہے اس وقت نظریہ پاکستان کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا آج نظریہ پاکستان کو بھی چیلنج کیا جا رہا ہے۔

کتب میں ایک واقعہ پڑھا تھا کہ حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل فرماتے تھے ایک قریبی بستی میں کوئی درویش خدا مست رہتا تھا حضرت شیخ اس کی زیارت کے لئے پیدل تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں دو مسافر اور مل گئے معلوم ہوا کہ وہ دونوں بھی اسی درویش کے پاس جا رہے ہیں تینوں حضرات ایک ہی راستہ پر ایک ہی منزل کے لئے روانہ ہو گئے لیکن ایک دوسرے سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ اگرچہ تینوں ایک ہی مرد درویش کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن مقصد تینوں کے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ پہلے مسافر نے

بتایا کہ میں اس غرض سے جا رہا ہوں کہ شیخ کا امتحان لوں کہ علم و عمل کی حالت کیا ہے۔ واقعی بزرگ ہے یا صرف ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ دوسرے مسافر نے کہا کہ میں تو ان شیخ کی خدمت اس غرض سے جا رہا ہوں کہ ان سے دعا کراؤں تاکہ میری دنیاوی مشکلات قرض وغیرہ دور ہو سکیں اور میں راحت و اطمینان سے زندگی بسر کر سکوں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ بھائی میں تو ان بزرگ کا امتحان لینے جا رہا ہوں کیوں کہ اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ گستاخی کو اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ سمجھتا ہوں۔ نہ دنیاوی اغراض پوری ہونے کے لئے جا رہا ہوں میرا مقصد تو صرف ان بزرگ کی زیارت کرنا ہے۔ کیوں کہ میں نے پڑھا ہے کہ اللہ والوں سے ملنا عبادت ہے۔ صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ان کی خدمت میں پہنچنا میرا مقصد ہے۔ یہ تینوں مسافر اس بزرگ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے آنے کے مقاصد بیان کئے۔

شیخ نے پہلے مسافر سے فرمایا کہ تیرے سوالات کے جوابات یہ ہیں۔ اور سب سوالوں کے جوابات بتا کر فرمایا کہ میں تیری پیشانی پر کفر کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ دوسرے مسافر کے لئے بھی دعا فرمائی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری غربت کو دور فرمایا اس کے بعد سید شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ سے مصافحہ فرمایا اور ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ مجھے بغداد کی جامع مسجد نظر آ رہی ہے جس میں تم کھڑے ہو کر کہہ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی معرفت کا سب سے زیادہ خزانہ عطا فرمایا۔

آج غور کرتا ہوں تو سمجھ میں آتا ہے کہ جب پاکستان کی تحریک شروع ہوئی تو سب نے مل کر نعرہ لگایا لے کے رہیں گے پاکستان۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ ان میں سرکاری افسران کا گروہ بھی تھا بڑے بڑے تاجر سرمایہ دار اور جاگیردار بھی تھے اور علماء و مشائخ مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا ظفر احمد عثمانی مفتی محمد شفیع پیر صاحب مانکی شریف اور پیر صاحب وغیرہ بھی اس تحریک کی روح رواں تھے۔

حصول تینوں کا پاکستان کا قیام ہی تھا۔ لیکن تینوں گروہ کے اغراض و مقاصد بالکل علیحدہ علیحدہ تھے۔

سرکاری ملازمین پاکستان کے بننے کے بعد حکومت کی کرسیاں سنبھال کر بیٹھ گئے -
وزارت و سفارت کے عہدوں پر مامور ہوئے اور مطمئن ہو گئے کہ پاکستان بن گیا-

تاجروں نے پاکستان میں آ کر بڑی بڑی ملیں اور فیکٹریاں قائم کیں- غیر ملکی تجارت
سے بے اندازہ دولت کمائی زمینداروں نے اپنی جاگیر داریاں قائم کیں ' ہزاروں ایکڑ زمینوں کے
ذریعے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ اپنے اپنے محلوں میں فروکش ہو کر داد عیش دینے لگے اور
سمجھے کہ پاکستان بن گیا-

لیکن غریب علماء مشائخ اور عوام اسی طرح خالی دستیوں میں پھنسے ہوئے ہیں- وہ سمجھتے
ہیں کہ ابھی تک ان کا پاکستان نہیں بنا کیوں کہ صرف نماز روزہ حج زکوۃ وغیرہ عبادات آزادی کے
ساتھ ادا کرنے کے لئے ہی پاکستان نہیں بنایا گیا تھا بلاشبہ اس کا یہ بھی ایک مقصد تھا
لیکن اس کے علاوہ دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ اسلام کا لایا ہوا معاشی نظام اس پاک خطہ
میں رائج کیا جائے- جس کے بعد پوری دنیا اس نظام کی برکات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرے-
غریب کی غربت دور ہو سکے اور امیر امیر تر ہو کر دولت کی بنیاد پر ملک پر اجارہ داری قائم نہ کر سکے
-لیکن افسوس ہے کہ جو افسر شاہی اس ملک پر مسلط ہو گئی تھی- اس نے قدم قدم پر اسلام کا
راستہ روکا اسلامی نظام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں غلام محمد نے نعرہ بلند کیا کہ اسلامی
نظام جاری نہیں ہو گا- لیکن آج معلوم نہیں اس کی قبر میں ہڈیاں وغیرہ بھی موجود ہیں یا نہیں

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا

ملک میں ایسی فضاء قائم کر دی گئی جس میں اللہ اور اس کے رسول کی عزت بھی محفوظ نہ
رہنے کا خطرہ سامنے آ گیا- شعائر اسلامی کی تضحیک عام ہو گئی ' علماء کو بدنام کرنے کے لئے
باقاعدہ پلان بنائے گئے اور ہدف ملامت بنایا گیا افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض علماء بھی ان کے

ہوا ان کر علماء کو گندی اور غلیظ گالیاں دینے لگے مجھ سے اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ صاحب آپ نے بھی انہیں مدرسوں میں پڑھا اور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ جس سے انہوں نے علم حاصل کیا۔ لیکن آپ نے ان کی طرح گالیاں دینے کا طریقہ کیوں نہیں سیکھا میں نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم نے تین اساتذہ سے پڑھا جن کا فیض صحبت ہمیں نصیب ہوا وہ گالیوں کا جواب گالیوں سے تو کیا دیتے دشمنوں کے حق میں بھی دعا خیر ہی کرتے رہے۔

وفا سرشت ہوں شیوہ ہے دوستی میرا
نہ کی وہ بات جو دشمن کو ناگوار ہوئی

وہ تو شرافت مجسم اور سراپا لطف و کرم تھے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ سے ان کی تقریر کے دوران کسی نے اٹھ کر سوال کیا کہ مولانا ہم نے سنا ہے کہ آپ ولد الزنا حرامی ہیں آپ نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ میاں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ تو آج تک زندہ موجود ہیں ان سے جا کر معلوم کر لو پھر تقریر شروع کر دی۔

ہم نے تو بحمد اللہ انہی اساتذہ کا دامن پکڑا۔ البتہ جن لوگوں نے ان بزرگوں کا دامن چھوڑ کر سرخوں سے تعلقات استوار کئے اور ان کے ساتھ رو ابط ہو جائے۔ گالیاں بھی انہی سے سیکھیں اور علماء کو بدنام کرنے کا طریقہ بھی انہیں سرخوں سے حاصل کیا۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ پاکستان میں افسر شاہی کے تسلط نے سرمایہ دارانہ نظام کو رائج کیا۔ سودی کاروبار اجارہ داریاں۔ پرمٹ سسٹم کی وجہ سے بائیس تیئس خاندان پوری قوم کی دولت سمیٹ کر بیٹھ گئے اور پوری قوم معاشی بحران میں مبتلا ہو کر رہ گئی اگر پاکستان میں یہی سرمایہ دارانہ لعنتی نظام قائم کرنا تھا تو پھر علیحدہ ملک بنانے اور لاکھوں بے گناہوں کے سر کٹوانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ نظام تو متحدہ ہندوستان میں بھی جاری کیا جا سکتا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں ایک عبوری حکومت بنی تھی۔ جس میں پانچ مسلم لیگ کے اور پانچ کانگریس کے وزیر لیے گئے تھے۔ اس میں

وزیر خزانہ لیاقت علی خان مرحوم بنائے گئے میں اس وقت نئی دہلی میں مقیم تھا۔ لیاقت علی مرحوم
کا فرستادہ میرے پاس آیا اور کہا کہ قرآن کریم نے معاشی نظام کے لئے جو ہدایت قرآن حکیم
میں دی ہے ہمیں وہ آیت تحریر فرمادیں میں نے سورہ حشر ۲۸ ویں پارے کی یہ آیت ان کو لکھ کر دی

کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم

تاکہ دولت تمہارے امیر لوگوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے

یعنی قرآن حکیم نے اس آیت میں فرمادیا کہ نظام معیشت اس طرح چلایا جائے جس
کے ذریعے سے دولت زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں گردش کرتی رہے۔ چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ
جائے چنانچہ چوہدری محمد علی صاحب اور ممتاز حسین دونوں حضرات نے اس وقت کا بجٹ بنایا تو
قرآن کریم کی یہی آیت اس کی ابتداء میں لکھی گئی تھی ہندوستان کا یہ پہلا اور آخری بجٹ تھا جس
کی ابتداء قرآنی آیت سے کی گئی تھی۔

پاکستان بنانے والی جماعت اور اس کے لیڈر حضرات نے واضح طور پر اس وقت یہ کہا تھا
کہ ہم پاکستان اس لئے بنانا چاہتے ہیں۔ جس میں اسلامی نظام معیشت رائج کیا جا سکے۔ جس کی خبر
اس آیت میں دی گئی ہے لیکن پاکستان کے بن جانے کے بعد افسر شاہی نے سرمایہ دارانہ نظام رائج
کا ایک ایک آدمی کو ۲۰-۲۶ فیکٹریاں اور انڈسٹریاں دی گئیں۔ جس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ دولت
چند ہاتھوں میں مقید ہو کر رہ گئی ہے آج کے نوجوانوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہر خرابی کی ذمہ
داری علماء کے سر تھوپ دی جائے میں پوچھتا ہوں کہ ان اجارہ داریوں کے قائم کرنے میں علماء
نے کب کس کے ساتھ تعاون کیا۔ علماء نے تو جب انگریز ہندوستان میں قدم جمانے کی فکر کر
رہا تھا اور سودی نظام کا راستہ ہموار کرنے کی فکر میں تھا اس وقت کھل کر انگریزی سامراج سے ٹکر
لی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ مولانا قاسم نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے باقاعدہ جہاد کیا شیخ
الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جرم کی پاداش میں جیل کی صعوبتیں گوارا کیں۔
کیونکہ یہ علماء جانتے تھے کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام رفتہ رفتہ عوام کو کنگال بنا کر رکھ دے گا۔
انہوں نے ہمیشہ اس نظام کی تقریری، تحریری اور عملی طور پر کھل کر مخالفت کی برخلاف کی

تہذیب کے دلدادہ حضرات ہیں کہ انھوں نے اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کو بھی قرآن و سنت کے
مطابق قرار دینے کی سعی نا حاصل کی اور سود کے جواز کی راہیں تلاش کرتے رہے۔ اور اب جس
وقت اس سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاریاں سامنے آگئیں تو اعمال پر پردہ ڈالنے کے لئے علماء و
مشائخ کو بدقسمتی سے شروع کر دیا۔ آج انھیں لوگوں کو سوشلزم بھی قرآن و سنت کے مطابق نظر آ
رہا ہے۔ آج جو لوگ غریبوں کے ہمدرد بن کر سامنے آئے ہیں ان کی زندگیوں کا جائزہ لے کر
دیکھئے جن کی تمام زندگی فضول خرچی اور عیاشیوں میں گذر رہی ہو جن کے یہاں شراب کا بھی
ناغہ نہیں ہوتا وہ غریبوں کے ہمدرد بن کر اٹھے ہیں خدا کی قسم ان کے دل میں غریب کا درد نہیں
ہے صرف اپنا الو سیدھا کرنا ان کا مقصد ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی اپاہج کو گاڑی میں ڈال کر اس اپاہج کے نام پر بچے کھچے افراد
خیرات مانگتے ہیں دن بھر اپاہج کو دکھا دکھا کر روپے بٹورتے جاتے ہیں اور شام کو غریب اپاہج کو
روٹی کے چند ٹکڑے دے کر باقی تمام رقم خود ہضم کر جاتے ہیں بالکل اسی طرح یہ لوگ مزدوروں
اور کسانوں کے خیر خواہ اور ہمدرد بن کر اپنی جھولی بھرنا چاہتے ہیں مزدور سے کہا جاتا ہے کہ
تمہاری تنخواہ ۵۰۰ کر دی جائے گی۔ کسانوں سے کہا جاتا ہے کہ زمینیں تمہاری ملکیت میں دے
دی جائیں گی کی فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کو بتایا جاتا ہے کہ فیکٹریاں تمہیں مفت دی جائیں گی
معلوم نہیں جن مولویوں کو ان سرخوں نے اپنا ہمنوا بنایا ہے ان سے کیا وعدہ کیا ہے۔

میں نے سوشلسٹ ممالک کو دیکھا ہے چین کا ایک ماہ تک دورہ کیا میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ وہاں کسی کو ایک بالشت زمین نہیں دی گئی کسی کو فیکٹریاں نہیں ملتی ہیں۔ کسی مزدور کو
کوٹھی نہیں ملی۔ ایسا نہ ہو کہ خوشحالی اور امیر بننے کے لالچ میں آپ کو اپنی جمع پونجی سے بھی ہاتھ
دھونا پڑ جائے۔

ایک عورت ایک تانگہ میں سوار ہوئی اور راستہ میں کوچوان سے کہا کہ میاں تمہیں
دس روپے دوں گی اگر تم کچہری میں جا کر یہ کہہ دو کہ میں نے اس عورت کو طلاق دے دی اس
میں تمہارا نقصان کچھ نہیں مفت میں دس روپے کما لو گے تانگہ والے کے یہ بات سمجھ میں آگئی اور

اس نے عدالت میں جا کر بیان دیا کہ میں اس عورت کو طلاق دیتا ہوں یہ کہہ کر جب وہ چلنے لگا تو عورت نے عدالت سے کہا جب اس نے مجھے طلاق دے ہی دی تو میرا مہر تو اس سے دلوا دیجئے اب تانگے والے حضرت گھبرائے عدالت کو یقین دلانا چاہا کہ یہ تو میری بیوی ہی نہیں ہے بہت کچھ منتیں کیں لیکن عدالت میں چلتے ہی قرار دی گئی لازم جانت ہو پہنچے تھے نتیجہ یہ کہ گھوڑا تانگہ نیلام ہوا اور عورت کو مہر کے عوض دے دیا۔ ہم لوگوں کی مجھے ڈر ہے کہ آج سوشلزم کی تائید کرنے والوں کا انجام بھی اس حکایت سے مختلف نظر نہیں آتا آپ کو پتہ ہے کہ سوشلزم کا پہلا کام قومیانا ہے جس کو انگریزی میں نیشنلائزیشن کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کہ قوم کو دے دو لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ سرمایہ داروں اور مل مالکوں سے ان کی فیکٹریاں چھین کر بارہ کروڑ عوام میں تقسیم کر دی جائیں تو بھی غنیمت ہوتا لیکن قومیانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ بیس چالیس خاندانوں کے ہاتھوں سے دولت چھین کر ملک کی تمام دولت کو چھ سات سو ایسے حضرات کے قبضہ و تصرف میں دے دیا جائے اور وہ اپنی صوابدید کے مطابق اپنی مرضی سے اس دولت کے اجارے سے جس طرح کی چاہیں جس کو بخشنا چاہیں دے دیں جس سے ناراض ہو جائیں اس کو محروم کر دیا جائے۔ کوئی احتجاج کوئی اپیل یا کسی قسم کی بحالی وغیرہ تو سوشلزم میں کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

آپ سوچئے کہ کیا اس راستے سے آپ کا معاشی مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں!

سوشلزم قائم ہونے کے بعد مذہب کس طرح برداشت ہو کر رہ جاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ سعودی عرب سے ہر سال ہر ملک سے آنے والے حاجیوں کی تعداد سرکاری طور پر شائع کی جاتی ہے اس فہرست کو اٹھا کر دیکھئے روس اور چین سے کوئی مسلمان حج کرنے کے لئے پہنچا۔ جہاں مسلمان تین چار کروڑ کی تعداد میں بستے ہیں اور نہ روس سے ہی کوئی مسلمان حج کیلئے آیا سمرقند بخارا کا وہ خطہ جہاں — علوم حدیث کے چشمے پھوٹے امام بخاری اور

عالم اسلام کا خطہ وہ سرزمین ہے جس نے علوم نبوت کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا - آج اسی
سوشلزم کے باعث اس دردناک دور سے گزر رہا ہے کہ وہاں سے کوئی مسلمان حج کے لئے بھی
نہیں آسکتا - معلوم نہیں اس صاف اور واضح حقیقت کی موجودگی میں کس طرح ہمارے بعض
علماء سوشلسٹ عناصر کے ساتھ لگے ہوئے ہیں

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں!

آپ حضرات خوب سمجھ لیجئے کہ یہ الیکشن عام الیکشنوں سے بالکل مختلف ہے یہ الیکشن
پاکستان کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا الیکشن ہے اگر یہاں خدانخواستہ سوشلزم آگیا تو مشرقی پاکستان اور
مغربی پاکستان کا وجود باقی نہیں رہ سکتا آج کانگریس کے پٹھو اور تحریک پاکستان کے مخالف علماء خود
پر سوشلسٹ عناصر کے ساتھ لگ گئے ہیں آپ اسلام کا ساتھ دیجئے - مجھے بے حد مسرت ہے کہ
الحمد للہ پاکستان کے غیور مسلمان بیدار ہو چکے ہیں - وہ سوشلزم کی تباہ کاریوں سے واقف ہیں اور
اس کو پاکستان میں شکست فاش دینے کے لئے پوری طرح تیار ہیں - ان شاء اللہ اس ملک میں
اسلام کی لڑائی جیتی جائے گی اور سوشلزم کو ایسی شکست سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے بعد اس کو
دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی اپنے قدم جمائے رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

آخر میں میں ان سوالات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو مجھ سے کئے گئے ہیں - ان میں سے
اکثر تو وہ سوالات ہیں جن کے جواب میں بار بار اپنی تقریروں میں دے چکا ہوں - البتہ دو ایک
سوالات نئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ

کیا مولانا شبیر احمد عثمانی نے قائد اعظم کے انتقال پر یہ کہا تھا کہ جناح امر گئے

یہ بات بالکل خلاف واقعہ اتہام اور جھوٹا پروپیگنڈہ ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
قائد اعظم سے وہ کام لیا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے - قائد اعظم کے چہلم کا جس وقت موقعہ آیا
اس وقت علامہ شبیر احمد عثمانی نے فرمایا کہ اگرچہ رسم چہلم وغیرہ کے قائل نہیں اور چہلم میں
شرکت نہیں کیا کرتے مگر قائد اعظم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جائیں گے -

دوسرا سوال یہ تھا کہ ہفت روزہ لیل و نہار میں شائع ہوا ہے کہ میں نے چار لاکھ روپیہ سودی قرض پر لیا تھا مجھ پر وقتاً فوقتاً جو الزام تراشیاں کی گئیں ہیں یہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اگر کسی مل یا فیکٹری میں میرا کوئی حصہ ثابت کر دیا جائے تو میں وہ حصہ ثابت کرنے والے کو دینے کے لئے تیار ہوں۔

لیل و نہار کی چالاکی اور فراڈ کا اندازہ اس بات سے لگتا ہے کہ اس نے کاغذات میں احترام الحق کی بجائے احتشام الحق بنانا چاہا اور احترام کی آر کو ایسا بنانے کی کوشش کی گئی پھر بھی ریچ کے بغیر وہ احتشام الحق نہیں بن سکا میں نے اس پورے تیس سال کے عرصہ میں نہ سود اور نہ بغیر سود کے کسی بنک سے کوئی قرض نہیں لیا احترام الحق میرے لڑکے کا قصہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ایک دوست کے ساتھ شرکت کی تھی اسی سلسلہ میں یہ درخواست لکھی گئی جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس میں معاملہ کرنا پڑے گا تو انہوں نے اسی وقت اس معاملہ سے علیحدگی اختیار کر لی اس لئے اس سودی معاملہ میں مجھے یا میرے لڑکے کو ملوث رکھنا دشمنی اور مخالفت کے سوا کچھ نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ حکومت اس قسم کے فراڈ کو دیکھتی رہتی ہے اور اس قسم کی اوچھی حرکت کرنے والوں پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی۔ ایک سوال شوکت اسلام کے سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ ہم لوگ اس میں کیوں شامل نہیں ہوتے۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ مرکزی جمعیت علماء اسلام کی ذمہ داری مجھ پر ہے جب جلوس شوکت اسلام کا اعلان جو اس کے بعد ۱۱ اپریل کو لائل پور میں جماعت اسلامی کے بعض ذمہ دار حضرات سے ہماری گفتگو ہوئی ہم نے کہا کہ مخالفین ہم پر ذیلی جماعت ہونے کا الزام پہلے ہی لگاتے رہتے ہیں۔ اب اگر اس انداز سے ہماری شمولیت ہوگی تو مخالفین کو مزید موقع مل جائے گا اس کے علاوہ ہماری اپنی جماعت میں اختلاف ہونے کا خطرہ ہے اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے مشورہ کر لیا جائے پھر خواہ مشورہ میں یہی بات طے کر لی جائے کہ ۳۱ کو جلوس نکالا جائے گا لیکن اس کا ہمیں کوئی جواب نہ ملا پھر نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب سے بھی گفتگو ہوئی اس کا جواب بھی نہ ملا۔ اس کے بعد مفتی محمد شفیع مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا ادریس کاندھلوی وغیرہ

حضرات نے مجبوراً عدم شرکت کا فیصلہ کیا۔ جہاں تک کونسل لیگ سے اشتراک کا تعلق ہے تو ہم
نے کونسل لیگ حضرات سے اس عرصہ میں ملاقات کی نہ کوئی معاہدہ کیا۔ البتہ یہ کہ ٹیلی
فون تک پر میری ان سے کوئی گفتگو ہوئی نہ معاہدہ۔ اگر ہوگا تو سب کے ساتھ ہوگا۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان میں اسلام کو فتح و نصرت اور غلبہ کامل عطا فرمائے اور باطل
قوتوں کو ایسی شکست فاش نصیب ہو کہ پھر آئندہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

منشور اسلامی
ریڈیائی تقریر

خطبہ ماثورہ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل
عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله
فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده
لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمد اعبده و رسوله
صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين

(برادران ملت السلام علیکم)

پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ جس میں بالغ رائے دہی کی عمومی بنیاد پر آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخاب کی صورت نظر آرہی ہے اور اسی کا کرشمہ ہے کہ سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے جمہور ملت اور عوام سے خطاب کا موقع مل رہا ہے۔ میرے بھائیو اور دوستو! دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک پاکستان جس میں ہم اور آپ بستے ہیں وہ تاریخ کے کسی اتفاقی حادثے یا منہ زور قوت کے کسی منفی جذبے کی بناء پر وجود میں نہیں آیا بلکہ فرنگی راج سے ہندوستان کی آزادی کے بعد دس کروڑ مسلمانوں کی اقلیت کو ہندوؤں کی تیس کروڑ اکثریت کی غلامی سے بچانے کیلئے اور مستقبل میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی خاطر ایک ملک اسلام کے طور پر وجود میں آیا ہے۔

قائد اعظم مرحوم نے آزاد اسلامی وطن یعنی پاکستان کی تحریک تاریخ کے اس مشکل ترین دور میں اٹھائی جب سارا یورپ اور پوری مادی دنیا وطنی و لسانی قومیت کے تباہ کن نظریہ نیشنلزم کو اپنا عقیدہ حیات بنا چکی تھی اور ہندو کانگریس نے مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے متحدہ قومیت کے منصوبے کی بنیاد بھی اسی وطنی قومیت پر رکھی تھی۔ اسلامی قومیت کے نام پر پاکستان کی تحریک اس قدر مقبول، جاندار اور موثر تھی کہ دس کروڑ مسلمانوں نے فرقہ وارانہ تعصبات اور وطنی و لسانی قومیت کے بتان رنگ و خون کو توڑ کر اپنی ایمانی غیرت اور ملی اتحاد کا ایسا زبردست مظاہرہ کیا کہ ہندو اور انگریز دونوں کو تحریک پاکستان کے مطالبے کے سامنے جھکنا پڑا اور بالآخر مسلمانوں کی عظمت کو تسلیم پر مجبور ہو گئے۔

پاکستان اپنے شاندار پس منظر کی بناء پر جغرافیائی و لسانی نہیں بلکہ نظریاتی اور اسلامی ملک ہے جس کے دو بنیادی اور اہم مقصد تھے ایک اسلام کا سیاسی نظام یعنی قرآن و سنت کی

حکومت قائم کرنا، دوسرے قرآن و سنت پر مبنی ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا جو یورپ کے سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت لادینی نظاموں سے بالکل الگ اور مختلف ہے جس میں نہ کروڑ پتی پیدا ہوتا ہے اور نہ نان شبینہ کا محتاج فقیر لیکن نصف صدی کے قریب زمانہ گزرنے کے باوجود یہ دونوں صرف یہی نہیں کہ پورے نہیں ہوئے بلکہ ان مقاصد کو جن سازشوں سے پامال کیا گیا ہے کہ ان کی کہانی روح فرسا بھی ہے اور گنجائش وقت کے لحاظ سے طویل بھی تاہم ملک و قوم کے درد کی ترجمانی اس طرح کی جا سکتی ہے۔

اس موج کی قسمت پر روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

اس ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ پاکستان اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں ہی اپنے ان مخلص بانیوں سے محروم ہو گیا جو ملک کے بنیادی و تعمیری نظریات کے حامل اور علمبردار تھے اور ملک کی باگ ڈور فرنگی ذہنیت کے ان نوکر شاہیوں کے ہاتھ میں آگئی جنہیں نہ تحریک پاکستان سے کوئی لگاؤ تھا اور نہ اسلامی قومیت کے نظریہ پاکستان سے کوئی لگاؤ تھا اور نہ اسلامی قومیت کے نظریہ پاکستان کی نزاکتوں سے واقف تھے۔ جمہوریت، اسلام اور علماء سے بیزاری ان کو انگریز سے ورثہ میں ملی تھی وہ اسلام اور نظریہ پاکستان کی سربلندی سے زیادہ اپنا اقتدار اور ذاتی مفاد کو عزیز رکھتے تھے۔ جمہوریت کی جگہ آمریت و مخصوص ابتداء نے لی اور اسلام کی جگہ انسانی ذہن کے تراشے ہوئے لادینی ازموں اور نظاموں کو لانے کی سازشیں ہونے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا جو ہونا تھا کہ ایک طرف آمرانہ آرڈیننسوں کی بھرمار نے پوری ملت کی روح آزادی کو کچل کے رکھ دیا۔ رشوت، اقربا پروری اور نوکر شاہی کی دھاندلیوں نے عام انسانی زندگی کو جہنم بنا دیا۔ دوسری ---- شعائر اسلام کی کھلم کھلا بے حرمتی، قرآن و سنت کے خلاف عائلی قوانین اور سود و شراب کو حلال قرار دینے کے ذریعے اسلام کو مسخ کرنے کی سازش نے ہمارے ملک کی ساکھ اور حب الوطنی کے قیمتی سرمایہ کو زبردست نقصان پہنچایا پھر اس سے بھی زیادہ ستم یہ ہوا کہ اسلام نے اس معاشی نظام کو مسلسل نظر انداز کیا گیا جس کی ضمانت غیر منقسم ہندوستان کی عبوری حکومت

کے بارے میں دی گئی تھی جو مسلم لیگ کی طرف سے شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے ۱۹۴۶ء میں پیش کیا تھا، معاشی نظام سے متعلق قرآنی آیات سے جس کو شروع کیا تھا اس نظام کی جگہ یورپ کا نظام سرمایہ داری اور سودی نظام جاری رہا۔ تو گویا انسانی فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے صرف ناکام نہیں ہے بلکہ اس کی تباہ کاریوں پر دنیا کے مفکرین اور ماہرین معاشیات کا اتفاق ہے چنانچہ پاکستان میں بھی اس تباہ کن نظام کی بدولت ملک کا سرمایہ چند خاندانوں میں محدود ہو کر رہ گیا اور عام زرعی تجارتی و صنعتی اجارہ داری کی وجہ سے ملک کا عام طبقہ غربت اور فقر و فاقہ کا شکار ہو گیا ملک کی سیاسی افراتفری، انسانیت سوز معاشی ناہمواری اور اخلاقی بدحالی سے ملک کے ان بدخواہ عناصر نے پورے طور پر فائدہ اٹھایا جو ابتداء ہی سے تحریک پاکستان کے خلاف تھے یا بعد میں ہندو کی شہ پا کر پاکستان کے خلاف ہو گئے کہ جو دشمن عناصر اب تک زیر زمین سازشوں میں لگے ہوئے تھے۔ وہ علانیہ کھل کر سامنے آ گئے ہیں اور عام غریبوں مزدوروں اور کسانوں کو خوش حالی کا فریب دینے کے لئے انہوں نے سوشلزم کا نعرہ لگایا اور تحریر و تقریر اور غیر ملکی لٹریچر کی ترویج کے ذریعہ ملک میں لادینیت کا ایک وسیع جال پھیلا دیا ملک اور دین کے خلاف اس سازش میں وہ سادہ لوح نوجوان بھی دھوکے میں آ گئے جنہیں نہ تحریک پاکستان کے پس منظر سے کوئی واقفیت تھی اور نہ وہ سوشلزم کے بھیانک نتائج سے آگاہ تھے۔ بالآخر بگڑے ہوئے ان حالات نے ملک میں دو متضاد نظریات اور دینی و لادینی طبقوں کے درمیان جنگ کی صورت اختیار کر لی

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

ان حالات میں ملک کا موجودہ الیکشن صرف یہی نہیں کہ دینی و ملی حیثیت سے دور رس نتائج کا حامل ہے بلکہ پاکستان کی بقاء و عدم بقاء کے لئے بھی آخری ریفرنڈم اور دو ٹوک فیصلے کی حیثیت رکھتا ہے۔

ملک اور دین کی اس اہم ترین ضرورت کے پیش نظر مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی بھی مشرقی و مغربی پاکستان کے دونوں بازوؤں میں ایک آزاد جماعت کی حیثیت سے متحدہ طور پر حصہ لے رہی

ہے مشرقی پاکستان میں یہ جماعت مرکزی جمعیت کے ساتھ الحاق اور یکجہتی نظام اسلام پارٹی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

مرکزی جمعیت علماء اسلام کا قیام شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں ۱۹۴۵ء میں اس وقت عمل میں آیا۔ جبکہ تحریک پاکستان کو کانگریس کے نام نہاد علماء کی سرپرستی اور متحدہ قومیت کے سازشی محاذ کو توڑنے کی شدید ضرورت تھی چنانچہ بانی جمعیت اور دوسرے ارکان نے انتخاب میں اور سلہٹ و آسام اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کے دوش بدوش بھرپور حصہ لیا اور حصول پاکستان کے سلسلے میں مرکزی جمعیت نے وہ نمایاں خدمات انجام دیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا قائداعظم مرحوم نے انہی خدمات کو سراہتے ہوئے ۱۴ اگست ۴۷ء عیسوی میں پاکستان کے قیام کی رسم پرچم کشائی کراچی میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے ہاتھ سے اور ڈھاکہ میں جمعیت کے موجودہ صدر مولانا ظفر احمد عثمانی کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔ دستور کے اسلامی ہونے کے لئے ایک قرارداد مقاصد بھی مرتب کی اس کی ترتیب و تیاری انہی علماء کے ذریعہ ہوئی اسمبلی میں اس کی منظوری حضرت شیخ الاسلام ہی کی مساعی کا نتیجہ ہے۔

مرکزی جمعیت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۵۱ء میں اسی جمعیت کے اہتمام سے ملک کے مختلف فرقوں کے اکتیس علماء کو ایک نمائندہ کنونشن طلب کیا جس میں وہ مشہور ۲۲ نکات ترتیب دیئے گئے جو اسلامی دستور کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں مرکزی جمعیت کے پرچم سبز و سفید ۲۲ دھاریاں انہی نکات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

میری جمعیت کی نظر میں اس وقت اسلام اور پاکستان کو پیش آنے والے خطرات دو طرف سے ہیں۔ ایک ان جماعتوں کی طرف سے جو وطنی اور لسانی قومیت کی بنیاد پر مرکز کو مفلوج اور بے اثر کر کے صوبوں کو الگ الگ مملکت میں تقسیم کر دینا چاہتی ہیں دوسرا خطرہ ان جماعتوں کی طرف سے ہے جو لادینی معاشی نظام کے عنوان سے نظریہ پاکستان کو ختم کر کے اس ملک کو دوسروں کو دینا چاہتی ہیں۔ ہمارے دستور میں ان دونوں فتنوں کی روک تھام کی پوری کوشش کی گئی ہے اس منشور کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ملکی اور ملی مسائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے

پہلے حصے کا تعلق کتاب و سنت کے مقرر کردہ حدود سے ہے جس میں کسی قسم کی ترمیم یا کمی بیشی کا کسی
کو اختیار نہیں اور دوسرے حصے کا تعلق ان مسائل سے ہے جو مباحات کے دائرے میں آتے ہیں جن
میں نہ قرآن و سنت نے فریق کی حیثیت اختیار کی ہے نہ انہیں ان میں فریق بنایا ہے بلکہ ملک کے
باشندے وقت کی عام فلاح و بہبود کے پیش نظر اپنے شہری حقوق کے بارے میں جو موقف بھی
چاہیں اختیار کر سکتے ہیں اور سواد اعظم کا پیش کردہ موقف ہی اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول اور
پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔

اس منشور کا کاربنیادی نقطہ یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ رب العزت کا ہے اور وہی قانون کا منبع اور
سرچشمہ ہے جو چیز قرآن و سنت نے انسانوں کو عطا فرمائی ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا اور جو چیز
اللہ اور اس کے رسول نے نہیں دی اسے دنیا کی کوئی طاقت عطا نہیں کر سکتی اس لئے قرآن و
سنت کی روشنی میں بنایا ہوا دستور ہی سیاسی، اخلاقی اور معاشی و اقتصادی فلاح و کامرانی کا ضامن ہو
سکتا ہے۔

مرکزی جمعیت کے منشور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حقائق کی تعبیر اور افکار کے لئے اس
میں کوئی ایسی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی ہے جس سے لادینی نظریات سے مرعوبیت ٹپکتی ہو
کیونکہ لادینی نظام کی ہر اصطلاح اسلامی اور دینی مفہوم کو ادا کرنے سے قاصر ہے اس کے علاوہ
قرآن و سنت کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے دوسرے لادینی نظاموں سے تعبیر الفاظ کی بھیک
مانگنا بھی ہماری دینی غیرت کے خلاف ہے مرکزی جمعیت کے منشور میں وہ تمام تجویزیں موجود
ہیں جو ملک کی اسلامیت، ترقی اور خوشحالی اور اس کے باشندوں کی دینی اور معاشی اصلاح کی ضامن ہو
سکتی ہیں۔

احیائے دین کے عملی اقدامات سے علماء کی نگرانی میں ایک مستقل ادارے کا قیام بھی
شامل ہے جس کا مقصد ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جس میں خوف خدا آخرت اور اللہ و رسول
کی اطاعت کو زندگی کے شعبہ میں اولیت حاصل ہو جس میں ہر مسلمان باشندے تک اسلام کے
ضروری احکام پہنچانے کے لئے نشر و اشاعت کے تمام ذرائع سے کام لینا ارکان اسلام کی ادائیگی

میں اور شعائر اسلام کے فروغ کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنا سفر حج کے لئے تمام پابندیاں اٹھالینا اوقات کا انتظام مستند علماء دین اور صائب الرائے اشخاص کے سپرد کرنا ' خلاف اسلام مخرب اخلاق اور فحش لٹریچر پر پابندی عائد کرنا شراب نوشی ' فحاشی اور عریانی کو سختی کے ساتھ روکنا سرکاری تقریبات اور پاکستانی سفارت خانوں کو ان محرمات سے پاک کرنا اور اس قسم کے تمام منکرات کا استقبال اس ادارے کے فرائض میں داخل ہوگا۔

اس وقت سب سے اہم اور زیر بحث مسئلہ پاکستان کے لئے دستور سازی کا مسئلہ ہے مرکزی جمعیت علماء اسلام کے منشور کی رو سے دستور لازماً ایسا ہونا چاہیے جس میں قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی کی ممانعت کی صراحت کے ساتھ ساتھ وہ دستور ہر مکتب فکر کے علماء مجوزہ ۲۲ نکات پر بھی مبنی ہو اور جس میں ملک کی مقننہ ' عدلیہ اور انتظامیہ کو اسلامی احکامات کا پابند بنایا گیا ہو اور موجودہ تمام غیر اسلامی قوانین کو ایک مقررہ مدت کے اندر اسلامی سانچے میں ڈھالے جانے کی صراحت بھی اس دستور میں موجود ہو مرکزی طرز حکومت اور مرکز اور صوبوں کے مابین اختیارات تقسیم کے متعلق میری جماعت کے منشور میں پاکستان کے لئے وفاقی پارلیمانی طرز حکومت اور مضبوط مرکز کے ساتھ ساتھ صوبوں کو مکمل خود مختیاری دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے یعنی دفاع امور خارجہ ' کرنسی بیرونی اور بین الصوبائی ' تجارت اور مواصلات کے سوا باقی تمام امور میں صوبوں کو مکمل خود مختاری حاصل ہوگی البتہ کرنسی کے متعلق ملک لئے مشرقی بازو میں سرمایہ کے تحفظ کا معقول انتظام کیا جائے گا۔

بیرونی اور بین الصوبائی تجارت کی نگرانی اور انتظامات کے لئے تمام صوبوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک ایسا بورڈ قائم کیا جائے گا جو زر مبادلہ اور دوسرے تجارتی امور میں ہر قسم کی ناانصافی اور حق تلفی کے امکانات کو دور کر دے گا اور ماضی کی ناانصافیوں کی تلافی کے طریقے اختیار کرے گا خصوصاً مشرقی پاکستان کے ساتھ جو اب تک ناانصافیاں ہوئی ہیں دس سال کے اندر اندر ان کی مکمل تلافی کا انتظام کیا جائے گا مغربی پاکستان کے پس ماندہ علاقوں پر بھی خصوصی توجہ دی جائے گی نیز مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کی طرح صوبوں میں تقسیم کر دیا

جائے گا جس میں سے ایک صوبہ شمالی بنگال کا صوبہ ہوگا۔

مرکزی جمعیت کے منشور کے مطابق پاکستان کے تمام مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی غیر مسلم اقلیتیں اپنے مذہبی اور ثقافتی معاملات میں آزاد ہوں گی اور خالص اسلامی معاملات کے سوا تمام انتظامی معاملات میں غیر مسلموں کی رائے مسلمانوں کی رائے کے برابر ہوگی۔

مرکزی جمعیت کے منشور میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاشرے کو سود کی لعنت سے پاک کیا جائے گا اور سود کی تمام صورتیں ممنوع ہوں گی بینک کاری کے نظام کو سود کی بجائے مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کی شرکت و مضاربت کے اسلامی اصولوں پر چلایا جائے گا صنعتی اجارہ داریوں کو ممنوع قرار دے کر صنعت و تجارت میں آزاد مسابقت کی فضا پیدا کی جائے گی اور اس طرح رشوت اور ناجائز نفع اندوزی کی تمام صورتوں کو ختم کر دیا جائے گا سٹہ، قمار اور غیر شرعی ذخیرہ اندوزی کی ہر صورت کو سختی کے ساتھ روکا جائے گا اور اس کے لئے قید و بند اور جسمانی سزائیں مقرر کی جائیں گی۔

نئی قائم ہونے والی کلیدی صنعتوں کو حکومت کی نگرانی میں ہی چلایا جائے گا اور ان میں بھی حصے صرف ان لوگوں سے قبول کئے جائیں گے جن کی آمدنی ایک ہزار روپیہ سے کم ہوگی۔

منشور میں اس بات کی وضاحت بھی موجود ہے کہ مزدوروں کے حقوق و مفادات کے تحفظ پر فوری اور خصوصی توجہ دی جائے گی اور ایسا انتظام کیا جائے گا کہ مزدوروں کو ان کی محنت کا پورا معاوضہ مل سکے اور غربت و افلاس کے ظلم سے نجات حاصل کر سکیں نیز سرکاری ملازمتوں کی تنخواہوں میں موجود غیر معمولی تفاوت کو بھی کم کیا جائے گا اور نچلے طبقے کے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کی وصول یابی اور اس کی تقسیم کا باقاعدہ اور مکمل انتظام کیا جائے گا اور ایسا قانون بنایا جائے گا جس کی رو سے زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا قیام پاکستان سے اب تک جن سرمایہ داروں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی ان کو گذشتہ

سالوں کی زکوۃ ادا کرنے پر قانوناً مجبور کیا جائے گا۔ نظام زکوۃ سے متعلق جملہ امور کی نگرانی کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا جائے گا چونکہ انسانی زندگی میں ترقی اور اس کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا جائے گا چونکہ انسانی زندگی میں ترقی اور اس کے لئے محنت کی صحیح کشش انفرادی ملکیت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس قسم کی بہت سی حکمتوں کے پیش نظر اسلام نے انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا ہے اور قرآن و سنت کے بے شمار احکام کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے مثلاً زکوۃ، حج، میراث وغیرہ اس لئے انفرادی ملکیت کے حق کو باقی رکھا جائے گا لیکن ارتکاز دولت سے بچنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں گے جن چیزوں کو اسلام نے انفرادی ملکیت سے بالاتر رکھا ہے ان میں کسی کو اجارہ داری کا حق نہیں ہو گا غریبوں اور مسکینوں اور حاجتمندوں کے لئے معدنیات میں خمس کا طریقہ مقرر کیا جائے گا اور خمس کی یہ رقم بیت المال کو دی جائے گی اور اس رقم سے غریبوں اور مسکینوں کے لئے قومی سطح پر کارخانے قائم کئے جائیں گے یا ان کو روزگار کے لئے کاروبار مہیا کیا جائے گا۔

پاکستان جو حقیقت میں ایک زرعی ملک ہے اس کی زراعتی ترقی کے لئے خصوصی طور پر کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا حکومت کی طرف سے غریب کاشتکاروں کو غیر آباد زمینیں بلا قیمت دی جائیں گی اور ان کو آباد کرنے کے لئے طویل المعیاد بلا سود قرضے دیئے جائیں گے اور ہر ممکن سہولت مہیا کی جائے گی۔

مشرقی پاکستان میں سیلابوں کو روکنے اور مغربی پاکستان میں سیم و تھور پر قابو پانے کے لئے فوری اقدامات کئے جائیں منشور کی رو سے آزاد رکھا جائے گا اور انصاف کو مفت اور سہل الحصول بنایا جائے گا۔ تمام غیر شرعی ٹیکس فوراً منسوخ کئے جائیں گے اور خاص حالات میں اسلامی ضرورت کے مطابق ٹیکس کم سے کم لگائے جائیں گے انتظامیہ کی تمام کارروائیوں کو عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا تعلیم کی بنیادی اہمیت کے پیش نظر مرکزی جمعیت کے منشور میں یہ وضاحت موجود ہے کہ بلا امتیاز ملک کے تمام باشندوں کو کم سے کم میٹرک تک تعلیم دی جائے گی اور بتدریج تعلیم کو مفت بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

نظام تعلیم کو نظریہ پاکستان اور آزاد اسلامی ملک کے تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کے لئے ضروری
اقدامات کئے جائیں گے نیز تعلیم کو اسلامی سانچوں میں ڈھالنے کے لئے ہر علم کے نصاب کو اس
طرح مدون کیا جائے گا کہ اسلامی نظریات اور مسلمانوں کے افکار ہر علم و فن میں رچے ہوئے
ہوں ملک کی قومی اور سرکاری زبان اردو اور بنگالی کے فروغ کے ساتھ ساتھ عام صوبائی علاقائی
اور مادری زبانوں کا تحفظ کیا جائے گا۔

مخلوط طریق تعلیم کو ختم کر کے عورتوں کے لئے الگ نصاب مرتب کیا جائے گا
یونیورسٹی اور کالجوں میں سائنس اور فنی تعلیم کو خصوصی مقام دیا جائے گا۔ اساتذہ کی تنخواہوں کا
معیار ان کے شایان شان مقرر کیا جائے گا تمام تعلیمی اداروں میں بنیادی فوجی تربیت کو لازمی قرار
دیا جائے گا ملک کے دفاع کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کی خاطر تمام مسلمان باشندوں میں جذبہ
جہاد کو ترقی دی جائے گی مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کو فوج میں پوری نمائندگی دی جائے گی۔
مشرقی پاکستان کے دفاع کی صورت کے لئے حربیہ کا دفتر چاٹگام اور دیگر دفاعی اداروں کے بعض
دفاتر مشرقی پاکستان میں کھولے جائیں گے جماعت کا تعارف اس کی دینی جدوجہد اور منشور کی چند
دفعات کا ذکر محض اس مقصد کی خاطر کیا گیا ہے کہ اس وقت پاکستان میں نظریاتی جنگ چھڑی
ہوئی ہے اور بعض سمتوں سے ملک کی نظریاتی اساس کو منہدم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ان
حالات میں مرکزی جمعیت علماء اسلام نے اس پروگرام کا اعلان کیا ہے کہ وہ انشاء اللہ نظریہ
پاکستان کے تحفظ کی خاطر اپنی پوری توانائیاں صرف کر دے گی اور اس ملک میں لادینی نظام کی
ہر سازش کو ناکام بنا دے گی۔

اسی بناء پر مرکزی جمعیت علماء اسلام ملک کے عوام سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے
بھرپور تعاون سے جمعیت کو اس جہاد میں کامیاب بنائیں۔

رب العزت ہماری حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور ہمارے عزائم و حوصلے میں مزید
استحکام عطا فرمائے۔ آمین

[illegible]

بنگلہ دیش کے موضوع پر
ایک فکر انگیز تقریر

خطبہ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا ونبینا محمد اعبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سے قبل جب ۱۹۷۰ء میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر الیکشن ہونے والا تھا اور انتخابی سرگرمیاں تیزی کے ساتھ جاری تھیں تو میں اس زمانے میں آپ کے مشہور شہر ملتان میں کوچہ گردی کرتا ہوا کئی مرتبہ حاضر ہوا تھا کیونکہ اس وقت اپنا طریق کار یہی تھا کہ صبح کہیں اور شام کہیں آج مشرقی پاکستان میں تو کل صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اور اس وقت بھی میں نے احباب سے یہی بات کہی تھی

گہ معتکف دیرم گہ ساکن مسجد
یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

اس وقت ایک ایک گھر ایک ایک بستی اور ایک ایک شہر حتی کہ آپ کے شہر میں بھی حاضر ہو کر میں نے یہ بات کہی تھی کہ یہ انتخاب پاکستان کا پہلا انتخاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہی پاکستان کا آخری انتخاب بھی ہو۔ اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ اس زمانے کی بہت سی باتوں کا لوگ، یہ سمجھ کر نوٹس نہیں لیتے تھے کہ یہ انتخابی پروپیگنڈہ ہے ہم نے دوستوں سے یہ بھی کہا کہ شیخ مجیب کو مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت حاصل نہیں ہے لیکن اس وقت بھی لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بات درست نہیں ہے اور شاید اب تک بھی یہی سمجھتے ہیں۔

میں نے آج ہی شام کے استقبالیہ میں یہ عرض کیا تھا کہ میں نے حمود الرحمن کمیشن کے سامنے پلٹن میدان کے اس جلسہ کا فوٹو پیش کیا ہے جس میں تقریر اردو میں ہو رہی ہے ہمارا جلسہ ہے ڈھائی تین لاکھ مسلمان پلٹن میدان میں جمع ہیں۔ میں نے کمیشن سے کہا کہ شیخ مجیب کے گڑھ میں اتنا عظیم الشان اجتماع اور یہ تصاویر بھی بنگلہ اخبار کی ہیں کسی اردو اخبار کی نہیں تو کیا

میں کراچی سے لوگوں کو ٹرک میں بھر کر لایا تھا یہ تو منظم اجتماع ہو آپ بھی فوٹو میں دیکھ رہے ہیں کہاں سے آئے ؟

کیا شیخ مجیب کو صد فیصد اکثریت حاصل ہے ؟ کیا آپ نے یہ نہیں پڑھا کہ لندن کے اندر بنگالیوں نے شیخ مجیب کے خلاف احتجاج کیا ہے اور انہوں نے مطالبہ بات کی ہے کہ ہم نے پاکستان سے علیحدگی کے لئے آپ کو ووٹ نہیں دیا تھا حالانکہ آپ نے پاکستان کو الگ کر کے رکھ دیا ہے - مظاہرہ وہاں بھی ہوا اور آج بھی مشرقی پاکستان کے اکثر علاقوں میں شیخ مجیب کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں اب تو آپ کو یقین آئے گا ؟
مگر جذبات میں نے کسی کی بھی نہ سنی تھی -

اسی دوران میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ یہ پہلا انتخاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ آخری انتخاب ہی ہو لیکن میں نے یہ بات کسی قدرت پیش گوئی کے طور پر نہیں کی تھی کیونکہ یہ بہت معمولی سی بات ہے کہ اگر دیوار کے پیچھے سے اٹھتا ہوا دھواں آپ کو نظر آئے تو معمولی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ دیوار کے پیچھے آگ لگی ہے اور چنگاریاں بھی لیکن ہم نے وہ اٹھتا ہوا دھواں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا - کاش ہمارے ساتھی بھی دیوار کے پیچھے سے اٹھتا ہوا دھواں دیکھ لیتے تو آج یہ روز سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا مگر وہ کہاں سے دیکھتے ان کو تو اپنے سوا کے علاوہ کسی دوسرے کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں تھی اپنے وجود اپنی جماعت اور اپنی تنظیم اور کے تنگ دائرے سے نکل کر اگر قوم اور ملک و ملت اور اسلام کے مفاد کی خاطر ہم اس پر توجہ مرکوز کر دیتے تو انہیں دھواں بھی نظر آتا اور وہ چنگاریاں بھی نظر آتیں جنہوں نے آج ہمارا سب کچھ جلا کر خاک کر دیا - دوستوں کی شکایت پر علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے -

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

علامہ اکبر الہ آبادی نے بھی ان الفاظ میں دوستوں کا گلہ کیا ہے -

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالب زمزمۂ بلبل شیدا نہ ملا

اس الیکشن کو ہوئے دو سال ہونے کو آئے اور مشرقی پاکستان اس الیکشن کے بعد ہونے والی زبر
دست خوں ریزی کے ذریعے نہ صرف ہم سے الگ ہو گیا بلکہ شرابی حکمرانوں کی بد مستیوں اور
سیاسی غداروں کی سازشوں کی بدولت ۹۳ ہزار مسلح پاک فوج کے ہتھیار ڈالنے کی بد ترین رسوائی بھی
ہمیں اور آپ کو دیکھنا پڑی جس کی نظیر تاریخ اسلام میں کہیں نہیں ملتی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس المیہ
کے اوپر ہمارے اور آپ کے دل نہ پسیجے ہوں لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ دنیا کا کوئی ملک ایسا
نہیں جہاں کے مسلمانوں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے حادثے پر ماتم نہ کیا ہو اور میرا خیال
تو یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا حادثہ عالم اسلام نے اسی طرح محسوس کیا ہے جس طرح
آج سے پچاس سال قبل خلافت عثمانیہ کے سقوط کو مسلمانوں نے محسوس کیا تھا اور اس وقت بھی
کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا جس نے خون کے آنسو نہ بہائے ہوں اور آج بھی کوئی مسلمان ایسا نہیں
تھا جس نے خون کے آنسو نہ بہائے ہوں اور آج بھی کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اس حادثے پر
گریہ کناں نہ ہوا ہو اور اگر آج شیخ مجیب، ذوالفقار علی بھٹو، جی ایم سید اور کانگریسی ذہن رکھنے والے
علماء اس حادثے کو عالم اسلام کا المیہ تصور نہ کرتے ہوں تو غیر جانبدارانہ جائزہ لینے کا ایک طریقہ
یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں بڑی سے بڑی اسلام دشمن طاقتیں تو نمبر ۱ امریکہ نمبر ۲ خود روس نمبر ۳
بھارت نمبر ۴ خود اسرائیل ۔۔۔۔۔ اور خود یہ طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں
۔ لیکن مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور پاکستان کے ٹوٹنے پر ان سب کی ہمدردیاں پاکستان کے خلاف
بھارتی جارحیت کے ساتھ ہیں۔ اور اسلام کے خلاف دشمنی رکھنے والی تمام طاقتیں آج خوشی میں
بغلیں بجا رہی ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ سب سے بڑا معیار ہے کہ ہمارا دشمن ہماری جس بات پر
خوش ہو وہ بات ہماری ہلاکت کا باعث ہے اور دشمن جس بات کو گوارا نہ کرے اسی میں

مسلمانوں کی فلاح ہے اور یہی وہ دلیل ہے جو قیام پاکستان کے وقت ہم پاکستان کی حمایت میں پیش کیا کرتے تھے کہ بھائی اگر پاکستان مسلمانوں کے لئے ضرر رساں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ہر ہندو پاکستان کی مخالفت کرتا ہے؟ ہم خواہ سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں لیکن یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس میں اسلام اور مسلم قوم کا کوئی مفاد ضرور ہے! جبھی تو کوئی مخالف اس کو گوارا نہیں کرتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت مشرقی پاکستان کا سقوط عالم اسلام کا اتنا بڑا حادثہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک خاموش ہیں بلکہ میں نے تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ سعودی عربیہ کے اندر بنگلہ دیش کا ذکر کرنے والے لوگوں کو حدود حکومت سے باہر نکال دیا گیا اور یہ اس لئے نہیں کہ ہمیں کسی قوم کی آزادی بری معلوم ہوتی ہے یہاں آزادی کا سوال نہیں، یہاں تو اسلام دشمن طاقتوں نے پاکستان کو توڑ دینے کے لئے جو سازش کی تھی اس کا مظاہرہ اس شکل میں نمودار ہوا ہے کہ ۹۳ ہزار فوج غنیم کے ہاتھ میں جانے کے بعد اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے کس طرح قوم کے حوصلے پست ہو گئے اور کس طرح ان کے دل ٹوٹ گئے آپ اندازہ لگایئے کہ ان تمام حوصلہ شکنیوں کے باوجود ایک موہوم سی خواہش یہ تھی کہ اگر اب ہم مغربی پاکستان کو نظریہ پاکستان کی بنیاد پر صحیح تعمیر کر لیں تو آج بھی ہم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں مگر افسوس یحییٰ خان کے ہاتھوں اس ملک کا قرعہ فال جس شخص کے نام نکلا وہ ایکٹنگ تو بہت اچھی طرح کرنا جانتا ہے۔ وہ اپنی تقریروں میں اونچی اونچی گالیاں بھی دے سکتا ہے، وہ جماعو کے رقص اور دھمال کا بھی ماہر ہے وہ مائیکروفون اور کوٹ بھی پھینکنا جانتا ہے غرضیکہ اس میں یہ سب کمالات ہیں لیکن ملک چلانا نہیں جانتا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے کہ :-

مجھ میں سبھی ہنر صحیح تاب تو ضبط کی نہیں\
شرط وفا وہاں یہی اور یہاں یہی نہیں

اسی طرح ایک اور شعر یاد آگیا :-

خدا نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں\
خبر نہیں روش بندہ پروری کیا ہے

یہ شکست خاطر قوم اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ کسی غدار جرنیل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو صدارت کا عہدہ دے یا کسی غیر فوجی کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنائے لیکن اس کے باوجود ہر فرد کی یہ خواہش تھی کہ اس وقت آئینی موشگافیوں سے قطع نظر ملک کو بچانے کی کوشش کرے تاکہ کسی طرح ملک بچ جائے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ جس وقت بھٹو صاحب نے اپنی سب سے پہلی نشری تقریر فرمائی تو کوئی سیاسی اور مذہبی تنظیم ایسی نہیں تھی کہ جس نے یہ نہ کہا ہو کہ اگر آپ واقعی ملک کو صحیح خطوط پر تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو تمام اختلافات کے باوجود ہم سب آپ کے پیچھے چلنے اور آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں لیکن دو تین یوم کے اندر ہی جس طرح چہرے کا نقاب اترا جاتا ہے "انتقامی کارروائیاں شروع کر دی گئیں اور ان میں جمہوریت و قانون کی جو مٹی پلید ہوئی اس سے اندازہ ہو گیا کہ یہ حل منزل سے چھٹنے والی نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کی نشری تقریر در حقیقت اس قسم کی افیون تھی "جس طرح ایوب صدر یا جس طرح آمر صدر قوم کو بے حس کرنے کے لئے کھلاتے رہے۔

چنانچہ بھٹو صاحب کو اس ملک میں حکومت کرتے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ گزر رہا ہے اور ہر آنے والا دن پہلے سے زیادہ خراب ہے جو ساعت آرہی ہے وہ پہلے سے بدتر ہے انہیں حالات کے پیش نظر میں اپنے ان نوجوانوں سے پوچھنا چاہتا ہوں جو ان کی لاٹھیوں کے متوالے ہیں اور وہ بچے ہیں اس موقع پر مجھے مولانا جلال الدین رومی کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ اور وہ یہ کہ ایک بہت بڑا زمیندار اپنے خچر پر سوار ہو کر کسی خانقاہ پر پہنچا اور اس کا مقصد تھا کہ وہاں ذاکرین زاہدین اور مجاہدین جمع ہو کر جو ذکر کا حلقہ بناتے ہیں میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ ان مجاہدین نے جب یہ دیکھا کہ ایک بہت موٹی اسامی آرہی ہے تو اس کو لوٹنے کا پروگرام بنا لیا چنانچہ اس زمیندار نے اپنا خچر باندھ کر ملازم سے کہا کہ میں تو حلقے میں شریک ہونے جا رہا ہوں تو خچر کی حفاظت کر اور جیسے ہی زمیندار اندر پہنچا تو ان سب نے آپس میں ہاتھ باندھ کر ایک حلقہ بنایا اور رقص کرتے ہوئے کہنے لگے خر برفت و خر برفت خر برفت یعنی گدھا بھاگ گیا گدھا بھاگ گیا۔ یہ زمیندار صاحب یہ سمجھے آج جو ذکر کا حلقہ ہے اس میں یہی مصرعہ سب کی زبان پر ہے چنانچہ یہ بھی مطلب سمجھے

بھیر ذکر کے حلقے میں شامل ہو گئے اور خود بھی یہی مصرعہ دہرانے لگے کہ خر برفت و خر برفت و خر برفت اور جب کافی دیر گذر گئی تو ایک مجاہد اٹھا اور ان کا خر کھول کر بازار میں فروخت کر آیا۔ اس کے بعد جب ملازم آیا تو اس نے دیکھا کہ زمیندار صاحب کا خر موجود نہیں ہے یہ دیکھ کر جب وہ شکایت کرنے پہنچا تو دیکھا کہ آقا خود بھی خبر دے رہے ہیں کہ خر برفت و خر برفت و خر برفت یعنی گدھا بھاگ گیا۔ ملازم یہ سمجھ کر اطمینان سے بیٹھ گیا کہ مجھ سے زیادہ تو میرے آقا کو گدھا بھاگ جانے کی خبر ہے کچھ دیر کے بعد جب آقا تشریف لائے اور خر کے متعلق دریافت کیا تو خادم نے کہا میں تو ناشتہ کرنے چلا گیا تھا اور جب واپس آیا تو خر موجود نہیں تھا پھر جب میں آپ کے حلقہ ذکر میں پہنچا تو آپ خود ہی خبر دے رہے کہ خر برفت و خر برفت و خر برفت یعنی گدھا بھاگ گیا۔ یہ سن کر آقا نے کہا لاحول ولا قوۃ ارے وہ تو تمام حلقے والے یہی کہہ رہے تھے کہ خر برفت و خر برفت و خر برفت اس لئے میں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا دی مجھے کیا خبر تھی کہ یہ جملہ کہنے سے میرے ہی گدھے پر ہاتھ صاف ہو جائے گا۔ میں پوچھتا ہوں! آپ نے اندازہ لگایا! کہ ہاں میں ہاں ملانے سے کیا ہوا! میں لوگوں کے حوالے نوجوانوں سے دریافت کرتا ہوں کہ تمہاری تقلید و مستی کی ان ساعتوں میں قوم کا کیا سرمایہ لٹ گیا ——— ؟

غور کرو! مولانا جلال الدین رومی نے ایسے ہی نا عاقبت اندیشوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

خلق را تقلید شاں برباد داد :-

کہ دو صد لعنت برایں تقلید باد

ایسی تقلید پر ہزار بار لعنت ہے کہ تم بلا سوچے سمجھے انجام سے بے خبر ہاں میں ہاں ملانے لگے!

آیئے! آٹھ ماہ کے عرصے میں برسر اقتدار پارٹی کے منشور کا تجزیہ جان لیں۔ کیونکہ نہ تو ہمیں گالیاں دینا آتی ہیں اور نہ ہمیں جہالت سے کام لینا ہے۔ اس منشور کی پہلی دفعہ یہ تھی: بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ منشور اصل میں تثلیثی منشور تھا۔ جس کے تین اجزاء تھے۔ جس طرح نصرانیوں کے تین اجزاء ہیں۔ باپ، بیٹا، روح القدس اسی طرح اس منشور کے بھی تین اجزاء تھے :-

اول: مذہب ہمارا اسلام ہے

دوئم: سیاست ہماری جمہوریت ہے

سوئم: معیشت ہمارا سوشلزم ہے

آج آٹھ ماہ کے بعد جائزہ لے کر دیکھئے! سب سے پہلے جمہوریت کا جائزہ لیجئے اور میری رائے میں دو ہی چاہئے اور دو ہی کسوٹیاں ہیں جمہوریت کی ایک کسوٹی ہے تشکیل حکومت اور دوسری کسوٹی ہے نفاذ احکام یعنی حکومت سازی کس طرح جائے اور حکومت چلائی کس طرح جائے تشکیل حکومت کے لئے عوام نے جن نمائندوں کو جن بنیادوں پر منتخب کیا تھا انہیں بنیادوں پر انہیں نمائندوں کے ذریعہ حکومت تشکیل دی جائے - اسی کا نام جمہوریت ہے اور یہی عوامی حکومت کہلائی جاتی ہے - اب آپ ہی ایمانداری سے بتائیں کہ مغربی پاکستان میں ووٹ دینے والوں نے کیا صرف مغربی پاکستان میں حکومت بنانے کے لئے ووٹ دیئے تھے ؟ یا مغربی اور مشرقی پاکستان کی وفاقی حکومت بنانے کے لئے ووٹ دیئے تھے ؟

اور اگر قومی اسمبلی کا انتخاب اس بنیاد پر ہوا تھا کہ مشرق و مغرب کا وفاق بنایا جائے تو پھر اکثریتی پارٹی شیخ مجیب کی پارٹی تھی اور اگر مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا تو معاف کیجئے موجودہ ایک علاقے کے لئے عوام نے آپ کو ووٹ نہیں دیئے تھے - لہذا جو مرکزی حکومت بنانے اور وفاق کی تشکیل کے لئے جو الیکشن ہوا تھا وہ کالعدم ہو گیا غور کیجئے ! کہ جب شیخ مجیب کی پارٹی اکثریت حاصل کر چکی تھی اور انہوں نے اسمبلی کا اجلاس ڈھاکہ میں طلب کیا تھا تو پھر یہ کونسا جمہوری اصول تھا کہ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کی طرف سے یہ کہا گیا کہ اگر کوئی وہاں کی اسمبلی میں شریک ہوگا تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی اور آج مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کے بعد اسی اکثریتی پارٹی نے وہ مقام حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جو پورے ملک میں شیخ مجیب کی اکثریتی پارٹی کو حاصل تھا - معاف کیجئے ! میں دیانتداری سے یہ سمجھتا ہوں کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے تو کسی نے مغربی پاکستان کے اندر اس بنیاد پر ووٹ نہیں دیئے تھے کہ مغربی پاکستان کی مرکزی حکومت بنے گی اور صرف چار صوبوں کا وفاق ہوگا اچھا تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کر

لیجیے کہ ہم اس پارٹی کو بھی اکثریتی پارٹی تسلیم کر لیں اور انتخابات کو بھی صحیح مان لیں۔ لیکن تشکیل حکومت کا یہ طریقہ جمہوری نہیں ہے کہ کوئی جنرل کسی شخص کو دست بدست صدارت کا عہدہ تفویض کر دیے کیونکہ اس کا بھی ایک جمہوری طریقہ ہے کہ ایوان کا اجلاس طلب کیا جائے اور اس میں کسی کو اکثریت حاصل ہو۔ کیونکہ ایوان کی اکثریت جس کو حاصل ہوتی ہے اسی کو وزیر اعظم کہا جاتا ہے اور وہی اسمبلی کا رکن وزیر اعظم تو ہو سکتا ہے لیکن کسی جنرل کے ہاتھ سے بنایا ہوا صدر نہیں ہو سکتا یا وہ اسمبلی کا ایک رکن صدارت کے اختیارات استعمال نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ پاکستان کا الیکشن وفاقی پارلیمانی بنیادوں پر ہوتا تو صدر کو اتنے ہی ووٹوں سے منتخب ہونا چاہیے جتنے ووٹوں سے پوری نیشنل اسمبلی منتخب ہوئی ہے اور جب آپ نے یہ دیکھ لیا کہ حکومت کی تشکیل جمہوری طریقوں سے نہیں ہوئی ہے تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ وہ جو کہا گیا تھا کہ ہماری سیاست جمہوریت ہے تو کیا اسی کا نام جمہوریت ہے؟

اسی کے ساتھ ساتھ وہ جو دوسرا پہلو نفاذ احکام کا ہے' اس کا بھی تجزیہ کرتے چلیں۔

یعنی اگر کوئی حکومت جمہوری طریقے سے تشکیل پا جائے تو جمہوری اقدار ختم نہیں ہو جاتیں' بلکہ جمہوریت نفاذ احکام کے بعد بھی باقی رہتی ہے مثلاً اگر کوئی حکومت جمہوری طریقے سے وجود میں آ جائے تو کیا یہ کہ کر کوئی ہمارے گھر میں گھس جائے گا کہ میں جمہوری طریقے سے آیا ہوں۔ اگر آپ جمہوری حکومت کے نمائندے ہیں تو کام بھی جمہوری اقدار کے مطابق کریں گے اور تمہارے نمائندوں نے جو قوانین بنائے ہیں' جو احکام وضع کئے ہیں انہیں بنیادوں پر تو کام ہو گا!

اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیوں صاحب مارشل لاء کے ذریعہ مارشل لاء کے ضوابط کا سہارا لینا۔ اس کے قوانین کو عبوری دستور میں شامل کرنا غیر ملکوں سے معاہدات کرنا اسمبلی کا اجلاس بلائے بغیر بجٹ پاس کرنا! کیا یہی آپ کا منشور تھا؟

میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں جو نعروں پر رقص کیا کرتے تھے کہ کیا اسی کا نام جمہوریت ہے؟ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ نہ تشکیل حکومت کا طریقہ جمہوری ہے اور نہ حکومت

کے احکام کا نفاذ جمہوری طریقے پر کیا جا رہا ہے!!

اب میں ایک دوسری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ برسر اقتدار پارٹی کے مقابلے میں جو اسلام پسند جماعتیں ہاری ہیں اس کی بنیاد یہی تھی کہ میں نے آپ کے سامنے روٹی کپڑا اور مکان کا وعدہ نہیں کیا تھا' بلکہ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنی تقریروں میں یہ بات کہی تھی کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے بڑی محبت ہے آپ نے فرمایا کہ :- فقر و فاقے کے لئے تیار ہو جاؤ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تجھے روٹی کپڑا اور مکان دوں گا لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ یہ چیزیں مہیا کرنا گناہ ہیں! بلکہ بڑی خدمت ہے' لیکن ہمیں تو یہ بات معلوم تھی اور دوستوں سے بھی کہتے تھے کہ ایک فقیر کسی سڑک کے کنارے بیٹھا ہوا یہ کہہ رہا تھا کہ ---- اے اللہ پیسہ دے اس وقت کسی رحم دل آدمی نے یہ صدا سن کر اس کے ہاتھ میں پیسے اور مٹھائی وغیرہ دے دی- اس فقیر نے جب یہ دیکھا کہ بہت سارا سامان جمع ہو گیا ہے اور میں اللہ تعالے سے جو مانگتا ہوں وہ دیدیتا ہے تو اس نے کہنا شروع کر دیا اے اللہ گھوڑا دے- قریب میں ایک پولیس والا کھڑا تھا اور اس کی گھوڑی نے بچہ دیا تھا اور اس کو اٹھا کر لے جانے والا کوئی نہیں تھا- اس پولیس والے نے جب یہ سنا کہ ایک آدمی گھوڑے کی دعا مانگ رہا ہے تو اس نے بلا لیا اور کہا کہ ہماری گھوڑی نے بچہ دیا ہے اس کو تھانے تک پہنچا دو- وہ فقیر بچارہ اٹھا کر لے چلا اور راستے میں کہنے لگا کہ اے اللہ پہلی دعا تو آپ صحیح سمجھے- لیکن دوسری صحیح نہیں سمجھے' کیوں میں نے تو گھوڑا ٹانگوں کے نیچے مانگا تھا آپ نے کاندھے پر دے دیا چنانچہ میں بھی یہی جانتا تھا کہ آپ کو جو کچھ ملنے والا ہے' وہ اپنی ٹانگوں کے نیچے ملنے والا نہیں ہے' بلکہ وہ کاندھوں پر ملنے والا ہے اور اس کے متعلق آج غریب مزدوروں اور کسانوں سے پوچھ لیجئے!

یہ بھی ایک مشہور واقعہ ہے کہ کوئی عورت ایک تانگے میں بیٹھی جا رہی تھی تو اس نے تانگے والے سے کہا کہ میں تجھے اتنی رقم دے دوں گی میرا پانچ منٹ کا کام ہے وہ انجام دیدے اور وہ کام یہ ہے کہ سامنے جو عدالت ہے اس میں جا کر بس تو اتنا کہہ دے کہ میں نے اس عورت کو طلاق دے دی- اس طرح میرا مقدمہ ختم ہو جائے گا اور میں تجھے کچھ رقم زیادہ دے دوں گی

تانگے والے نے سوچا کہ اس میں میرا کیا حرج ہے اور فوراً جج کے سامنے جا کر کہہ دیا کہ میں نے اس عورت کو طلاق دے دی جج صاحب نے اس کو نوٹ کر لیا اور جب یہ تانگے والا جانے لگا تو عورت نے کہا کہ جج صاحب اس نے مجھے طلاق تو دے ہی دی ہے۔ اب اس سے میرا مہر بھی تو دلوا دیجئے چنانچہ جج صاحب نے کہا کہ ارے میاں اس کا مہر تو ادا کر دو۔ یہ سن کر تانگے والا قسم کھا کر کہنے لگا کہ یہ تو میری بیوی ہی نہیں ہے۔ جج صاحب نے کہا کہ جب یہ تیری بیوی ہی نہیں تھی تو تو نے اس شاندار طریقے سے طلاق کیسے دے دی؟ اس کے بعد جج صاحب نے پولیس کو حکم دیا کہ اس کا گھوڑا تانگہ بازار میں لے جا کر نیلام کر دو اور اس عورت کا مہر ادا کرنے کے بعد جو رقم بچ جائے وہ اس کو واپس کر دو۔ یہ سن کر بیچارہ تانگے والا کہنے لگا کہ ہائے میں لالچ میں مارا گیا اور تو کیا ملتا جو تھا وہ بھی چلا گیا یہ جو کچھ کہا جا رہا تھا کہ مزدوروں اور کسانوں کی معیشت درست ہو گی ان کی غربت دور ہو گی ان کی خوشحالی قائم کی جائے گی تو میرے دوستو! میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ تمام بڑی بڑی انڈسٹریز نیشنلائز کر لی جائیں گی اور ان کو قومی تحویل میں لے لیا جائے گا۔ کیا اس آٹھ ماہ کے اندر کوئی ایسی انڈسٹری ہے جو قومی تحویل میں لے لی گئی ہو؟

بلکہ جن انڈسٹریز کی مینجنگ ایجنسی منسوخ کی گئی ہے "تو ایجنسی کے منسوخ کرنے کا نام نیشنلائز کرنا نہیں ہے" مزدوروں سے کہا جاتا تھا کہ یہ تمام فیکٹریاں تمہیں مل جائیں گی۔ یہ کوٹھیاں تمہاری ہوں گی۔ اگر آپ میں کوئی مزدور ایسا ہو جس کو فیکٹری مل گئی ہو تو وہ اسٹیج پر آ کر یہ بتائے کہ مجھے ملی ہے "بلکہ میں تو آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آٹھ ماہ قبل آٹے کے کیا دام تھے؟ اور اب کیا ہیں؟ چینی کا بھاؤ کیا تھا اور اب کیا ہے؟ دودھ کا نرخ کیا تھا؟ اور اب کیا ہے؟ گوشت کے دام کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ مزدور ہو یا کسان ہو سب نے اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ درحقیقت اگر ہمارے سر پر سوشلزم کا یہی پروگرام ہے تو ہمارے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ قہر الٰہی ہے آج میں دیکھتا ہوں کہ ہر غریب گرانی سے اکتا چکا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ مذہب ہمارا اسلام ہے یا نہیں تو ابھی ابھی ایک صاحب نے فرمایا ہے

کہ قادیانیوں کو اپنا لیا جا رہا ہے۔ اتنی بات تو میں بھی جانتا ہوں کہ یہ پارٹی قادیانیوں کی مدد
اور ووٹوں سے جیتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مذہب ہمارا اسلام ہے کس حد تک
کامیاب ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ آپ حضرات جو آج سے آٹھ ماہ قبل فریب
میں مبتلا تھے۔ آج اس فریب کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔ میں آپ سے یہ نہیں کہتا اور میں چاہتا بھی
نہیں ہوں کہ یہ انقلاب اس طرح پیٹ سے آنا چاہئے اور میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ بہت
لوگ یہ بات اس وقت سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے اس کے علاوہ میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا
ہوں کہ بھارت یا کسی دوسرے ملک کے ساتھ جو معاہدات اس وقت کئے جا رہے ہیں جیسا کہ
شملہ کا معاہدہ۔

میں تو آپ سے ایک بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر پاکستان کے کسی لیڈر نے کھلے دل سے
یہ بات طے کر لی ہے کہ پاکستان کو باقی نہیں رکھنا ہے بلکہ پاکستان کو بھارت کے ساتھ ملا دینا ہے تو
پھر یہ بات سازش کے تحت نہیں ہونی چاہئے بلکہ عوام کے سامنے علانیہ آپ کو یہ بات کہنی چاہئے
پھر چاہے اس کے مغربی پاکستان میں ایک صوبہ دوسرے صوبے کو ختم کرے، قتل کرے۔
مسلمان مسلمان کو قتل کرے تو اس سے بہتر ہے کہ آپ انہیں سمجھائیں اور ہو سکتا ہے کہ لوگ
آپ کو تسلیم کر لیں۔ لیکن یہ بات اچھی نہیں کہ ---- اندر خانہ ایک بات طے کی جائے اور ظاہر
میں کہا جائے کہ ہم جنگ کرنے کو تیار ہیں۔ ہم پاکستان کو ہمیشہ باقی رکھیں گے ہم نظریہ پاکستان کا
تحفظ کریں گے۔

قوم کو اس طرح دھوکہ میں رکھنا درست نہیں:-

ہمارے صدر صاحب جب شملہ جا رہے تھے تو لاہور کے ہوائی اڈے پر انہوں نے کہا
تھا کہ میں کوئی خفیہ بات نہیں کروں گا اور شاید وہ یہ یقین اس لئے بھی دلانا چاہتے تھے کہ جس سے
مذاکرات کرتے ہیں وہ نازک سی ایک خاتون ہیں۔

لیکن آپ نے دیکھا کہ وہاں دو تین یوم تک مذاکرات ہوتے رہے اور کوئی کامیابی نہیں
ہوئی۔ آخر روانگی سے پہلے محترمہ کے لئے تخلیہ میں بات کرنے کے لئے چلے گئے تو معلوم ہوا

کہ مذاکرات کامیاب ہو گئے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اندرا گاندھی کو وہ کونسی لو ابھاگئی کہ وہ فرماتی ہیں :-

بھٹو صاحب سے بہتر پاکستان کا کوئی لیڈر مذاکرات کے لئے موزوں نہیں

یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ اس معاہدے کے دوران یہ بات آپ کے سامنے آ گئی کہ اندرا گاندھی اور سورن سنگھ نے یہ کہا کہ ۹۳ ہزار جنگی قیدیوں کا مسئلہ صرف ہمارا نہیں ہے بلکہ بنگلہ دیش والوں کے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر دونوں مذاکرات سے قبل ہی یہ بات معلوم ہو جاتی تو شاید ہمارے صدر صاحب کو شملہ جانے کی تکلیف ہی گوارا نہ کرنی پڑتی مگر وہاں جا کر مذاکرات کے بعد اندرا گاندھی سے یہ بات کہی گئی کہ ہماری قوم بہت جذباتی ہے اور بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے خلاف ہے لہذا اس سلسلہ میں آپ ہماری مدد کریں۔ ہم یہ کہیں کہ ہماری قوم ۹۳ ہزار قیدی فوج چاہتی ہے اور آپ یہ کہیں کہ پہلے بنگلہ دیش کو تسلیم کرلو۔ مگر الحمد للہ ہماری فوج جو وہاں قید میں ہے' اتنی بے غیرت نہیں کہ پاکستان کا سودا ۹۳ ہزار فوجیوں سے کر لیا جائے۔ اس لئے اب یہ بات سامنے آ گئی کہ بنگلہ دیش کے متعلق جب ہمارے صدر صاحب نے مشرق وسطی کا دورہ کیا تو لوگوں سے انہوں نے کہا کہ آپ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے متعلق تقریریں کریں۔

میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعی بنگلہ دیش تسلیم کرنا کوئی اچھی بات ہے تو آپ نے یہ کہہ کر پاکستان کو نقصان کیوں پہنچایا کہ جو ملک بنگلہ دیش کو تسلیم کرے گا اس سے ہم اپنے تعلقات منقطع کر لیں گے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ بہت سے ممالک کے ساتھ آپ نے اپنے تعلقات منقطع بھی کر لئے اور برطانیہ سے آپ نے صاف لفظوں میں کہدیا کہ ہم صرف اس وجہ سے دولت مشترکہ میں شریک رہنا نہیں چاہتے کہ آپ نے بنگلہ دیش تسلیم کر لیا ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ کبھی روس کے اشارے پر کچھ ہوتا ہے اور کبھی اسرائیل کے اشارے پر کچھ ہوتا ہے میرے دوستو! اگر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا کوئی جرم تھا اور جس کی وجہ سے آپ نے دوسرے ملکوں سے تعلقات منقطع کر لئے تو پھر روس کے سفر کے بعد آپ نے یہ رائے کیسے قائم

کری کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

ہمارے مفتی عبدالحمید صاحب نے ایک بہت اچھی بات کہی کہ برسر اقتدار پارٹی کو اقتدار میں لانے والے کون ہیں؟ پنجاب کے غیور نوجوان۔ اور انہوں نے اس ضمن میں واقعہ بھی بیان کیا کہ کوئی دیہاتی شہر کی کسی مسجد میں پہنچ گیا جہاں دیوار پر لاوڈ سپیکر نصب تھا اور اس میں سے آواز آرہی تھی۔ وہ گاؤں والا لاوڈ سپیکر کو سمجھا نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ کہنے لگا کہ شاید کوئی آدمی اوپر چڑھ گیا ہے اور اترنے کا راستہ نہیں ملتا اسی لئے چلا رہا ہے۔ پہلے تو اس نے مینار کے چاروں طرف چکر لگا کر دیکھا۔ لیکن اسے کہیں کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ پھر چلا کر اس نے کہا کہ بھائی میں نے تمام راستے دیکھ لئے ہیں۔ جس نے تجھے چڑھایا ہے وہی اتارے گا۔

اب یہ نوجوان پنجاب کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ محسوس کریں کہ آیا یہ انتخاب مغربی پاکستان کے لئے ہوا تھا یا مشرقی و مغربی پاکستان کا انتخاب تھا۔ میں بڑی صفائی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو انڈیا کے ساتھ اور بنگلہ دیش کے ساتھ اشتراک کرنا ہے تو پہلے آپ قوم کو اعتماد میں لے کر بتائیں کہ اس میں کونسا مفاد مضمر ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر جو کچھ اندر اندر ہو رہا ہے قوم اس سے بہت پریشان ہے اور آج وطنی و لسانی عصبیتوں کا شکار ہے۔ اور اس سے مجھے یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں مغربی پاکستان میں بھی وہ خوں ریزی نہ کریں جو تاریخ میں ایک بدنما داغ بن کر رہ جائے اور تمام دنیا یہ کہنے لگے کہ یہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ اگر آپ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا چاہتے ہیں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ بنگلہ دیش کے رہنے والے بنگالیوں نے بھی بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا اور آج بھی سلہٹ میں متحدہ پاکستان کی حمایت میں جلوس نکل رہے ہیں اور آج بھی لندن کے اندر لاکھوں بنگالی مظاہرہ کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بنگلہ دیش لسانی تحریک کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اور جب یہ بنگلہ زبان کا مسئلہ اٹھا تھا' اور نورالامین صاحب مسلم لیگ میں تھے تو انہوں نے خواجہ ناظم الدین سے یہ بات کہی تھی کہ آج یہ پہلا دن ہے اور آپ اچھی طرح سوچ لیں کہ یہ مسئلہ زبان کا نہیں بلکہ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کا ہے۔ چنانچہ آج یہی ہوا کہ لسانی بنیاد پر اس کا نام بنگلہ دیش رکھ دیا گیا ہے اس سے صاف

پتہ چلتا ہے کہ تحریک محض زبان کی بنیاد پر چلائی گئی ہے اور پاکستان کا قیام اسلامی قومیت کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے، وطنی اور لسانی اور رنگ و نسل کی بنیاد پر نہیں لہٰذا اگر بنگلہ دیش کو تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اندرا گاندھی کو خوش کرنے کے لئے یہ اعلان کر دیا کہ ہم نے پاکستان کی اسلامی قومیت کو ختم کر کے لسانی قومیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس لئے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا پاکستان کو ختم کر دینے کے مترادف ہے۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ابھی رائے عامہ کے دباؤ کی وجہ سے یہ مسئلہ ملتوی کر دیا گیا ہے لیکن اس کا امکان ہے کہ پھر بعد میں اس کو تسلیم کر لیا جائے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہوا ہے اس میں شیخ مجیب کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی بلکہ ان فوجی غداروں نے جو مرکزی حکومت سنبھالے ہوئے تھے ان کی غداری کی وجہ سے شیخ مجیب کو کامیاب کروایا گیا۔

میں نے حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے بیانات دیئے ہیں اور قوم کو حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے شائع ہونے کا شدید انتظار ہے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ مشرقی پاکستان بنگالیوں کی خواہش سے علیحدہ ہوا ہے یا کسی غداری کے تحت علیحدہ کیا گیا ہے ایسی صورت میں پاکستان کو توڑنے کی جو کوشش کی گئی ہے تو اس وقت تک آپ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے جب تک حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ شائع ہو کر سامنے نہ آجائے اگر آج حکومت یہ کہتی ہے کہ اگر مصلحت کے خلاف نہ ہوا تو اس رپورٹ کو شائع کر دیا جائے گا تو آپ نے اخبارات میں یہ بھی دیکھا ہوگا کہ حمود الرحمٰن نے جس وقت یہ رپورٹ پیش کی تھی اس وقت انہوں نے یہ بیان دیا تھا کہ میں نے ایک رپورٹ اور ایک رپورٹ کا خلاصہ دو چیزیں پیش کی ہیں اور میں نے وہ حصہ علیحدہ کر دیا ہے جس کی اشاعت مصلحت کے خلاف نہیں ہے۔ جب عدالت عالیہ اور کمیشن کا جج یہ رائے قائم کرتا ہے کہ ایک حصہ کی اشاعت مصلحت کے خلاف نہیں ہے! تو پھر کونسی مصلحتیں ہیں جن کی خاطر حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو چھپایا جا رہا ہے۔

اب آپ حضرات کا فرض ہے کہ اپنی سعی جاری رکھتے ہوئے زیادہ مستعدی سے

سامنے آکر اس کی سیاست میں حصہ لیں جو پاکستان کو اس کی صحیح بنیاد پر قائم رکھنے اور اس کے نئے نظام سیاست میں پارٹی تو وہ واحد جماعت ہے جو اس فرض کو انجام دے سکتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سوشلزم کے خلاف متفقہ فتویٰ

حضرت مولانا تھانویؒ کا ولولہ انگیز بیان

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا ونبينا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين

ابھی حال میں ملک کے مقتدر اور ہر مکتب فکر کے ایک سو تیرہ علماء کے دستخط سے
ایک فتویٰ اخبارات میں شائع ہوا ہے جس میں سوشلزم اور بعض دوسرے لادینی نظریات کو کفر اور
اس کی حمایت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور ملک کی جو جماعتیں اور افراد بحیثیت اسلام سے دور اور
لادینی نظریات سے قریب تھے انتخابات میں وہ فتوے کی زد سے متاثر و مجروح ہوئے ہیں اور اسلام کے
نام سے تعبیر ہونے والے بعض لادینی قلعے تو یقیناً ہی مسمار ہو گئے۔ ملکی اور دینی الیکشن کے
عنوان سے فتوے کے خلاف جو شور و غوغا بپا ہے وہ در اصل انہیں حلقوں کے واویلا اور ماتم کی
آوازیں ہیں جو فتویٰ کی ضرب کاری سے نیم بسمل ہیں۔ کسی نے سراسیمگی میں فتوے کے خلاف
قانونی چارہ جوئی کے لئے ریگولیشن نمبر ۱۰ کی دہائی دی۔ کسی نے گھبرا کر ایوان صدر کو کھٹکھٹایا۔
کسی نے بدحواسی میں اسے عالم اسلام کے خلاف صیہونی سازش قرار دیا۔ کسی نے کہا کہ امریکی
سامراج اور سرمایہ داروں کی ایجنسی کی مخصوص اشتراکی گالی دی۔۔۔ بعض نے میرے اور
دیگر علماء کے دستخط و ترمیم کے نہ شائع ہونے کا بہانہ لے کر فتوے کو مشکوک اور مشتبہ بنانے کا
پروپیگنڈہ کیا اور سب سے زیادہ افسوسناک یہ کہ بعض اشتراکیت کے فریب خوردہ مولوی صاحبان
نے فتویٰ دینے والے ان اکابر علماء کو جاہل و غیر مستند قرار دینے کی شرمناک کوشش کی جو ان کی
پیدائش سے بھی بہت پہلے سے تاہنوز فرائض انجام دے رہے ہیں۔ جن کے لاکھوں فتووں
پر فقیہ اسلام مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی شیخ الہند مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیخ العرب
والعجم مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ
الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی جیسے آخر وقت اپنے اپنے دستخطوں سے توثیق و تصدیق کی
مہریں ثبت کر چکے ہیں۔ جن کے فتاوے آج بھی ہندوپاک میں حنفی اور دیوبندی مسلک کا حتمی

سرمایہ منصور ہوتے ہیں اور جو ہر مکتب فکر کے اکتیس علماء کے اجتماع میں مرتب ہونے والے
اسلامی دستور کے ۲۲ نکات کے بانی بھی ہیں۔

فتوے کی چوٹ سے بلبلا اٹھنے والے ان حلقوں میں سے نہ کسی حلقے کی دھمکیوں کا ہم پر کوئی اثر ہے
اور نہ ہم کسی حلقے کی بیہودہ گوئی کا جواب دینا پسند کرتے تھے کیونکہ جلد ہی قاہر مسلمان بادشاہوں کے
عہد استبداد میں فرنگیوں کے جابرانہ دور اقتدار میں اور سکندر روز ہوب کی فوجی آمریت میں جو علماء
کلمہ حق بلند کرنے سے کبھی نہیں جھجکے وہ چند غیر ملکی نظریات کا پرچار کرنے والے بے ضمیر افراد
کی دھمکیوں سے کب مرعوب ہو سکتے ہیں۔ البتہ بعض ذہنی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے قرین مصلحت میں
واقع ہیں جو مختلف حیلوں اور مختلف انداز سے فتوے کی قدریت کو ختم کرنے کے لیے سادہ لوح
اور عامی مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا کی گئی ہے مثلاً یہ کہ

۱۔ ملکی سیاسیات اور ملکی انتخاب میں فتوے بازی کی ضرورت نہیں ہے۔
۲۔ فتوے کی رو سے سارے عالم اسلام اور پاکستان کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت خارج از
اسلام اور کافر قرار پاتی ہے۔
۳۔ تکفیر کے فتوے دینا اور مسلمانوں کو کافر بنانا ہمیشہ سے علماء کا شیوہ رہا ہے۔
۴۔ کلمہ گو انسانوں کی یا قرآن و سنت اور اسلام کا اقرار کرنے والوں کی تکفیر کیسے کی جا سکتی ہے۔
۵۔ بعض علماء کی ترمیم اور دستخطات چھاپنے سے علماء کے باہمی اختلافات کا شبہ پیدا ہوتا ہے وغیرہ
وغیرہ۔

مذکورہ بالا تمام غلط فہمیوں کی اصل بنا اس پر ہے۔ اس زمانے میں عام مسلمان بالعموم اور تعلیم یافتہ
حضرات بالخصوص فتوے کے مفہوم اور اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ فتویٰ کے لغوی معنی ہیں
جواب ---- قانون شریعت کی اصطلاح میں فتویٰ ماہرین شریعت کے اس قول فیصل اور جواب کو
کہتے ہیں جو سوالات و واقعات کے بارے میں شرعی حکم دریافت کرنے پر قرآن و سنت کی روشنی
میں دیا جاتا ہے خواہ وہ حالات شخصی اور نجی ہوں اور خواہ وہ ملکی و ملی ہوں۔ مسئلہ واضح اور صاف ہو
تو ایک عالم کے دستخط سے اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر نتائج کے اعتبار سے مسئلہ اہم اور عمومی ہو تو

مختلف مکاتب فکر کے متعدد مولویوں کی توثیق سے اس کو اجتماعی قدم اس فتوے کی روشنی میں بلا
اختلاف اور بلا تردد اٹھایا جاسکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ زندگی کے ہر دور میں جب
کبھی بھی ملک و ملت پر کٹھن وقت آیا ہے یا کسی مسئلہ میں عام ذہنی انتشار پیدا ہوا تو علماء نے اجتماعی
فتوے کے ذریعے قرآن و سنت کی راہ پیش کر کے مسلمانوں کی بروقت رہنمائی کی اور بسا اوقات
اس کی پاداش میں علماء کو قید و بند اور دار و رسن کی سخت منزلوں سے بھی گزرنا پڑا۔ فرنگی اقتدار کے
خلاف جنگ آزادی کے موقع پر ۱۸۵۷ء میں ترک موالات کی تحریک کے متعلق ۱۹۲۰ء میں
تحریک پاکستان کی حمایت کے لئے مسلم لیگ میں شمولیت اور کانگریس کے ساتھ بائیکاٹ کے
متعلق ۱۹۴۶ء کی عام انتخابات میں مسلم اتحاد کے لئے کوشش مدد کرنے کی مخالفت میں کشمیر میں پاک
بھارت جنگ کو مقدس جہاد قرار دینے کے متعلق ۱۹۴۸ء میں اور پاک بھارت جنگ کو اسلامی
جہاد قرار دینے کے متعلق ۱۹۶۵ء میں ہر مکتب فکر کے علماء نے اس اجتماعی شان سے قرآن و
سنت کی روشنی میں شرعی فتاوے جاری کئے تاکہ مسلمان جانی و مالی نقصان کو نقصان نہ سمجھیں بلکہ
شہادت و قربانی کے جذبے کے ساتھ جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ یہی فتویٰ اس کی کڑی اور بڑی
حسین بے بصیرت علماء کی اہم ذمہ داری اور ملک و ملت کی بیش بہا خدمت ہے اور بعض سیاسی نابالغ
لیڈروں کا یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ فتوے کا اثر افغانستان کے امان اللہ خان کے زمانے تک تھا
کیونکہ آج بھی فتوے کی تاثیر ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمن جس کو مذہب اسلام کی
صورت مسخ کرنے کے سلسلے میں فوجی آمریت کی سرپرستی حاصل تھی بالآخر اسے پاکستان چھوڑنا
پڑا اور جنہوں نے سوشلزم یا اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگایا تھا وہ آج بھی فتوے کی بدولت عام
مسلمانوں کی حمایت سے محروم ہو کر یوسف بے کارواں بن چکے ہیں۔

۱۔ فتوے کی مذکورہ بالا شرعی حیثیت اور شاندار تاریخی پس منظر کی روشنی میں یہ اعتراض بھی
انتہائی حماقت ہو کر رہ جاتا ہے کہ ملکی سیاسیات اور ملکی الیکشن میں فتوے بازی کی ضرورت نہیں ہے
کیا ۱۸۵۷ء میں فرنگی کے اقتدار کے خلاف جہاد کے متعلق ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات
کے متعلق اور ۱۹۴۶ء میں تحریک پاکستان کی حمایت کے متعلق علماء کے اجتماعی فتاوے سیاسیات

اور ایجیٹیشن کے لئے نہیں تھے ؟ اور کیا ۱۹۶۵ء کی جنگ کے موقع پر اسلامی جہاد کا فتویٰ ملکی معاملات سے وابستہ نہیں تھا ؟ اور کیا یہ فتوے غیر ضروری اور بے وقت تھے ؟ بلکہ فتوے کا اصل وقت ہی وہ ہوتا ہے جب ملکی و قومی حالات کے بارے میں عام مسلمان قرآن و سنت کی رائے اور منشاء الٰہی کے متلاشی ہوں اور عملی اقدام کرنا چاہیں اگر ۱۸۵۷ء ، ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۶ء میں علماء کا اجتماعی فتویٰ نہ ہوتا تو نہ فرنگیوں کے مقابلے میں مسلمان سر دھڑ کی بازی لگاتے اور نہ ہندو سے گشت و خون کر کے پاکستان بنا سکتے پھر یہ بھی بہت بڑا مغالطہ ہے کہ پاکستان کے موجودہ حالات صرف سیاسی ہیں اور ایجیٹیشن محض ایجیٹیشن ہے - کیونکہ پاکستان جو اسلامی قومیت کی بنیاد پر صرف اقامت دین کی خاطر وجود میں آیا ہے - شریعت مطہرہ کی نظر میں خود بھی دارالاسلام ہے اور عالم اسلام کی حفاظت کے لئے آہنی حصار بھی یہ اور بات ہے کہ اس مقدس ملک پر قابض حکمرانوں اور اسلام دشمن سرکاری ملازموں نے اپنی سازشوں سے اب تک اسلامی نظام قائم نہیں ہونے دیا مگر بے دین حکمرانوں کے وجود سے ملک کی اسلامی حیثیت بالکل اسی طرح متاثر نہیں ہوتی جس طرح فاسق و فاجر اور بے دین امام و موذن سے مسجد کی حیثیت و حرمت متاثر نہیں ہوتی - لہذا وطنی و لسانی قومیتوں پر مبنی تحریک (نیشنلزم) یا سود و استحصال پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام کی تحریک (کیپٹلزم) یا انفرادی ملکیت کے خلاف اجتماعی ملکیت کے اشتراکی تحریک (سوشلزم) یا اسی جیسی لادینی تحریکیں اگر دارالاسلام میں اٹھائی جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ اور انجام اس بنیاد کو مسلمان کرنا ہے ' جس نے ملک کو دارالاسلام کی حیثیت بخشی ہے اور اسلامی نظام کی جگہ ایسے لادینی نظام کو قبول کرنا ہے جو دین اسلام کی ضد اور اسلام کا مد مقابل ہے کیونکہ دنیا کے تمام مذاہب و ادیان میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کا ہر شعبہ حیات کی طرح اپنا مستقل معاشی و اقتصادی نظام بھی ہے دنیا کے کسی حکیم اور مفکر کا معاشی نظام اختیار کرنے کے معنی ہیں اسلام کے معاشی نظام کو چھوڑ دینے یا اس کی بہتری و بالاتری سے انکار کر دینے کے مترادف ہے جس کے کفر ہونے کے لئے افتؤمنون ببعض الكتاب و تكفرون ببعض والی آیت قرآنی کافی ہے - ان حالات میں پاکستان کے موجودہ سیاسی احوال کو صرف سیاسی کہنا یا ایجیٹیشن کو محض ایسا ایجیٹیشن قرار دینا

جس میں فقط پارٹیوں کی یا اقتدار کے ہاتھوں کی تبدیلی ہوتی ہے کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ
دو متضاد نظاموں کا انتخاب ہے جو پاکستان کو باقی رکھنے اور توڑ دینے کے لئے سیاسی فیصلہ کن ہوگا
جس طرح ۱۹۷۰ء کا الیکشن پاکستان بچانے اور نہ بچانے کیلئے فیصلہ کن تھا اس سیاست اور الیکشن میں
ایک جماعت کے ساتھ تعاون درحقیقت دارالاسلام کو ختم کرنے کی سازش اور کفر کے ساتھ
تعاون ہے اور دوسری جماعت کے ساتھ امداد و تعاون دارالاسلام کی بقاء اور قرآن و سنت کے ساتھ
تعاون ہے۔ اگر اس نازک اور مشکل موڑ پر اکابر علماء امت اجتماعی فتوے کے ذریعے سے امت کی
رہبری نہ کرتے تو علماء کی غفلت اور بے حسی کی بدترین مثال قائم ہوتی جس کو آنے والی
نسلیں اور تاریخ بھی معاف نہ کرتی۔

۲- پھر فتوے کے خلاف یہ تاثر پیدا کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس کی رو سے سارا عالم اسلام اور
پاکستان کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت کافر قرار پاتی ہے۔ اول تو اس لئے کہ دنیا میں کسی قانونی
حکم اور فتوے کی صحت و عدم صحت کو پرکھنے کے لئے اس امر کو معیار نہیں بنایا جاتا کہ اس کی زد
سے زیادہ افراد متاثر ہوتے ہیں یا کم۔ قریب کے متاثر ہوتے ہیں یا دور کے فتوی منشاء الٰہی کا مظہر
اور قرآن وسنت کی ترجمانی کا نام ہے۔ ایوب خان کی آمریت کا آرڈیننس نہیں ہے جس کی زد میں
آنے والے افراد پہلے سے مشخص اور متعین ہوا کرتے تھے کیا جھوٹ اور غیبت کو فسق و فجور کی
فہرست سے یا رشوت کو جرائم کی فہرست سے اس لئے خارج کر دیا جائے گا کہ اس کی زد میں
مسلمانوں کی بھاری اکثریت آتی ہے۔ کیا سوچنے کا یہ انداز مغالطے کی اس بدیہی مثال کی
طرح نہیں ہے جس نے لوطی قوم کے جرم کو جرائم کی فہرست سے اس لئے خارج کر دیا کہ
اس کی زد سے قوم کی بھاری اکثریت متاثر ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ فتوے کی زد سے مسلمانوں
کی اکثریت متاثر ہونے کا مغالطہ بھی غیر واقعی اور بے اصل ہے کیونکہ فتوے کی بنیاد اصول و
احکام پر ہوتی ہے افراد و اشخاص پر نہیں ہوتی البتہ تکفیر کے جو اسباب و وجوہ فتوے میں درج
ہوتے ہیں وہ جن جن افراد میں پائے جاتے ہیں وہ فتوے کے مصداق قرار پاتے ہیں عالم اسلام
کے تمام مسلمانوں کو یا پاکستان کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت کو محض فتوے کا مصداق

ٹھہرانے کے لئے ان کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ وہ قرآن و سنت کی ابدی حجیت کے منکر یا وجود باری اور آخرت کے منکر ہیں یا اسلام کے معاشی نظام کے بجائے سوشلزم کے لادینی معاشی نظام کو بر حق سمجھتے ہیں یا اسلام کو معاشی نظام سے خالی تصور کرتے ہیں یا انفرادی ملکیت کے منکر ہیں حقیقت کے خلاف اور جھوٹا بہتان ہے "عالم اسلام تو بڑی چیز ہے چین اور روس کے مسلمانوں میں بھی بڑی اکثریت اشتراکی ملکوں میں رہنے کے باوجود آج بھی وجود باری قرآن و حدیث کی ابدی حجیت اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اور سوشلزم کی حقانیت کا عقیدہ نہیں رکھتی۔ یہ حال عالم اسلام کے مسلمانوں کا ہے کہ وہ ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کے سوا کسی ازم پر عقیدہ نہیں رکھتے مگر سوشلزم کے چنگیزی نظام کی یہ نرالی خصوصیت ہے کہ وہ معمولی اقلیت کی صورت میں بھی دھونس اور دھاندلی سے اس بھاری اکثریت کو مجبور کر کے رکھتی ہے جو عقیدہ سوشلزم کے خلاف ہے۔ پاکستان میں بھی چند گنے چنے کمیونسٹ اور سوشلسٹ کے علاوہ بہت بھاری اکثریت ضروریات دین پر صحیح عقیدہ رکھتی ہے اور سوشلزم کے ایسے ہی خلاف ہے جس طرح کیپٹلزم اور دوسرے لادینی نظاموں کے خلاف ہے جس طرح کیپٹلزم اور دوسرے لادینی نظاموں کے خلاف ہے اور عقیدہ تمام لادینی ازموں کو کفر سمجھتی ہے البتہ کچھ سادہ لوح مسلمان اب تک اس غلط فہمی میں ہیں کہ سوشلزم صرف ایک معاشی نظام ہے جو نہ اسلام کے خلاف اور نہ اسلام سے متصادم سطور بالا سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ایسا سمجھنا بھی صریح گمراہی ہے جو کسی وقت بھی کفر کا ذریعہ بن سکتی ہے غرضیکہ کفر کے فتوے کی بنیاد قرآن و سنت کی ابدی حجیت سے انکار اور خدا و آخرت اور انفرادی ملکیت سے انکار جیسے مسلمہ اصولوں پر ہے جن سے صرف سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہی متاثر ہوتے ہیں۔۔ نہ عالم اسلام متاثر ہوتا ہے اور نہ پاکستان کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت متاثر ہوتی ہے۔

۳۔ تکفیر کے فتوے سے متعلق علماء کرام اور مفتیان عظام پر یہ الزام بھی بے اصل ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف تکفیر کے فتوے دینا اور مسلمانوں کو کافر بنانا ہمیشہ سے ان کا شیوہ رہا ہے۔ کیونکہ تکفیر کے فتوے کا اصل مقصد اسلام اور کفر کی سرحدوں کی نشاندہی کرنا ہے تاکہ کافرو

مومن کا اصولی امتیاز ظاہر ہو سکے اور اس کی روشنی میں کافر پر کفر کے احکام جاری کئے جا سکیں اور مومن پر اسلام کے کفر و اسلام کا اختیار کرنا اور کافر و مومن کی حدود میں داخل ہونا عامۃ الناس کا اپنا عمل ہے اور فتوے کے ذریعے اس حقیقت کا اظہار و اعلان علماء کا کام ہے علماء امت مومن کو کافر نہیں بناتے بلکہ کافر کو کافر بتاتے ہیں اور مومن کو مومن۔ اور حدود کفر میں داخل ہونے والے مسلمان کے متعلق اسلام سے خارج ہونے کا اعلان بھی کسی شوق اور دلچسپی سے نہیں کیا جاتا بلکہ جس قدر مجبوری کے ساتھ انسان اپنے جسم کے ناسور والے اعضاء کو سرجن کے ذریعے کٹوا دیتا ہے یا جس دلسوزی اور رنج کے ساتھ ایک بھائی اپنے حقیقی بھائی کی میت کو دفن کر دیتا ہے اس سے بدرجہا زیادہ مجبوری اور دلسوزی کے ساتھ کفر اختیار کرنے والے کے بارے میں اسلام سے خارج ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے اور اس ناخوشگوار فریضہ کے ادا کرنے میں اگر علماء کوتاہی کریں یا غفلت برتیں تو امت و قوم کا پورا جسم ہی کفر کے ناسور سے متاثر ہو سکتا ہے۔

۴۔ علیٰ ہذا یہ خیال بھی جہالت اور ناواقفیت پر مبنی ہے کہ ہر کلمہ گو انسان مسلمان ہے اور کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کی جا سکتی کیونکہ کلمہ اسلام کے باوجود ختم نبوت کا قائل نہ ہونا یا کلمہ گو کے باوجود قرآن کریم اور رسول اللہ کی تخفیف سمجھنا کلمہ گو کے باوجود قرآن و حدیث کی ابدی حجت اور وجود باری و یوم آخرت سے انکار کرنا یا کلمہ گوئی کے باوجود دین اسلام کو معاشی نظام سے خالی سمجھنا یا سوشلزم و کیپٹلزم جیسے لادینی نظاموں کو برحق سمجھنا یا ان نظاموں کو اسلام کے نظام سے بالاتر سمجھنا تمام صورتیں قطعی طور پر صریح کفر میں داخل ہیں اور کلمہ گوئی کے باوجود ان تمام صورتوں میں تکفیر لازمی اور ضروری ہے اور شائع شدہ فتوے میں بھی تکفیر کی بنیاد ان ہی وجوہ اور صورتوں کو قرار دیا گیا ہے باقی رہی وہ جماعتیں اور افراد جو اپنی فریب خوردگی کی بناء پر یا بدنیتی و اغراض مذکورہ بالا گروہوں اور افراد کی حمایت کر رہے ہیں اگرچہ ان کی تکفیر نہ کی جا سکتی ہو مگر بجلی سے بجلی اور مغالطے سے مغالطہ تعمیر میں وہ لگتے ہوئے اثنا یا خشت حرم سے دیر کی تعمیر کرنے والے معمار کہلانے کے مستحق ضرور ہیں۔

۵۔ باقی رہی یہ بات کہ فتویٰ میں احقر کی ترمیم اور دستخط یا بعض دوسرے مشاہیر علماء کی تصدیق

کے بغیر فتویٰ صادر کیا گیا۔ سوال میں نہ فتویٰ دینے والے علماء کا قصور ہے اور نہ فتویٰ کی حیثیت اس سے مجروح ہوتی ہے۔ بلکہ مستفتی اور فتویٰ چھاپنے والوں کی کوتاہی اور غلطی کا سبب کہ انہوں نے فتوے کی اشاعت میں میری ترمیم اور دستخط دونوں کو نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ اس ترمیم کا مقصد اصل فتوے سے اختلاف نہ تھا بلکہ فتوے میں خلاف منظم کام کرنے والی جماعتوں کی پوری تفصیل اور تین نمبروں میں ان کی درجہ بندی کی گئی تھی۔ مگر اسلامی نصب العین والی جماعتوں کا ذکر مکمل طریقے سے صرف ایک نمبر میں کیا گیا تھا۔ میں نے نمبر ایک میں درج شدہ جماعتوں میں قدرے تفصیل اور درجہ بندی کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ ان میں بعض جماعتیں ایسی بھی ہیں جن کا نصب العین اور طریقہ کار بھی قرآن و سنت کے مطابق ہے اور ان کی قیادت و سرپرستی متدین اور سلفی علماء کے ہاتھ میں ہے اور حمایت تعاون کے بارے میں ثواب کے اعتبار سے ان کو فضیلت اور برتری حاصل ہے فتویٰ کی مستقل اشاعت میں اس ترمیم کے ساتھ میرے اور دوسرے علماء کے دستخطوں کو شائع کیا جا رہا ہے پیدا شدہ غلط فہمیوں کے ازالہ کے بعد عام مسلمانوں پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ اس اجتماعی فتوے کی روشنی میں تمام لادینی نظاموں ان کے گروہوں اور حامیوں سے کلی طور پر اجتناب کریں اور اسلام کی عزت و سربلندی کے لئے علماء اور ان کے فتوے کے ساتھ تعاون کریں۔

عبدالرسول [illegible]

مولانا احتشام الحق کی رباعیات

ڈالی نہیں تحفہ نہیں نذرانہ ہے صاحب سے کہیں جنت سے یارانہ ہے

دنیا کے طلبگاروں کی حالت مت پوچھ ہر ایک یہاں نام کا دیوانہ ہے

مفتی اعظم کی رحلت پر
تعزیتی خطاب

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال کے موقع پر ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو مولانا تھانوی مرحوم نے حضرت مفتی اعظمؒ کی تدفین سے قبل دارالعلوم کراچی میں لاکھوں کے اجتماع سے ایک مختصر تعزیتی خطاب فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے

معزز بزرگان محترم برادران عزیز!

آج ایک ایسی ہستی کا انتقال ہوا ہے جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی یادگار تھی
حضرت مفتی صاحب صرف عوام ہی کے رہنما نہیں تھے بلکہ علماء کیلئے بھی رہنما کی حیثیت
رکھتے تھے۔ اپنے مسائل اور معاملوں کے بارے میں نہ صرف عوام ہی ان سے رجوع کیا کرتے
تھے بلکہ علماء کرام بھی اپنی مشکلات اور مسائل ان کی خدمت میں پیش کر کے رہنمائی حاصل کیا
کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے وفات پا جانے سے تمام علماء کرام یتیم
ہو گئے ہیں۔ علمی حلقوں کا زبردست نقصان ہوا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے مجھے ایک واقعہ یاد
آیا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت
مفتی کفایت اللہ صاحب نے جامع مسجد دہلی میں تقریر کرتے ہوئے لوگوں سے فرمایا تھا کہ آپ
حضرات کاہے کو روتے ہیں آپ کو مسئلے بتانے والے ہم جیسے موجود ہیں۔ رونا تو ہمیں چاہیے کہ
جب ہمیں ضرورت ہوتی تھی تو ہم ان سے پوچھا کرتے تھے۔ اب ہم کس سے پوچھیں گے تو
یہی بات میں عرض کرنے کے لئے رہا ہوں کہ رونا تو ہمیں ہے کہ ہم اپنے مشکلات کس کے سامنے پیش
کریں گے۔ بہت سے اہل علم اور علماء جن کی دینی علمی قومی اور اسلامی خدمات تھیں وہ ہم سے اب
جدا ہو گئے ہیں۔ پاکستان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے بعد جن بزرگوں
کی طرف نظریں اٹھتی تھیں وہ سب یکے بعد دیگرے ہم سے جدا ہو چکے ہیں۔ حضرت مولانا ظفر
احمد عثمانی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور
حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی یہ سب وہ بزرگ تھے جن کا علم، فضل اور تقویٰ اور
طہارت مسلم تھا حضرت مفتی صاحب آخری بزرگ تھے وہ بھی چل بسے۔

آج پوری قوم اپنے آپ کو یتیم سمجھتی ہے۔

میرے دوستو! بے شک آج حضرت مفتی صاحب ہم سے بظاہر جدا ہو چکے ہیں مگر یہ جدائی دائمی
جدائی نہیں ہے آخر ایک نہ ایک وقت آئیگا کہ جس میں ہماری ملاقات ان سے ضرور ہو گی جب ہم

یہاں سے وہاں جائیں گے تو ملاقات ہو ہی جائے گی حضور اقدس صلی اللہ علیہ سلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بے قرار ہیں بے چین ہیں کس طرح صبر نہیں آرہا ہے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا "خدا کی قسم ایک بدو نے جب نصیحت کی تو مجھے صبر آگیا!

آپ دیکھئے کہ وہ کیسی اعلیٰ نصیحت تھی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بدو نے کہا

اصبر نكن بك صابرين فانما صبر الرعية بعد صبر الراس

اے صاحبزادے آپ ہمارے سردار ہیں ہم آپ کے ماتحت ہیں آپ صبر کریں گے تو ہم بھی صبر کریں گے" آپ حاکم ہیں حاکم صبر کرے گا تو رعایا بھی صبر کرے گی مگر صبر کس بات پر کریں فرمایا

خير من العباس اجرك بعده والله خير منك للعباس

میں نے جو بات کی ہے بلاوجہ نہیں ہے کیونکہ جو واقعہ آپ کے گھر پیش آیا ہے اس سے تو حضرت عباسؓ بہتر حالت میں چلے گئے ہیں اور آپ بھی پہلے سے بہتر حالت میں آگئے" دونوں کو کچھ نہ کچھ ملا ہے وہ آپ کے والد تھے جو آپ کے حق میں بڑی دولت تھے وہ آپ سے چھن گئے مگر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی جدائی پر آپ نے جو صبر کیا ہے اس صبر کے بدلے وہ دولت آپ کو اللہ نے عطاء کی ہے جو حضرت عباسؓ کے وجود سے بھی زیادہ ہے اور حضرت عباسؓ وہاں چلے گئے تو وہ یہاں سے کچھ بہتر ہو گئے کیونکہ انہیں تمہارے مکان سے بہتر مکان ملا ہو گا غذا سے بہتر وہاں ان کو غذا اعلیٰ ہو گی وہ بھی بہتر حالت میں چلے گئے اور تم بھی بہتر حالت میں آگئے" اس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ آپ صبر کیجئے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں "خدا کی قسم اس بدو نے ایسے سادے طریقے پر مجھے تسلی دی کہ میرے دل کو صبر آگیا تو عرض یہ ہے کہ صدمہ تو عظیم ہے ہی مگر اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں ہے اب تو ہر حال میں صبر ہی کرنا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات سے ملت اسلامیہ کو جو عظیم نقصان ہوا ہے اس کی تلافی تو نہیں ہو سکتی لیکن ان کا یہ دارالعلوم جو ان کی یادگار ہے" یہ عظیم الشان مسجد ان کی یادگار ہے ان کی

تصانیف متعدد جدید ہیں خصوصاً ان کی تفسیر معارف القرآن دور حاضر کا سب سے بڑا علمی شاہکار ہے اور عظیم تفسیری کارنامہ ہے انہوں نے تحریک پاکستان میں جو شاندار اور نمایاں خدمات انجام دیں انہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی پھر انہوں نے آخر عمر تک مسلسل دوسری دینی خدمات انجام دیں اور رفاہی سماجی میں بھی رہنمائی کا فریضہ بڑی ہمت کے ساتھ انجام دیتے رہے یہ سب دین امت کی عظیم خدمات جو انہوں نے انجام دی ہیں حق تعالیٰ ان کا اجر عطا فرمائیں۔ خصوصاً انہوں نے اپنی زندگی سے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور قرآن کی تعلیم دیتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے علمی کارناموں سے استفادہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشیں اللہ تعالیٰ صاحبزادوں کو صبر جمیل عطا فرمائیں کہ وہ ان کے کاموں کو چلائیں اور جاری رکھیں اور یہ دارالعلوم جو ان کی عظیم یادگار ہے ہمیشہ قائم و دائم رہے آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی تقریروں سے دو اقتباسات

دنیا میں حق و باطل کا ٹکراؤ اور خیر و شر کا تصادم اتنا ہی قدیم اور پرانا ہے جتنا کہ خود حق کا وجود قدیم ہے' یہی تصادم کبھی ہابیل و قابیل کی لڑائی کی نسبت میں ظاہر ہوا اور کبھی ابراہیم خلیل اللہ اور نمرود کے مقابلہ کی شکل میں نمودار ہوا' حق و باطل کے اس ٹکراؤ نے کبھی موسیٰ کلیم اللہ اور فرعون کے درمیان تصادم کا عنوان اختیار کیا اور محمد عربی ﷺ کے دور میں خیر و شر اور حق و باطل کی اسی آویزش کا نام جہاد پڑا حق و باطل کے تصادم اور خیر و شر کے ٹکراؤ کی طویل تاریخ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حق و صداقت ایک مثبت حقیقت ہے جس کی فطرت میں مخالفت نام کو نہیں اور باطل جو ایک منفی حقیقت ہے اس کے خمیر میں دشمنی اور مزاحمت کے سوا کچھ بھی نہیں اس کی وجہ سے دنیا میں حق و صداقت کو ہمیشہ مزاحمتوں سے سابقہ رہتا ہے بلکہ حق کی پہچان یہی ہے کہ وہ باطل کی مزاحمت میں گھرا رہے اور اسی گھراؤ اور حق میں قوت و جان پیدا ہوتی ہے یہاں سے حق کے غلبہ کی قوتیں ابھرتی ہیں۔

جن بزرگوں کے سائے میں ہماری پرورش ہوئی ہے انہوں نے خلق کی خوشنودی سے زیادہ حقائق کی خوشنودی پر زور دیا ہے' صفائی طلب کرنے والوں کو معلوم نہیں کچھ حجاب آتا ہے یا نہیں مگر صفائی اور وضاحت پیش کرتے ہوئے میری دینی غیرت یہ محسوس کرتی ہے کہ میں خلق خدا کو راضی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو ایک طرح خفی شرک بھی ہے۔

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با خلق عالم کار نیست

اس صدی کے بزرگوں میں سے شیخ الہند اسیر مالٹا' حکیم اجمل خان مولانا محمد علی جوہر' مولانا حسین احمد مدنی' مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا

محمد ایوب کا نام محفوظ ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے حالات میری آنکھوں کے سامنے ہیں ان میں سے ایک بھی ایسے خوش قسمت نہیں ہیں جو حق خدا کے غضب کا نشانہ اور ملامت کا ہدف بنے ہوں۔

نہ تنہا من درین میخانہ مستم

جنید و شبلی و عطار ہم مست

عملی سیاست میں میری دلچسپی کا یہ پہلا موقع نہیں ہے بلکہ ہوش سنبھالنے کے وقت سے بالخصوص علم دین کی سعادت حاصل کرنے کے وقت ہی سے مجھے سیاست سے دلچسپی ہے اور اس میں میری ہی کیا خصوصیت ہے ہر عالم دین سیاست سے منسلک ہے اور اسلام کی رو سے کسی عالم دین کے لئے سیاست شجر ممنوعہ نہیں ہے نہ دین و سیاست کی الگ الگ حد بندی اس ملک و قوم کی خصوصیت ہے جس کے مذہبی پیشواؤں اور حاکموں نے مل کر یہ طے کر لیا ہے کہ قیصر اور بادشاہ کا حق بادشاہ کو دیا جائے اور پوپ کا حق پوپ کو دیا جائے انسانیت کو نجات دینے والا نظام اسلام یہ کہتا ہے کہ

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

بلکہ حدیث میں آتا ہے کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء یعنی (بنی اسرائیل کی سیاست کا نظام انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں تھا)

سیاست نام ہے طریق وضع کرنے کا ان اجتماعی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کا جو اخلاق سماج نظام حکومت معاشیات اقتصادیات وسائل پیداوار اور دولت کی تقسیم سے بنیادی تعلق رکھتے ہیں اگر دین کے دامن میں انفرادی پوجا پاٹ اور عبادت بندگی کے سوا انسان اجتماعی مسائل کی بابت ہدایت اور ان کا مکمل حل موجود نہیں تو اس دین کو دین کہلانے کا حق ہی نہیں۔

میں ایک عالم دین کے لئے اس سے بڑی ذلت اور کوئی نہیں سمجھتا کہ وہ

تقویٰ و دانش کسی عہدہ پر متمکن ہونا ان کا کام، رشد و ہدایت اور تبلیغ و اصلاح ہے اور
وہ حکومت سے باہر رہ کر ہی سرانجام دیا جا سکتا ہے --- مثل مشہور ہے کہ ہر کہ
در کان نمک رفت نمک شد "اقتدار کی کان نمک میں جا کر نمک بننے سے بچنے کے لئے
اقتدار سے دور رہ کر اصلاح تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا جاسکتا ہے تاکہ کسی مرحلہ پر
بھی اعلاء کلمۃ الحق کی آواز مدھم نہ ہونے پائے۔

علماء کو احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے تو ہمیشہ سرگرم عمل رہنا چاہیے
لیکن سیاسی جماعتوں کی طرح محاذ آرائی کا انداز اختیار کرنا علماء کے شایان شان نہیں ہے
اکابر سلف نے ہمیشہ حق گوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا مگر اس مقصد کے لئے انہوں نے
کبھی کسی حزب اختلاف کی بنیاد نہیں رکھی اور حکومت وقت کی بے دینی یا بدعنوانی کے
خلاف منظم سیاسی جدوجہد سے انہوں نے ہمیشہ گریز کیا

امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ نے امام مالکؒ نے اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ
نے وقت کے حکمرانوں کی خلاف شرع باتوں پر نکیر کیا اور کلمہ حق کہنے میں کبھی کوتاہی
نہیں کی مگر انہوں نے کبھی حکومت کو اقتدار کی مسند سے ہٹا کر خود کو اقتدار پر قابض
ہونے کی ادنیٰ سی کوشش بھی نہیں کی ان بزرگان ملت نے اپنے اپنے دور کے ظالم
حکمرانوں کے خلاف کبھی متحدہ محاذ نہیں بنایا پریشر گروپ تشکیل نہیں کیا جتھہ بندی نہیں
کی محاذ آرائی کا طریقہ اختیار نہیں کیا ہنگامہ آرائی کی روش نہیں اپنائی البتہ حق گوئی اور
حق پرستی کے صلہ میں جو ظلم ان کے جسم و جان پر گزری اسے انہوں نے پوری
استقامت اور صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کیا اور حکمرانوں کی غلط روش پر ہمیشہ
انہیں ٹوکتے رہے اور اس معاملے میں انہوں نے کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا مصلحت
کوشی سے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسے وطن میں پیدا
کیا ہے جس کا اقتصادی نظام نہ تو معاشی ناہمواری کے مہلک نتائج پیدا ہونے دیتا ہے

اور دوسرے مذاہب اور روحانیت کو خیرباد کہنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی ہمہ گیری کی وجہ سے کسی نظام کی پیوند کاری کو بھی گوارا نہیں کرتا۔ یہ اسلام کی اپنی غیرت کے خلاف ہے کہ جس کے دامن میں سب کچھ موجود ہو وہ دوسروں کے سامنے دست طلب کیوں دراز کرے۔ علامہ اقبال مرحوم نے شاید ایسے ہی حالات میں ہماری حمیت و غیرت کو ابھارا ہے۔ وہ کہتے ہیں

مرغک اندر شاخسار بوستان

بر مراد خویش بندد آشیان

تو کہ داری فطرت گردون مسیر

خویش را از مرغکی کمتر مگیر

دیگر این نہ آسمان تعمیر کن

بر مراد خود جہان تعمیر کن

لفظ "جمہوریت" کے ساتھ اس کے حقیقی مفہوم اور مصداق کو متعین کرنے کے لئے اگر اسلامی یا غیر اسلامی کا لفظ لگایا جاتا ہے تو یہ تمیز کرنا انتہائی غیر منطقی اور غیر اصولی ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم کو بھی اسلامی اور غیر اسلامی کہنا درست ہے کیونکہ لفظ جمہوریت باوجودیکہ ایک با معنی لفظ ہے لیکن اس کا مفہوم بعض صورتوں میں اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ دوسرے الفاظ لگائے جائیں مثلاً برطانوی جمہوریت، امریکی جمہوریت، اشتراکی جمہوریت اور اسلامی جمہوریت کہنا بالکل بجا اور درست ہے اس کے برخلاف سوشلزم، کمیونزم اور اسلام ہر ایک اپنی جگہ اپنے مفہوم میں مستقل ہے اور مصداق متعین کرنے میں کسی دوسرے لفظ کو لگانے کی مطلقاً حاجت نہیں ہے اگر سوشلزم اور اسلام معاشی نظام کے جزو کی حیثیت ایک دوسرے سے مختلف رکھتے ہوں تب بھی ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

اگر اسلام اپنے دامن میں دنیا کے مادی معاشی نظاموں سے اعلیٰ اور بہتر نظام نہیں رکھتا تو دین اسلام کو دین کہنا ہی صحیح نہیں ہے اور جس کو دین اسلام میں اپنی کوتاہی نظر آتی ہے تو دوسرے نظاموں کے ساتھ پیوند لگانے سے بہتر یہ ہے کہ اس کو اسلام کے رجسٹر سے اپنا نام کٹوا دینا چاہیے۔

ہماری سیاست کا محور اسلام اور صرف اسلام ہے ہم نے اسلام کے ساتھ صرف کا لفظ استعمال کیا ہے اس لئے کہ اسلام کے ساتھ کسی "ازم" کی پیوندکاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام نہ سائنسی ایجادات کے خلاف ہے اور نہ ان کے استعمال کو روکتا ہے بلکہ اسلام کی نظر میں اگر عقل و تجربہ سے صحیح کام نہ لیا جائے تو گویا ہم نے عقل کی قدر نہیں پہچانی۔ اس نفسانی اور لذت پرستی کے جذبات کو بے لگام بنانے کا نام اگر ترقی ہے تو بے شک اسلام ایسی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہی نہیں بلکہ اس کا دشمن ہے۔

اصل میں جب کسی ملت اور قوم کا مذہب شعور پختہ ہو جاتا ہے تو پھر ترقی کے تمام نقشے مذہبی حدود کے اندر اندر تیار کئے جاتے ہیں اور مذہبی حصار کو ترقی کا نام دے کر ٹھکرایا نہیں جاتا کیونکہ مذہبی شعور کی پختگی سے محروم افراد کے تصور میں مذہبی حدود کی توڑ پھوڑ کئے بغیر ترقی کا کوئی نقشہ نہیں آتا بہرحال اسلام نہ تو صحیح ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور نہ مشکلات پیدا کرتا ہے بلکہ وہ ترقی کے تمام ہی مفہوم سے لوگوں کو بحث رکھتا ہے۔

دنیا کے وہ تمام انسانی گروہ جو کسی نہ کسی مفہوم اور صورت میں خدا کا تصور رکھتے ہیں اور اس کی دی ہوئی مذہبی ہدایت پر عقیدہ اور یقین رکھتے ہیں سب کے سب اس حقیقت پر متفق ہیں کہ انسان دو چیزوں کا مجموعہ یا دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم جسے قالب اور ڈھانچہ بھی کہتے ہیں دوسری روح یعنی وہ چیز جس سے حیات اور آثار حیات یعنی احساسات و جذبات وابستہ ہیں اور جس کی جدائی کو موت سے تعبیر کیا جاتا

ہے جسم و بدن کی صحت و توانائی کا دارومدار بھی آب و ہوا اور غذا پر ہے لیکن روح
کی پاکیزگی اور اس کی توانائی کا تعلق خدا کے ساتھ وابستگی اور خدا پرستی پر ہے یہی خدا
پرستی انسانوں کے تقویٰ اور کردار کا بنیادی محور ہے اور خدا پرستی کا یہ جذبہ جس قدر
کمزور ہوگا اسی قدر تقویٰ کمزور اور ضعیف ہوگا اور اس جذبہ میں جس قدر شدت اور
مضبوطی ہوگی اسی قدر تقویٰ کا معیار بلند اور کردار مضبوط ہوگا۔

کسی انسان کی حق تلفی کا تدارک پوری زندگی کی عبادتوں سے بھی ممکن نہیں
ہے پارسائی کے اس اعلیٰ معیار کی بنا پر اسلام کا یہ مشہور ضابطہ ہے کہ حقوق اللہ سے
حقوق العباد مقدم اور زیادہ اہم ہیں اللہ کی مخلوق اللہ کو اتنی پیاری ہے جیسے باپ کی نظر
میں اولاد پیاری ہوتی ہے پس اللہ کے نزدیک وہ شخص سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو اللہ
کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

اس معاملہ میں میرا تاثر ایک عام دیندار مسلمان اور پاکستانی کی حیثیت
سے یہ ہے کہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے سے جو خوشی مجھے ہوئی
ہے شاید میری زندگی میں اس سے زیادہ خوشی کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کیونکہ محمد عربی
ﷺ کی نبوت کے مقابلہ میں ایک مصنوعی نبوت کا فتنہ اسلام کے جسم کا ایک ناسور تھا
جو تقریباً نوے سال سے پرورش پا رہا تھا فرنگی اقتدار نے مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے
خائف ہو کر انیسویں صدی کے آخر میں یہ فتنہ صرف اسی لئے اٹھایا تھا کہ جہاد کو
منسوخ قرار دیا جائے مسلمانوں نے ابتداء ہی سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔

یہ فیصلہ اسلام کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اب ہمیں
چاہیے کہ ہم اس فیصلہ پر بارگاہ رب العزت میں شکر ادا کریں اور متاثر ہونے والے
فرقہ کے ساتھ ایسا کوئی برتاؤ نہ کریں جو آئین میں دیئے ہوئے تحفظ کے خلاف ہو۔

ہندوستان میں مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا ہے ابھی
کسی شہر میں اور کبھی کسی دوسرے شہر میں بڑی باقاعدگی سے خون مسلم سے ہولی کھیلی

کی مشق ستم جاری ہے۔ ایسی صورت میں دنیا بھر کے اسلامی ممالک کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ مسلمانان ہندوستان کی اس مسلسل مظلومیت کے خلاف نہ صرف صدائے احتجاج بلند کریں بلکہ ایسے عملی اقدامات بھی کریں جن سے ہندوستان کے برسر اقتدار طبقے کو فرزندان توحید پر ظلم ڈھانے کی اس کارروائی پر مجبور کیا جا سکے۔

سیاست کی تین قسمیں ہیں ایک ذاتی اور شخصی سیاست جس میں تمام مسائل اور عوامل کا محور ایک ہستی اور ذات ہوتی ایسی ہستی اور ذات بجز حضور اکرم ﷺ کے نہ کوئی ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتی ہے۔ حضور کی ذات اقدس عبادات و اخلاق معاشیات و اقتصادیات اور ہر اعتبار سے معیار اور مقصود بالذات ہے آپ کے بعد کسی ذات کو معیار اور کسوٹی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا زندگی کے تمام مسائل اور ہماری اسلامی قومیت کا محور بھی محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

سیاست کی دوسری قسم ہے جماعتی سیاست جس کو پارٹی پالیٹکس کہتے ہیں ایسی ایسی سیاست میں جب کہ پارٹی کے مقاصد ذاتی یا انفرادی، نسلی و علاقہ واری اور طبقاتی و گروہی سطح سے بلند ہو کر دین و ملت کے عام بہبود و فلاح کے اعلیٰ اصول ہوں اور تنظیم کے افراد بھی قابل اعتماد ہوں تو ایسی سیاست میں خود میں نے اور میرے بزرگوں نے بھی حصہ لیا ہے۔

سیاست کی تیسری قسم ہے جو ذاتیات اور پارٹی پالیٹکس دونوں سے بلند ہو کر اعلیٰ اصول اور بنیادی نصب العین سے متعلق ہو جس میں تمام کوششوں اور قربانیوں کا محور نصب العین اور اصولی مقاصد ہوتے ہیں یہ سیاست کبھی اور کسی وقت کسی عالم دین سے جدا اور الگ نہیں ہو سکتی۔ یہ سیاست نہ کسی ذات کی محتاج ہے اور نہ کسی پارٹی کی رہین یہ بات کہ ہماری زندگی اور کوششوں کا محور وہ اصولی مقصد اور نصب العین ہے سو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔

خطبات احتشام
خطیب پاکستان
حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ
ادارہ تالیفات اشرفیہ

خطباتِ احتشام

جلد چہارم

از

خطیبِ پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ

مرتبہ

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون 4540519-4519244

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... خطبات احتشام

تاریخ اشاعت .... جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان ——— ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ——— مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ ——— کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور ——— دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K. (ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121 HALLIWELL ROAD BOLTON BL1 3NE (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

عرض ناشر

خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت موصوف کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اللہ پاک حافظ اکبر بخاری شاہ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے محنت شاقہ سے ان خطبات کو جمع کر کے امت پر احسان عظیم فرمایا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

والسلام
محمد اسحاق عفی عنہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہ

خطیب پاکستان مفسر قرآن حضرت مولانا الحاج الحافظ احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں ہے وہ ایک نامور عالم دین اور بے مثل خطیب تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور علوم دینیہ میں مکمل مہارت وثقاہت کے حامل ایک جید عالم دین تھے۔ مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ عام خطیبوں اور مقررین کی طرح ایک مقرر اور خطیب ہی نہیں تھے بلکہ اوصاف وکمالات کے اعتبار سے ایک جامع جمیع اوصاف شخصیت بھی تھے اور خاندانی ونسبی حیثیت سے اعلیٰ درجے کی شرافت اور نجابت وارادت کے لحاظ سے بھی روحانی رشتہ اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء اور مشائخ عظام سے قائم تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ مولانا مرحوم کے ماموں اور روحانی مربی تھے انہوں نے اپنا اصلاحی اور تربیت روحانی کا رشتہ بھی حضرت حکیم الامت سے ہی قائم کیا تھا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کی طرف سے تکمیل سلوک کے بعد مجاز بیعت قرار پائے تھے۔ حضرت حکیم الامت سے نسبی اور روحانی رشتہ کے علاوہ سیاسی مسلک میں بھی ہمنوائی تھی اور دو قومی نظریہ اور تحریک پاکستان کے بڑے محرک کے ساتھ حامی تھے۔ مولانا کی پوری سیاسی زندگی دو قومی نظریہ اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے گرد گھومتی نظر

آئی ہے اور وہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی مفاہمت اور رواداری کے قائل نہیں تھے۔ مولانا کو اپنے اس نظریے کی صداقت پر حق سے اصرار تھا، ہر اس شخص اور جماعت سے مولانا کو سخت اختلاف رہا جس کے بارہ میں اس نظریے کی مخالفت کا ادنیٰ شبہ بھی ان کو ہو گیا پھر اس اظہار اختلاف میں بھی مولانا مرحوم نے کبھی کسی کی رو رعایت نہیں کی وہ اپنے پرائے کا بھی کوئی امتیاز روا نہیں رکھتے تھے۔ جس موقف اور نظریے کو حضرت حکیم الامت تھانوی اور شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کے سیاسی نظریات سے مختلف پایا آپ نے اس مسلک و نظریے سے برملا بیزاری کا اظہار فرمایا اور آخر دم تک حضرت حکیم الامت اور حضرت شیخ الاسلام کے مسلک و نظریات پر قائم رہے اور اسی نظریے اور موقف کو صحیح سمجھ کر بلا خوف لومۃ لائم اس کے اعلانیہ داعی اور ترجمان رہے اور اسی کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رہے۔

ہمارے عزیز محترم حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ نے اپنی کتاب "حیات احتشام" میں مولانا کے ہر ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور خاص طور پر مولانا مرحوم کے سیاسی نظریات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

مولانا مرحوم کی حیات اور خدمات پر ایک جامع اور دلکش تالیف ہے اور عزیز سلمہ کی محنت کاوش کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ "حیات احتشام" کے علاوہ عزیز موصوف نے "خطبات احتشام" کے نام سے مولانا مرحوم کے خطبات و مواعظ حسنہ کو بھی مرتب کیا ہے جس کی یہ زیر نظر کتاب خطبات احتشام کی چوتھی جلد ہے اس میں بھی مولانا مرحوم کے خطبات و مقالات سے مولانا کے سیاسی نظریات واضح طور پر سامنے آتے ہیں اور مولانا کی علمی و سیاسی بصیرت کو سمجھنے کیلئے کافی مواد ملتا ہے۔ بہر حال مولانا مرحوم کو مجمع عام میں تقریر و خطابت کی جو بے نظیر صلاحیت اور قابلیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس کا مشاہدہ تو عام جلسوں، کانفرنسوں اور اجلاسوں میں ہر خاص و عام کو ہوتا رہتا تھا مگر عام مجلسوں اور محفلوں میں خاص طور پر اونچی سوسائٹیوں میں مولانا کا انداز گفتگو اور طرز بیان قابل دید ہوتا تھا، مولانا مرحوم اپنے مدعا کو ایسے طریقے سے پیش کرتے تھے کہ بڑے بڑے معاند اور مخالف کو بھی سوائے سکوت کے اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا، ایسی مجالس میں مولانا کی ذہانت، حاضر جوابی، برجستگی اور

تحریر و تقریر کا خوب خوب ظہور ہوتا تھا پھر بھی طبع کے مزاج و مذاق کی رعایت کے ساتھ اپنے موقف کی پختگی میں سر مو فرق نہیں آنے دیتے تھے تاہم گفتگو میں چہرے پر مسکراہٹ و بشاشت اول تا آخر یکساں طور پر قائم رہتی تھی۔ مولانا مرحوم اپنے اس مخصوص طرز گفتگو اور طرز تفہیم کی بدولت بھی تمام علماء کرام کی جماعت میں امتیازی شان کے حامل تھے۔ بقول حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ علماء کی جماعت میں مولانا مرحوم ایک دماغ کی حیثیت رکھتے تھے۔ دستور اسلام اور اسی طرح کے دوسرے دینی مسائل کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی اونچے طبقے کی مجلسوں میں مولانا مرحوم نے ہمیشہ علماء حق کے ترجمان کی حیثیت سے کام انجام دیا اور علماء کرام کے وفود کیلئے رابطہ کا فرض ادا کرتے رہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا رسول خان ہزاروی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا اطہر علی رحمہم اللہ وغیرہم تمام اکابر علماء کرام نے نظام اسلام کیلئے اپنی کوششوں میں مولانا احتشام الحق تھانوی پر پورا اعتماد فرمایا اور نظام اسلام کی تحریک سے وابستگی رکھنے والے سب بزرگوں نے مولانا تھانوی مرحوم کی مساعی جمیلہ اور انتھک کوششوں کو ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور مولانا مرحوم ہمیشہ ان سب بزرگوں کے محب و محبوب رہے۔

اللہ تعالیٰ عزیز سلمہ کی اس کاوش و محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائیں۔ عزیز سلمہ نے "حیات احتشام" اور "خطبات احتشام" مرتب کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کتابوں کو عوام و خواص کیلئے نافع اور مفید بنا دیں اور مرتب اور ناشر کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین!

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

علماء حق کی زینت اور محسن داؤدی کا پیکر

سمع وجیہاً فی الدنیا والآخرۃ

(۱)۔ خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے پرجوش حامی اور بے لوث خادم اسلام تھے تقسیم ملک سے پہلے آپ خود دہلی کے سیکرٹریٹ کی جامع مسجد کے خطیب ہونے کے سبب اکثر مسلم لیگی راہنماؤں کے دوست اور مذہبی راہنما تھے زعماء لیگ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور تقریبات شادی وغمی میں آپ کی شرکت کو باعث رحمت تصور کرتے۔

(۲)۔ قیام پاکستان کے بعد چونکہ پاکستان کا دارالخلافہ کراچی تھا بدیں وجہ آپ نے کراچی کو دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا کراچی میں ایک عظیم الشان (جیکب لائن وسیع وعریض جامع مسجد کی تعمیر کی اور ٹنڈو الہ یار میں دارالعلوم اسلامیہ قائم کیا۔ جہاں سینکڑوں طالب علم اقامت پذیر ہو کر درس نظامی کے تحت تمام علوم عربیہ اسلامیہ کی تعلیم پاتے ہیں۔

(۳)۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں آپ ان کے دست راست اور جمعیت علماء اسلام کے جنرل سیکرٹری ناظم اعلیٰ کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں حضرت کی زندگی میں دوسری دینی جماعتوں کی حیثیت ذیلی تھی اصل جماعت جمعیت علماء اسلام ہی تھی جس نے نظام اسلامی کے سلسلہ میں بھرپور کوشش کی جس کا اثر یہ ہوا کہ پاکستان کو اسلامیہ جمہوریہ کلی طور پر بنا دیا گیا اور قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد ملک صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت بنا ۲۲ نکات پر اتفاق کا کارنامہ سرانجام دیا حضرت شیخ الاسلام ضعف پیری کے باعث ملک کے دور دراز علاقوں میں نہ جا سکتے تھے یہ مولانا احتشام الحق تھانوی کی ذات تھی جو سارے پاکستان کا دورہ کرتے تھے اور پیش آمدہ مسائل میں جمعیت علماء اسلام کا نقطہ نگاہ ظاہر فرماتے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے تمام بڑے

شہروں اور قصبوں میں آپ کی آواز گونجتی اور فرزندانِ اسلام مولانا کی آواز پر لبیک کہتے۔

(۴)۔ راقم الحروف جمعیت علماء اسلام پنجاب کا ناظم اعلیٰ تھا اور عزیزی مولانا محمد عبد العلیم صاحب ناظم تھے جب بھی حضرت پنجاب تشریف لاتے ہم دونوں بھائی ساتھ رہتے لاہور جیسے مرکزی شہر میں حضرت کا بار بار خطاب ہوتا اور مدرسے کے سالانہ جلسوں میں بھی حضرت تشریف لاتے تھے آپ کو اللہ نے لحن داؤدی عطا فرمایا تھا عربی مدارس کے طلباء اور اساتذہ تو آپ کے گرویدہ تھے ہی کالجوں سکولوں کے طلبہ بھی مولانا کی تقریر بڑے شوق و ذوق سے سنتے ملازم پیشہ حضرات وکلاء تجار ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ مولانا کی زبان شیریں سے اللہ کا پاک کلام سنیں اور اپنی روح کو نئی زندگی دیں مولانا کا انداز بیان انداز فکر اور انداز تبلیغ کا طرز نرالا تھا جس کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے وہ اپنی ذات اور صفات میں اپنی مثال آپ تھے آپ کی قد آور شخصیت وجاہت ظاہری اور باطنی رعنائی کے صحیح معنوں میں وجیھا فی الدنیا والآخرۃ کا عملی پیکر نظر آتے۔

(۵)۔ مولانا کی زندگی میں دو مرتبہ الیکشن ہوا جس میں آپ کی جرأت اور بے باکی نمایاں طور پر ظاہر ہوئی بعض اضلاع میں مخالفین سر توڑ کوشش کرتے کہ مولانا کی تقریر نہ ہو سکے۔

ایک مرتبہ تشریف لائے فرمانے لگے سرگودھا کے لوگ سخت ہیں وہاں سے مسلسل دھمکی کے خطوط آ رہے ہیں اور یہی حال گوجرانوالہ کا ہے ان دو شہروں میں جانا تو رسوائی کا باعث ہوگا وہاں جلسہ کرنا مشکل ہے ان دو شہروں کا پروگرام منسوخ کر دینا چاہیے کیونکہ وہاں کے مقامی علماء دوسرے گروہ میں شامل ہیں چونکہ راقم الحروف ضلع سرگودھا کے رہنے والے ہیں وہاں پر قبلہ والد صاحب پچیس برس تک سرگودھا شہر میں خطیب رہے ہیں اس لئے مولانا کو عرض کیا آپ فکر نہ کریں سرگودھا شہر تو ہمارا شہر ہے فرمانے لگے آپ سب بھائی تو عرصہ دراز سے لاہور میں رہتے ہیں اب وہاں دوسرے لوگوں کا زور ہے عاجز نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں وہاں جلسہ ہوگا گوجرانوالہ میں بھی راقم الحروف اور مکرم عزیزی مولانا محمد عبد العلیم کئی برس تک رہے ہیں اور مختلف مساجد میں درس قرآن دیتے رہے ہیں وہاں بھی

اللہ کی رحمت سے پرانے دوست احباب ذی اثر ہیں کہ جلسہ کامیاب ہوگا حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تردد میں تھے الحمدللہ اس عاجز نے اپنے دونوں فرزند حافظ حسین احمد قاسمی اور قاری محمود الحسن قاسمی کو سرگودھا بھیج دیا تاکہ جلسہ کا وسیع گراونڈ متصل سٹی تھانہ میں انتظام کریں جناب عبدالحمید صاحب باجوہ مرحوم اتفاقاً وہاں ایس پی تھے انہوں نے نہ صرف بھرپور تعاون کیا بلکہ اپنی گاڑی بھی لائل پور مولانا کو لانے کیلئے حسین محمود کے حوالہ کر دی خدا کے فضل وکرم سے ایسا عظیم الشان جلسہ ہوا جس کی مثال سرگودھا شہر میں نہیں ملتی اسی طرح گوجرانوالہ میں مدرسہ عربیہ میں جلسہ کیا گیا وہ بھی حد درجہ کامیاب رہا حضرت فرماتے ہمارا خیال تھا کہ آپ کا اثر صرف لاہور میں ہے لیکن آپ تو پورے پنجاب پر چھائے ہوئے ہیں یہ حضرت کا حسن ظن تھا۔

(۶)۔ اس قسم کے متعدد واقعات اور مشاہدات ہیں جو اس مختصر مضمون میں شائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے جلسہ تقسیم اسناد مدرسہ اسلامیہ ٹنڈوالہ یار (سندھ)

جنرل ایوب خان کے دور میں اس جلسہ کا اہتمام خود حضرت نے فرمایا تھا جس میں صدر پاکستان محمد ایوب خان بھی شریک ہو رہے تھے۔ لاہور سے حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور ہم دونوں بھائی ٹنڈوالہ یار گئے راولپنڈی سے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم ملتان سے مولانا محمد علی جالندھری ودیگر علماء شریک جلسہ ہوئے حضرت نے بڑے وسیع پیمانہ پر جلسہ کا انتظام کرایا تھا اس وقت مسند حدیث پر حضرت شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی فائز تھے سندھ، پنجاب، سرحد، بلوچستان اور مشرقی پاکستان سے کثیر تعداد میں علماء کرام شریک جلسہ تھے یہ مولانا موصوف کا اثر ورسوخ تھا کہ ایوب خان جیسے آمر کو عربی مدرسہ کے اجلاس میں لائے ورنہ یہ لوگ تو کالجوں کے چکر میں رہتے ہیں ان کو عربی مدارس سے کیا غرض البتہ عربی مدارس کو مٹانے میں سعی لاحاصل کرتے رہتے ہیں۔

(۷)۔ درس قرآن ریڈیو پاکستان

مولانا موصوف سالہا سال تک روزانہ صبح کے وقت ریڈیو پاکستان پر درس قرآن دیتے تھے جس کا اثر سارے ملک پر تھا اور اپنے پرائے بڑی عقیدت اور محبت سے اللہ کا پاک کلام

تھے بعد ازاں صرف ہفتہ میں ایک دن درس دیتے تھے آپ کا درس قرآن ریڈیو پاکستان پر اول بھی تھا اور آخر بھی بعد ازاں اب تک درس قرآن ریڈیو پاکستان پر نہ ہو سکا مولانا مرحوم کی وفات کے بعد کراچی کا شہر خطیب اسلام سے ایسا خالی ہوا جس کا پر ہونا خدا کی قدرت کا منتظر ہے سچی بات یہ ہے کہ کراچی میں کوئی خطیب نہ رہا جو ہیں وہ نہ ہونے کے برابر ہیں آپ کی وفات کے بعد کراچی شہر میں اہل بدعت اور اہل رفض نے انگڑائی لی اور نورانی میاں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ میدان میں آئے ورنہ مولانا کی زندگی میں ان کو جرات نہ ہوئی۔

(۸)۔ بہر حال مولانا کی ذات ستودہ صفات ہمہ گیر شخصیت کی حامل تھی مولانا علماء دین کی زینت تھے ان کے رخصت ہو جانے کے بعد فن خطابت میں خاص طور پر ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کا پر ہونا مشکل ہے۔

(۹)۔ چودھویں صدی کا آخری عشرہ جو رحیب قیادت کا منظر پیش کرتا ہے ایسے ایسے برگزیدہ اور جمہور علماء صلحاء امت اور مشائخ رخصت ہوئے ہیں جن کی مثال پندرھویں صدی میں نہیں ملتی۔

چونکہ وعدہ خداوندی انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون سچا ہے اس لئے حق تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کا کام اپنے خاص بندوں سے ضرور لے گا۔

ابو الحسین محمد عبدالعلیم قاسمی کان اللہ لہ ولوالدیہ

بانی و مہتمم جامعہ قاسمیہ گلبرگ نمبر ۳ لاہور

صدر مرکزی جمعیت علماء احناف پاکستان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ آخرت

الحمدُ لِلّٰہِ نحمدُہٗ ونستعینُہٗ ونستغفرُہٗ ونؤمنُ بہٖ ونتوکّلُ علیہِ ونعوذُ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سیّاٰتِ اعمالنا من یھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ ومن یُّضللہٗ فلا ھادیَ لہٗ ونشھدُ اَن لا الٰہَ اِلّا اللّٰہُ وحدہٗ لا شریکَ لہٗ ونشھدُ اَنّ سیّدنا ونبیّنا ومولانا محمّدًا عبدُہٗ ورسولُہٗ صلّی اللّٰہُ تعالٰی علٰی خیرِ خلقہٖ محمّدٍ واٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اَمّا بعدُ! فاعوذُ باللّٰہِ من الشّیطٰنِ الرّجیم۔

بسمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرّحیم۔

اَلیومَ اَکملتُ لکم دینکم واَتممتُ علیکم نعمتی ورضیتُ لکم الاسلامَ دینًا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ آخرت

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز!

اب آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات کے بارے میں یعنی آپ کی وفات اور آپ کے وصال کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں، یہ بھی سیرتِ طیبہ ہے اور بعض بزرگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا اور آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ وہ یہ کہ ہر نبی اور پیغمبر جب دنیا سے تشریف لے جاتے تھے تو وہ یہ اعلان فرماتے تھے کہ میرے بعد ایک نبی آنے والے ہیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ میرے بعد اب کسی نبی اور پیغمبر کے آنے کا سوال نہیں ہے۔ اس لئے کہ جن مقاصد کے لئے جن کاموں کے لئے اور جن ذمہ داریوں کے لئے اللہ تعالیٰ نبی بھیجتے تھے۔ وہ ذمہ داریاں اللہ نے میرے بعد میرے ہر امتی کے اوپر ڈال دیں۔ میری امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ کام کریں کہ جس کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لایا کرتے تھے۔ اب کسی نبی کے اور پیغمبر کے آنے کا سوال ہی نہیں۔

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات اور آپ کا وصال یہ عموم بعثت ہے عموم بعثت کے معنی یہ ہیں کہ پہلے ایک فرد کی بعثت تھی۔ حضور تشریف لائے۔ آپ نے کام انجام دیئے لیکن فرمایا کہ اب عمومی طور پر امت پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہے یعنی نبی کی بعثت کا کام آپ کی امت کے ذمہ ڈال دیا گیا۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا اور آپ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت اہم واقعہ ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سن ۱۰ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا۔ حج آپ نے بہت سے کئے لیکن اس کو شریعت کی اصطلاح میں حج اصغر کہتے ہیں، یعنی عمرہ، عمرے کو حج اصغر کہا جاتا ہے اور حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے۔

عمرے میں عرفات کے میدان میں قیام نہیں ہے۔ منیٰ اور مزدلفہ کا قیام نہیں ہے۔ بلکہ
خانہ کعبہ کا طواف ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی ہے اور جب وہ سعی کے چکر پورے ہو
جاتے ہیں تو پھر اس کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے۔ سر کے بال کتروانے کے بعد حلق کیا
جاتا ہے۔ یہ عمرہ ہو گیا۔ اس عمرے کو اصل میں حج اصغر کہا کرتے تھے، چھوٹا حج اور اس کے
مقابلے میں جب وہ حج آیا کہ جس میں عرفات کے میدان میں جاتا ہے۔ عرفات سے مزدلفہ
اور مزدلفہ سے منیٰ میں حج اکبر کہلایا۔

ہم اور آپ تو حج اکبر اس حج کو کہنے لگے کہ جو جمعہ کے دن ہو لیکن اسلام میں اس کی
کوئی اصلیت نہیں۔ اسلام تو حج اکبر عمرے کے مقابلے میں حج کو کہتا ہے یعنی یہ بڑا حج اور یہ
چھوٹا حج، ہاں اگر حج جمعہ کے دن واقع ہو جیسا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب
حج ادا فرمایا ہے تو وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فضیلت در فضیلت، نور فضیلت
بڑھ گئی اس فضیلت کا اظہار ہم اور آپ عوام کی زبان میں حج اکبر کے لفظ سے اس کو ادا
کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں عام حج کو حج اکبر کہا گیا ہے۔

یہ میں نے تفصیل اس لئے عرض کی کہ سن ۱۰ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو
حج ادا کیا ہے، یہی آپ کا پہلا حج ہے، یہی آپ کا آخری حج ہے۔ یہی حج، حج اکبر ہے۔
کیونکہ اس سے پہلے آپ نے عمرے بہت سے ادا کئے ہیں۔ اور حج کا سوال اس لئے پیدا
نہیں ہوا کہ ابھی اسلام میں حج فرض نہیں ہوا۔ حج فرض ہوا ہے ۹ ہجری میں۔ اور میں نے
اس سے پہلے بھی آپ کو بتایا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حج سن ۶ ہجری
میں فرض ہو گیا تھا۔ لیکن علماء نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس کو رد کر دیا ہے۔ اس کی
ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ حج کے معاملے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ آپ کا ارشاد
نہایت سنگین اور سخت ہے۔ آپؐ نے فرمایا اور حدیث قدسی کے طور پر آپؐ نے فرمایا کہ جس
آدمی پر حج فرض ہو جائے اور وہ حج کو ٹالتا رہے۔ اس سال نہیں۔ اگلے سال اگلے سال
نہیں، اس سے اگلے سال۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کا ذمہ بری ہے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ

یہودی ہو کے مرے گا یا نصرانی ہو کے مرے گا۔

جب خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حج کی تاخیر کے سلسلے میں اتنی ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں تو یہ بھلا! یہ بات کبھی سمجھ میں آتی ہے کہ حج ۶ ہجری کو فرض ہو جاتا اور ۱۰ ہجری تک آپ حج ادا نہ کرتے۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب حج آپ پر فرض ہو گیا اور آپ تو اس مقام اور اسی جگہ پر موجود ہیں کہ جہاں حج ادا کیا جاتا ہے۔ یعنی حجاز میں موجود ہیں۔

ہمارے اور آپ کی فرضیت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اگر وہاں تک پہنچنے کے وسائل ہمارے اور آپ کے پاس موجود نہیں ہیں تو ابھی ہم پر حج فرض نہیں ہوا، اتنے پیسے نہیں ہیں کہ جو ہم کرایہ ادا کر سکیں یا اس مروجہ انتظام سے جا سکیں۔ لیکن جو آدمی جس کے پاس پیسے بھی نہ ہوں اگر وہ ایام حج میں اس سرزمین پر ہو کہ جہاں پر حج کیا جاتا ہے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک شخص کسی ملازمت کے سلسلے میں کسی اور ضروری سفر کے سلسلے میں اتفاق سے ذی الحجہ کے پہلے عشرے میں مکہ میں موجود ہے اس لئے اس پر حج فرض ہو گیا۔ اب یہ ادا کرے گا اپنا حج فرض ادا کرے گا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حج سن ۶ ہجری میں فرض ہو جاتا، آپ سن ۷ ہجری میں نہ کرتے، ۸ ہجری میں نہ کرتے، ۹ ہجری میں آپ حج ادا کرتے۔ یہ ممکن نہیں۔ کہ آپ اس کو ۳ سال تک ٹالتے۔ بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ حج فرض ہوا ہے سن ۹ ہجری میں۔ تو سب سے پہلے اگلا سال جب آیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا۔ یہ آپ کا پہلا حج اور یہی آپ کا آخری حج ہے۔ اسی کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں، اسی کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں۔

حجۃ الاسلام تو اس لئے کہتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ حج فرض ہوا ہے۔ حجۃ الوداع اس لئے کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے اس حج میں رخصت ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

اے میرے ساتھیو! مجھے حج کرتے ہوئے تم ذرا اچھی طرح غور سے دیکھنا اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کے بعد پھر یہ صحبت دیکھنے کی نوبت نہ آئے۔ اچھی طرح دیکھ لینا کہ حج کس طرح ادا کیا

جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ پھر شاید اس کے بعد مجھے حج کرتے ہوئے نہ دیکھو۔

آپؐ نے دسویں ہجری میں حج ادا کیا اور حج ادا کر کے واپس مدینہ تشریف لے آئے، ذی الحجہ کے کچھ دن، محرم، صفر دو مہینے اگلے سال کے گزرے کہ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آپ نے حجۃ الوداع ادا کیا۔ تو ایک بات تو یہ پیش آئی کہ اسی حج کے موقع پر میدان عرفات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی ایک آیت وحی کی گئی فرمایا کہ۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

تکمیل دین کی بشارت سنادی گئی۔ اب دین کا کوئی ٹکڑا اور دین کا کوئی حصہ اور دین کا کوئی جز اب باقی نہیں رہ گیا ہے۔ جتنا دین تھا سب دیا جا چکا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں سے یہ سب سے آخری آیت ہے۔ شاید آپ کو شبہ ہو جائے، ابھی ابھی میں نے یہ بھی آپ کے سامنے کہا ہے کہ اذا جاء نصر اللہ والفتح یہ آخری سورت ہے۔ لیکن یہ دو باتیں الگ الگ ہیں۔

سب سے پہلے آیت، آیت کی حیثیت سے قرآن کریم کی جو نازل ہوئی ہے وہ اقرا باسم ربک الذی خلق ہے۔ لیکن سب سے پہلے سورت، سورت کی حیثیت سے، پوری سورت، وہ سورۃ فاتحہ نازل ہوئی ہے۔

قرآن کریم کی آیتوں میں سے سب سے آخری آیت جو آیت اور ٹکڑے کے طور پر نازل ہوئی ہے وہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ ہے اور سورتوں میں سب سے آخری سورت اذا جاء ہے۔

جب آخری سورت آپؐ پر نازل ہوئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف رکھتے تھے اور صحابہ موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے اپنے ایک بندے کو (اور وہ ایک بندے سے مراد خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے)۔

یہ اختیار دیا ہے کہ چاہے اور زیادہ دنیا میں قیام کرے اور چاہے تو رفیق اعلیٰ اور اللہ

سے مل جائے۔ فرمایا کہ اللہ کے اس بندے نے دنیا کے قیام کو پسند نہیں فرمایا۔ رفیق اعلیٰ کی ملاقات کو پسند فرمایا ہے۔ بات ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زاروقطار رونے لگے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ اے ابوبکر صدیقؓ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ واقعہ ایک شخص کے بارے میں بیان کیا ہے۔ آپ کے رونے کی کیا بات ہے۔

بات یہ ہے کہ جس کو جتنی محبت ہوتی ہے اتنا ہی اس پر اثر ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ ان حقائق کو سمجھنے والے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تم سمجھے نہیں۔ یہ بات جو حضور نے ارشاد فرمائی ہے۔ یہ خود اپنے بارے میں فرمائی ہے اور کسی بندے کے بارے میں نہیں فرمائی۔ اور گویا کہ آج آپ اعلان فرمارہے ہیں کہ آپ نے سفر آخرت کا ارادہ کر لیا ہے۔ یہ اب آخری لمحات ہیں جو حضور کے ساتھ گزر رہے ہیں۔

جب ایک چیز منزل کمال تک پہنچ جاتی ہے۔ تو منزل کمال پر پہنچنا اس بات کی نشانی ہے کہ اب اترنے والی ہے دین مکمل ہو چکا۔ اب آپ کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ اب آپ تشریف لے جائیں گے۔ ایسا ہی ہوا۔

کہ آپ حج کرکے مدینہ میں تشریف لائے۔ ذی الحجہ محرم کا مہینہ گزرا صفر کے مہینے میں آخری چہارشنبہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور بیماری کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ رات کو اٹھے اور جنت البقیع کی قبرستان کی طرف روانہ ہو گئے۔

جنت البقیع وہ ٹکڑا ہے جس میں لاکھوں خاصان خدا، صحابہ کرام، اولیاء اللہ، ازواج مطہرات، اہل بیت اور بہت سے اللہ کے مقبول بندے اس کے اندر مدفون ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں جنت البقیع میں جاؤں اور اہل قبور کے لئے مغفرت کی دعا کروں۔ کیسی خوش قسمتی ہے ان قبر والوں کی کہ جن کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپؐ مغفرت کی دعا کے لئے تشریف لے جارہے ہیں۔ کسی صاحب دل نے بہت اچھی بات کہی۔ فرمایا کہ ؎

کشتے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدینسان

بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

یہ محبت کا کرشمہ ہے۔ یہ عشق کا کرشمہ ہے کہ اگر جنازے پر حاضری کی نوبت نہ ملی تو

بہر حال مزار پر تو آنا ہو ہی گیا۔

اور جن کی مزار پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی دعا نہیں فرمائی ان کو بھی ایک شرف، ایک عزت اور فضیلت یہ ملنے والی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھیں گے...... کیسے؟

حدیث میں آتا ہے جو مسلمان اور اہل ایمان جہاں کسی ملک میں کسی سرزمین پر دفن کیا جائے گا۔ وہاں تین سوال ہوں گے۔ پہلا سوال یہ ہوگا۔ من ربک، آپ کا رب کون ہے۔ وما دینک اور آپ کا دین کا کیا نام ہے۔ ومن ھذا الرجل اور جن کی طرف ہم اشارہ کر کے پوچھ رہے ہیں۔ انہیں دیکھو اور بتاؤ یہ کون ہیں۔

یہ مقام تو حضرت رابعہ بصریہ کو حاصل ہے۔ فرمانے لگیں کہ اگر مجھ سے منکر نکیر نے یہی سوال کیا تو میں انہیں جواب دوں گی۔ ہم اور آپ تو نہیں کہہ سکتے، ہمیں تو اس وقت کے تصور سے خوف ہے کہ آیا ہمارے ہوش وحواس بھی درست ہوں گے یا نہیں۔ جواب دے سکیں گے یا نہیں دے سکیں گے۔ لیکن یہ مقام ناز کا مقام ہے جو اللہ والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ فرماتی ہیں

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست گویم آنکس کہ ربود ی دل دیوانہ ما

اگر فرشتوں نے مجھ سے آ کے یہ پوچھا کہ تیرا رب کون ہے۔ میں یہ کہوں گی کہ تو میرا رب پوچھتا ہے۔ میرا رب وہ ہے جس کے لئے میں نے دونوں جہاں چھوڑ دیئے۔ جس کی خاطر میں نے اپنی ساری عمر وقف کر دی۔ وہ میرا رب ہے۔ ناز کے عالم میں، مستی کے عالم میں فرماتی ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اے عمرؓ!

قبر کی تنہائی میں جب یہ سوال کیا جائے گا کہ من ربک وما دینک ومن ھذا الرجل تو کیا جواب دو گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ایک بات یہ بتا دیجئے کہ ہمیں اس وقت ہوش ہوگا یا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہوش تو بہت زیادہ ہوگا۔ یہاں سے بھی زیادہ ہوگا۔ فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر جب ہوش ہوگا تو پرواہ نہیں جواب دیں گے بیڑا پار ہو جائے گا۔ صحیح جواب دیں گے۔

تو میں نے عرض کیا کہ ومن ھذا الرجل یہ اشارہ کس کی طرف ہوگا، یہ سرکار دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب کسی میت سے سوال کیا جائے گا خواہ دنیا کے کسی خطے اور زمین کے اندر اس کو دفن کیا گیا ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں آرام فرما رہے ہیں وہاں سے لے کر اس میت کی قبر تک زمین کے جتنے حجابات اور پردے ہیں وہ سب ہٹا دیئے جائیں گے ایک مومن اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور یہ ایمان کا تقاضا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہی وہ یہ کہے گا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ کی محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ دنیا میں جس جگہ میں مومن کا انتقال اور وصال ہو آپ تشریف لا کر اس کے جنازے کی نماز پڑھیں لیکن ایسا ممکن نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں اہل قبور کے لئے مغفرت کی دعا کرنے تشریف لے جارہے ہیں۔ جن کی مغفرت کے لئے حضور ہاتھ اٹھا دیں۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے کیا وہ مغفرت سے بچ جائے گا۔ ضرور ہوگا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات لکھی ہے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے تو آپ کو یہ محسوس ہوا کہ یہ ایک پتھر ہے۔ یہ رو رہا ہے۔ آپ کہیں گے کہ پتھر میں تو حس نہیں ہے۔ ہمارے اور آپ کے اعتبار سے حس نہیں ہے لیکن اس میں حس ہے اور فرمایا کہ اگر پتھر میں حس نہیں تو وان من الحجارة لما یتفجر منه الانهر وان منها لما یشقق فیخرج منه الماء وان منها لما یهبط من خشیة الله کبھی کبھی پتھر اللہ کے خوف سے لرز کر اوپر سے نیچے گر جاتا ہے۔

پتھر میں خوف خدا ہے۔ اس میں بھی خشیت ہے۔ وہ رو رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تیرے رونے سے دل کٹا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس لئے رو رہا ہوں جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ جہنم کے اندر ایندھن کے طور پر جو چیز جلائی جائے گی وہ پتھر ہوں گے۔ وقودها الناس والحجارة میں اپنی قسمت پر رو رہا ہوں کہ ہائے میں پتھر پیدا کیا گیا ہوں۔ میں دوزخ کا ایندھن بن گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اس کے حق میں دعا مانگی اور فرمایا کہ تیرے حق میں مغفرت کی دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے

بچالیں گے۔ آپؐ تشریف لے گئے۔ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ برابر رونے میں مصروف ہے۔ آپؐ نے پھر پوچھا کہ تیرے رونے کی کیا بات ہے۔ اس نے کہا کہ۔

کان ذلک بکاء الخوف وھذا بکاء السرور۔ وہ خوف کا رونا تھا اور یہ خوشی کا رونا ہے۔ کہاں میری قسمت کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں دعا فرمائیں یہ وہ خوشی ہے کہ جس کی وجہ سے میرے آنکھوں سے آنسو تھمتے نہیں۔

کشتے کہ عشق وارد نگذاردت بدینسان ۔۔۔۔۔ بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

ہم اور آپ تو امتی ہیں۔ صاحب ایمان ہیں۔ اگر ہمارے دل میں یہ تقاضا ہو تو یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ اسلام کا تقاضا ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جانوروں کے دل میں بھی یہ تقاضا ظاہر ہو جائے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے ہاتھ مبارک سے ۶۰ اونٹ ذبح کئے اور فرمایا کہ جب ایک اونٹ کو ذبح کر کے جب دوسرے کی باری آتی تھی تو وہ شوخیاں کرتا ہوا آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی گردن پیش کر دیتا۔

کلھن یزدلفن الیہ ایک سے ایک اونٹ بڑھ کر اپنی گردن پیش کرتا تھا۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف ۔۔۔۔۔ بامید آنکہ روزی بشکار خواہی آمد

فرمایا کہ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔۔۔۔۔ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اگر آپؐ کے ہاتھوں ذبح ہونا ہے تو میرا گلا بھی تیار ہے۔

بات بڑھ گئی۔ ان لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔

آپ آدھی رات کو جنت البقیع کی طرف تشریف لے گئے۔ اہل قبور کے لئے آپ نے مغفرت کی دعا فرمائی۔ واپس تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ وارأس، وارأس، راس کے معنی ہیں سر ہائے میرا سر تو چلا۔ یعنی میرے سر میں سخت تکلیف ہے۔ آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کا اظہار کیا۔ سر کا درد بڑھتے بڑھتے بخار کی تکلیف میں تبدیل ہو گیا۔ اور بخار کی یہ کیفیت بہت بڑھ گئی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ

جن کاموں کے لئے آپ تشریف لائے تھے ان کاموں کی طرف سے ذہن نہیں ہٹا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا جانے والا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو بھی بھیجا۔ اس لشکر میں سے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تیمارداری کے لئے تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرت اسامہ بن زید سے اجازت لے کر آ گئے۔ مدینہ سے دو ایک میل کے فاصلے پر لشکر ٹھیرا ہوا ہے۔ آپ کی بیماری اور نقاہت کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ تکلیف ابھی تک قابل برداشت ہے۔

۱۳ یا ۱۴ دن آپ کے بیماری کے گزرے۔ جن میں سے ایک ہفتہ اس طریقے پر آپ نے گزارا۔ آج کس بیوی کے گھر جانا ہے۔ آج کس کے یہاں میرے جانے کا نمبر ہے۔ تاکہ بیویوں کی حق تلفی نہ ہو۔ حالانکہ قرآن کریم میں صاف اور واضح طور پر ایک آیت نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے پاس بھی تشریف نہ لے جائیں تو آپ کی حق تلفی میں شمار نہیں ہوگا۔ اور اس کا آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

نفحۃ الیمن ایک کتاب ہے عربی میں۔ اس میں حکایتیں ہیں۔ اس میں ایک حکایت ہم نے طالب علمی کے زمانے میں پڑھی تھی کہ ایک شخص نہایت بدشکل کالا ایک ایسی عورت کو مار رہا ہے کہ جو نہایت جمیل و حسین نہایت خوبصورت ہے۔ ایک راہگیر نے یہ کہا کہ تو کیوں اس کو مار رہا ہے۔ اسے غصہ آ گیا۔ اس نے کہا میں اس آدمی کو نہ چھوڑوں گا۔ اس حسین اور خوبصورت خاتون نے کہا اے راہگیر تم میرے معاملے میں دخل نہ دو۔ یہ میرا شوہر ہے۔ میں اس کی بیوی ہوں۔ اس نے یقیناً دنیا میں کوئی ایسا کام کیا ہے۔

کہ ہم دونوں اپنا اپنا بدلہ پا رہے ہیں۔ تمہیں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں یہ اچھے کئے کا بدلہ پا رہا ہے۔ میں برے کئے کا بدلہ پا رہی ہوں۔ تم کون ہو بیچ میں مداخلت کرنے والے۔

اندازہ لگایئے کیا سوچنے کا انداز تھا۔ اور ایک اور بات عرض کر دوں۔

میں نے دوستوں سے ہمیشہ یہی عرض کیا ہے کہ آپ نے آخری عمر میں جو نکاح فرمائے ہیں۔ درحقیقت اس کا مقصد کثرت ازواج نہیں ہے۔ مقصد یہ تھا کہ عورتیں آپ کی

بیوی بن کر آپ کی خانگی زندگی اور گھریلو زندگی کو دیکھیں اور ان حالات کو جمع کریں تا کہ آنے والی امت کے لئے شریعت اور دین کا کام دے سکیں۔ مگر اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دلداری فرمارہے ہیں۔ دلداری ہی نہیں بلکہ آپ نے بعض اوقات کبھی کبھی سخت قسم کا جواب بھی بیویوں کی طرف سے برداشت کیا ہے۔ آپ کی بیویوں میں سے ازواج مطہرات میں سے مزاج کے اعتبار سے ایک بیوی ایسی تھی اور نقل کفر کفر نباشد۔ ہمارا منہ نہیں ہے کہ ہم ایسی بات کہیں۔ ہم تو صرف نقل کرنے والے ہیں۔ ورنہ ہم تو ان کے جوتوں کے خاک کے برابر بھی نہیں۔ ان کا مزاج تھوڑا سخت تھا اور وہ کبھی کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب بھی دے دیتی تھی۔ یہ کون تھی؟ یہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہیں۔ جس وقت وہ ذرا سختی سے بولتی تھیں۔ جواب دیتی تھیں۔ تیزی سے بولتی تھیں۔ آپؐ بڑے پیار و محبت کے الفاظ فرمایا کرتے تھے کتنا پیارا جملہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ ھذہ بنت ابیھا یہ تو بالکل بنی بنائی اپنے باپ کی بیٹی ہے۔ یعنی جس طرح عمر فاروق کا مزاج تھوڑا سخت ہے۔ بیٹی کا بھی ویسا ہی ہے۔ لیکن آپؐ برداشت کرتے تھے۔

حضرت شاہ ابوالخیر، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ان کی بیوی بڑی سخت مزاج تھی یعنی جب کسی طالب علم کو کسی کام کے لئے وہ گھر بھیجتے تھے تو وہ طالب علم روتا ہوا آتا تھا۔ یہ پوچھا کرتے تھے۔ کیا! بیگم صاحب نے کچھ برا بھلا کہا ہے۔ تو وہ آگے چپ ہو جاتا تھا۔ سمجھ جاتے تھے کہ اس کا مزاج ہی ایسا ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت جب آپ کی بیوی اتنی بدمزاج ہے تو آپ اس کو طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔ چھوڑ دیجئے۔ اور کسی اور سے نکاح کر لیں۔ یہ دیکھئے اللہ والے طلاق دینے میں کتنا احتیاط برتتے تھے۔ فرمایا آپ نے یہ بات جو کہہ دی۔ اس میں کوئی مشکل تو نہیں لیکن تمہیں معلوم ہے کہ وہ عورت ہے تو جوان، میں اگر اسے طلاق دے دوں گا تو بہر حال کوئی نہ کوئی مسلمان اس سے شادی کر ہی لے گا۔ تو یہ عورت بجائے میرے اس کو جا کے ستائے گی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی خود غرضی کے لئے اپنی بلا کسی دوسرے مسلمان بھائی کے گلے ڈال دوں۔ فرمایا نہیں۔ اس عورت کے بدلے میں میرے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا ہے۔

ایک دو بات عرض کردوں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ بڑی لطیف طبیعت کے شخص تھے۔ نہایت خوش مزاج بھی تھے۔ ظریف بھی تھے۔ کبھی کبھی فرماتے تھے، وعظ میں کوئی بات منہ سے نکل جاتی ہے کہ عورتیں آ کے کہتی تھیں کہ یہ آپ نے کیا کہا، مرد تو فوراً سے ہم پر چڑھ جائیں گے۔ اور کبھی کوئی مرد یہ کہتے تھے کہ حضور یہ آپ نے کیا وعظ میں کہہ دیا۔ عورتیں تو ہمارا ناک میں دم کر دیں گی۔

تو فرمانے لگے کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں نے وعظ میں یہ بیان کیا کہ بچے کو دودھ پلانا عورت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ احسان ہے کہ اپنے شوہر کی اولاد کو اپنے بچے سے محبت کرتے ہوئے دودھ پلاتی ہے لیکن شرعاً اس کی ذمہ داری نہیں کہ دودھ پلائے۔ تو بالکل بس کہے۔ تو مولانا نے یہ وعظ میں فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب اب تو ہر عورت بچے کو ہماری گود میں ڈال کے کہے گی کہ دودھ پلوانا ہے تو اس کے لئے بندوبست کرو۔ ہماری کوئی شرعی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ تو مصیبت آ جائے گی۔ فرمایا کہ اچھا انتظار کرو۔ اگلے دن جو وعظ ہوگا میں اس کی تلافی کر دوں گا۔

اگلے دن وعظ میں مولانا نے یہ فرمایا کہ بیوی کے نان نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہے لیکن اگر بیوی بیمار ہو جائے تو علاج کی ذمہ داری شرعاً شوہر پر نہیں ہے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ اب اگر عورت کہے کہ بچے کو دودھ پلانے کا انتظام کرو، میری ذمہ داری نہیں، تو شوہر کہہ دے کہ بیمار ہوگی تو علاج کرانا میری ذمہ داری نہیں۔

قانون سے یہ تعلق نہیں چلتا ہے۔ یہ باہمی سمجھوتے سے چلتا ہے۔ باہمی محبت سے چلتا ہے۔ کتاب دیکھ دیکھ کر نہیں چلتا۔

بہر حال! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے گھر تشریف لے جا رہے ہیں۔ لیکن صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا، کمزوری زیادہ ہو گئی، بیماری نے شدت اختیار کر لی۔ آپ نے فرمایا آج کونسا دن ہے؟ آج کس کے گھر جانا ہے؟ آج کس کے گھر میں قیام کرنا ہے۔ ازواج مطہرات فراست سے یہ بات سمجھ گئیں کہ منتقل ہونے کی تکلیف چونکہ آپ کو بہت سخت ہے۔ اس تکلیف کے زمانے میں غالباً آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گزارنا چاہتے ہیں۔

وہاں شاید آپؐ کو آرام ملے۔ ازواج مطہرات نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ہماری باری کا خیال نہ کریں۔ ہم خوشی سے عرض کرتی ہیں۔ اگر آپؐ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان پر آرام ملے تو ہم سب اپنی باری کو چھوڑنے کو تیار ہیں۔ اور انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم خود خدمت کے لئے حضرت عائشہؓ کے مکان پر حاضر ہو جایا کریں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے آئے۔ یہاں بیماری اور شدید ہو گئی۔ اور یہی وہ موقع ہے کہ جب آپ نے امامت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصلیٰ حوالہ کر دیا فرمایا کہ نماز ابوبکر پڑھائیں گے۔ صرف ایک دن اور یہ تقریباً آخری دن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹا کر دیکھا، نماز ہو رہی ہے، آپؐ کے چہرے پر تبسم تھا۔ اس دوران آپ کی طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا ہے اور آپ منبر پر تشریف لائے۔ مسلمانوں کو کچھ کلمات پند و نصیحت کے طور پر وعظ کے طور پر فرمائے اور حجرے میں تشریف لے گئے۔ پیر کا دن ہے۔ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ ہے صبح کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے دیکھنے کے لئے آپ کی طبیعت ٹھیک تھی۔ بخار اتر گیا اور عام طور پر یہ تصور کر لیا گیا کہ آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی اور کچھ قدرت کی طرف سے انتظام ایسا ہے کہ جب آخری وقت آتا ہے تو بیماری ختم ہو جاتی ہے اس کا نام ہے سنبھالا۔ سنبھالنے کے معنی یہ ہیں کہ بیماری تو ختم ہو گئی ہے لیکن جس کے اوپر بیماری ہے وہ بھی چند لمحوں کے مہمان ہیں۔

دیکھنے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ بیماری کے آثار ختم ہو گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی مطمئن ہو گئے اور صحابہ بھی مطمئن ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اب آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔ اجازت ہو۔ ایک میل کے فاصلے پر ان کا گھر ہے۔ وہاں پر جانا چاہتے ہیں۔ اجازت دے دیجئے۔

ادھر چاشت کا وقت آیا۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ زوال کا وقت شروع ہوگا۔ چاشت اور زوال میں کچھ فرق نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر نزع کی کیفیت شروع ہو گئی۔ ازواج مطہرات سب

آپؐ کے پاس موجود ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں یہ خواہش رکھتی تھی کہ میں اللہ سے یہ دعا مانگوں گی کہ اے اللہ موت کے وقت میرا نزع آسان ہو لیکن میں نے جب یہ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نزع بڑا شدید اور بڑا سخت تھا یہ ارادہ چھوڑ دیا کہ اب میں اس کی دعا نہیں مانگوں گی۔ میں کون ہوں دعا مانگنے والی۔ اتنے میں میرے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے پوچھا آپؐ کیا مسواک کریں گے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے یہ سمجھ کر کہ حضورؐ کمزور ہیں۔ میں نے خود اپنے منہ میں اس مسواک کو چبایا اور چبا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ آخری عمل آپؐ کا مسواک تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل مسواک ہے۔ اس سے ایک بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جو مسلمان مسواک کی پابندی اختیار کرتا ہے۔ مرتے وقت اس کی زبان پر اسلام کا کلمہ ہوگا۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ یہ فخر بھی مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ میرا لعاب دہن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کے ساتھ آخری وقت میں اس طریقے سے کہ میں نے مسواک چبا کر حضورؐ کو دی ہے۔ یہ شرف بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آغوش میں ہے اور اسی حالت میں آپؐ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

جب یہ خبر پھیل گئی تو بعض لوگوں کی زبان پر یہ جملہ آ گیا۔ جن میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ خدا کی قسم! اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ہمارے پیغمبر کی موت واقع ہو گئی ہے تو میں اس تلوار سے اس کی گردن کاٹ ڈالوں گا۔ آپؐ کی روح کہیں تشریف لے گئی ہے۔ واپس آ جائے گی۔ میں سننا نہیں چاہتا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور امت میں ابوبکر صدیق سے بڑھ کر کوئی عاشق نہیں۔ لیکن عشق و محبت جانے والے کا نام نہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں فنا نے کو

حال آ گیا۔ اور اس حال کی حقیقت بھی معاف کیجئے یہی ہے کہ سننے والا خود سمجھتا نہیں کہ کہنے والے نے کیا کہا اور حال آ جاتا ہے۔

ایک قوال یہ پڑھ رہا تھا کہ

بیکارم وبا کارم چوں مد بہ حساب اندر — این طرف تماشہ بین دریا بہ حباب اندر

ایک صاحب کو حال آ گیا۔ کسی نے پوچھا بھئی کس بات پر حال آیا کہنے لگا میں یہ سوچ رہا تھا کہ دریا بہ حباب اندر کہ جب سمندر دریا میں نہا رہا ہوگا تو کیا مزہ آ رہا ہوگا۔ ارے ظالم قوال نے تو دریا بہ حباب اندر کہا ہے تجھے اس بات پر حال کیسے آ گیا۔ یہ سب کچے لوگ ہیں۔

پکے لوگ وہ ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق" تشریف لائے۔ حضور" کے چہرے مبارک سے چادر ہٹائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندگی بھی طیب عطا فرمائی۔ موت بھی طیب عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ میرے نبی پر دو موتیں جمع نہیں فرمائیں گے۔

ابو بکر صدیق" باہر تشریف لائے، عمر فاروق" کا بازو پکڑا، کہا۔ آپ بیٹھئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ۔

ان کنتم تعبدون محمداً فان محمداً قدمات۔ اے مسلمانو! اگر آج تک تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے تھے تو تمہارے معبود رخصت ہو گئے عبادت بھی ختم ہو گئی۔ فان کنتم تعبدون اللہ اور اگر تم اللہ کی عبادت کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کا طریقہ بتلانے کیلئے تشریف لائے تھے فان اللہ حی قیوم لا یزال تو اللہ بھی زندہ ہے۔ تمہاری عبادت بھی زندہ ہے۔ تمہاری ذمہ داری بھی زندہ ہے۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور دفن کا سوال تھا۔ جب یہ گفتگو آئی کہ آیا غسل کے لئے آپ" کے کپڑے اتارے جائیں یا نہ اتارے جائیں۔ تو یہ لکھا ہے کہ اس وقت ایک غنودگی سی سب کے اوپر طاری ہو گئی اور آواز آئی کہ لباس نہ اتارا جائے۔ اور اسی طرح آپ کو غسل دیا گیا۔ اس کے بعد آپ" کو کفن دیا گیا پھر سوال یہ پیدا ہوا کہ کس طرح پر آپ" کو دفن کیا جائے۔ کس طریقے پر آپ" کا نماز جنازہ ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق" نے فرمایا کہ مجھ سے حضور" نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کی وفات

جس جگہ ہوتی ہے۔ اسی جگہ غسل دیا جاتا ہے۔ اسی جگہ قبر کھودی جاتی ہے۔ اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے۔ اور مزید فرمایا کہ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو اسی حجرے کے اندر کہ جس میں میری وفات ہوئی ہے۔ جنازہ رکھ کے سب باہر آ جائیں۔ کیونکہ سب سے پہلے جبرئیل امین آ کر میرے جنازے کی نماز پڑھیں گے۔ ملائکۃ اللہ اور فرشتے جنازے کی نماز پڑھیں گے۔ پھر مسلمان مردوں کو جنازے کی نماز پڑھنی چاہیئے پھر عورتوں کو۔ پھر بچوں کو اور نماز کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر شخص جائے گا اور جا کر تکبیر کہے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے گا۔

صلوٰۃ و سلام اور درود شریف پڑھ کر واپس آ جائے گا۔ یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنازے کی نماز تھی۔ امامت کے ساتھ، جماعت کے ساتھ آپؐ کی نماز جنازہ نہیں ہوئی۔ پھر تیسرے روز چہار شنبہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی حجرے کے اندر جو در حقیقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مکان ہے اسی میں آپ کو دفن کیا گیا اور اسی میں آج تک آپ آرام فرما رہے ہیں۔

اور علماء نے یہ لکھا ہے کہ ہم اور آپ جو نماز جنازہ پڑھتے ہیں وہ نماز جنازہ کی صورت ہے اور نماز جنازہ کی جو حقیقت ہے وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ادا کی گئی۔ نماز جنازہ کو نماز تو کہتے ہیں وہ تو نماز ہے ہی نہیں۔ رکوع نہیں سجدہ نہیں سورۃ فاتحہ نہیں۔

اور کوئی سورۃ نہیں۔ بلکہ مغفرت کی دعا مانگی جاتی ہے۔ درود شریف پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد سلام پھیر دیا جاتا ہے تو فرمایا کہ یہ حقیقت صلوٰۃ جنازہ ہے ہر ہر مسلمان جائے گا اسی طرح تمیں ہزار مسلمان مرد و عورتوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔

بہر حال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے یہ آخری لمحات تھے۔ یہ آپ کے وصال کے حالات تھے۔ اب دعا کیجئے۔

مشتاق احمد مغلی عفی عنہ مترجم
صوبائی اسمبلی صوبہ سرحد پشاور

صبر و تقویٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

صبر و تقویٰ

حضرات علماء کرام، بزرگان محترم اور برادران عزیز!

مجھے آج آپ کے اس مشہور شہر میں حاضر ہو کر اور آپ سب حضرات سے ملاقات کر کے بڑی خوشی ہوئی اور میں خاص طور پر انجمن نقیب الاسلام (لندن) کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے لئے یہ موقع فراہم کیا کہ میں حاضر ہو کر آپ سے دین کی باتیں کرسکوں۔

اس موقع پر کوئی بات آپ کی خدمت میں پیش کی جائے۔ یہ ہر اس شخص کے لئے کہ جس کو بھی خطاب کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جس کو بھی تقریر کا اور بیان کا موقع ملتا ہے۔ یہ بات بہت مشکل اور بہت دشوار ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ شریعت اسلامیہ اور دین اسلام اس حسین مجسمے کی طرح ہے کہ جس کی ہر ادا یہ دعوت دیتی ہے کہ میری طرف متوجہ ہو کر مجھے دیکھو میرے اندر کیا کیا خوبیاں اور کیا کیا کمالات اور کیسے کیسے حسن ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں کسی ایک ہی پہلو کی طرف کسی ایک ہی عضو کی طرف توجہ کی جا سکتی ہے۔ کسی فارسی شاعر نے اپنے محبوب کی تعریف کی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ تعریف درحقیقت اسلام کی ہے۔ فرمایا کہ

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

فرق کے معنی آتے ہیں مانگ۔۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

ہر ادا مجھے متوجہ کر رہی ہے اور دعوت دے رہی ہے کہ تم میری طرف متوجہ ہو جاؤ لیکن بعض اوقات انتخاب میں بھی مشکلات اور دشواریاں ہوتی ہیں۔

ایک کتاب ہے جس کو لوگ الف لیلیٰ کہتے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ الف لیلہ ہے۔ الف کے معنی ہیں ہزار، لیلہ کے معنی ہیں رات۔ ایک ہزار راتوں کی ایک ہزار کہانیاں ہیں۔ وہ کتاب الف لیلیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اصل کتاب وہ عربی میں ہے۔ اس

میں ایک یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص سند باد سیاح، سیاحت کے لئے نکلا اور دنیا میں اس نے سیاحت کی، ملکوں کو دیکھا۔ عجائبات کو دیکھا۔ اور ایک کافی مدت خرچ کر کے پھر واپس ہونے لگا۔ جب وہ واپس جا رہا تھا تو اس کو جنگل میں بہت دور ایک سفید سی چیز نظر آئی۔ اس نے یہ سوچا کہ غالباً یہ کسی بادشاہ کا، کسی حاکم کا محل ہے۔ اور میں نے جب اتنا وقت سیاحت میں خرچ کیا ہے۔ تو چلو میں اس بادشاہ سے بھی ملاقات کرتا چلوں۔

سند باد سیاح کہتا ہے کہ میں جتنا جتنا قریب ہوتا چلا جاتا تھا۔ وہ جگہ بڑی ہو کر مجھے نظر آ رہی تھی۔ اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کسی بادشاہ کا محل ہے۔ جب میں اس کے قریب پہنچا اور مجھے اس بات کی تلاش ہوئی کہ اس کا پھاٹک کونسا ہے۔ اس کا صدر دروازہ کونسا ہے۔ اس میں داخلے کی جگہ کیا ہے۔ تو چکر کاٹنے کاٹنے میں تھک گیا۔ مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا۔

میں پریشان کہ یا اللہ! یہ اتنا بڑا محل نظر آ رہا ہے لیکن اس میں داخل ہونے کا راستہ کونسا ہے۔ یہ مجھے نہیں معلوم۔ ایک راہگیر سے پوچھا کہ میاں یہ تو بتاؤ کہ اس محل میں داخل ہونے کا راستہ کونسا ہے۔ اس نے ہنس کر کہا۔ آپ یہاں اجنبی مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کہا کہ ہاں میں مسافر ہوں اس نے کہا کہ حضور والا! آپ کو بڑی غلط فہمی ہے یہ کسی بادشاہ کا محل نہیں ہے۔ جو آپ اس میں دروازہ تلاش کر رہے ہیں۔ یہ تو سیمرغ کا انڈہ ہے اس میں دروازہ کہاں۔ اس میں کوئی کھڑکی کہاں۔ لہٰذا آپ کی یہ کوشش بیکار ہے اس کو بڑی مایوسی ہوئی اور وہ یہ سمجھ گیا کہ میں نے جتنی کوشش کی تھی۔ وہ غلط کوشش کی تھی۔

آج ایک خطیب کے لئے ایک عالم کے لئے سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میں دین کی کونسی بات کہوں اور کس دروازے سے دل و دماغ میں پہنچا دوں۔ کس طریقے سے دلوں میں دماغ میں اتار دوں۔

لیکن ساری عمر کی کوشش کے بعد حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھئی میں نے ۴۰ سال تک قبرستان میں اذان دی ہے۔ کوئی مردہ اٹھا نہیں۔ یعنی ایک طویل تجربے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ساری کی ساری طلت اور

ساری تو موجود ہے۔ یہ تو سمرخ کا اتفاق ہوئی ہے۔ اس میں داخل ہونے کا نہ کوئی یہاں تک ہے۔ نہ کوئی دروازہ ہے۔ کیسے داخل ہوں۔

لوگ کہتے ہیں کہ مولانا آخرت و آخرت کی باتیں تو پھر کریں گے یہ بتایئے کہ پیٹ کی کوئی بات ہو ایسا کوئی نسخہ بتایئے کہ جس سے ہماری دولت و ثروت میں اضافہ ہو۔ جو ہمارے پیٹ کے مسائل سے متعلق ہو ایسی کوئی بات کہیے۔ یہ راستہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا نہیں ہے اور جو لوگ تبلیغ کے لئے ایسا راستہ اختیار کرتے ہیں انہیں بعد میں شرمندگی ہوتی ہے۔

کسی مولوی صاحب نے کسی بستی میں جا کر یہ کہا تھا کہ بھئی ۴۰ دن تک تم پابندی سے نماز پڑھو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں بھینس دیں گے۔ گاؤں والے نے کہا کہ ۱۰۰۰ روپے میں خرچ کروں اس سے بہتر ہے ۴۰ دن نماز پڑھوں۔ بھینس مل جائے گی۔ اس نے پابندی کے ساتھ نماز پڑھی اور جب یہ دیکھا کہ دن قریب آنے لگے تو اس نے بھینس باندھنے کی جگہ بھی بنائی۔ کھونٹا بھی گاڑ دیا۔ رسی بھی لا کے رکھی اور جب ۴۰ دن ہو گئے تو یہ انتظار کرنے لگا۔ مولوی صاحب آئے اور ان سے کہا کہ صاحب ۴۰ دن ہو گئے۔ بھینس کہاں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ارے بے وقوف میں نے تو یہ اس لئے کہا تھا کہ اگر تو ۴۰ دن تک پابندی کرے گا تو تو نماز کا عادی ہو جائے گا۔ تجھے کوئی بھینس تھوڑی ملنی تھی۔ اس نے کہا میں تو جب ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ کا وعدہ سچا نہیں ہے۔ میں نے بھی بلا وضو ہی پڑھی ہے۔

تو میرے عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے۔ کیا بات کہنی چاہئے۔ کونسی بات کہی جائے۔

میں نے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کی ہیں۔ مجھے پڑھنی تو ایک ہی آیت چاہئے تھی لیکن ایک صاحب نے پرچہ لکھ کر بھیجا تھا کہ کچھ تلاوت بھی کی جائے۔ قرآن کریم کا یہ ایک پورا رکوع ہے۔ اس رکوع میں ایک واقعہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

قرآن کریم ۳۰ پاروں کی کتاب ہے۔ اگر مضامین کے اعتبار سے اس کو اگر آپ تقسیم کریں تو یہ ۳ حصوں پر مشتمل ہو جاتا ہے۔

ایک حصہ قرآن کریم کا وہ ہے جس میں حلال و حرام، جائز و ناجائز کے احکام بتائے ہیں۔

صرف جزا و سزا، آخرت، قیامت اور مناظر قیامت کا ذکر ہے۔ اور کوئی حکم شریعت کا اس کے اندر بیان نہیں کیا گیا ہے۔ مکی مکی سورتیں قرآن کریم کی ہیں مگر کوئی حکم ان میں نہیں ہے۔ صرف آخرت کا بیان ہے۔

اور قرآن کریم نے جو طرز اور طریقہ تعلیم کا اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دین اللہ کا دین ہے۔ کیوں!

بمبئی سے ایک اخبار نکلتا تھا "ہریجن اخبار" اور وہ گاندھی جی کا آرگن کہلاتا تھا۔ اس میں ایک ہندو نے یہ مضمون لکھا کہ مسلمانوں کے اندر یہ بات مشہور ہے کہ مسلمانوں کی گلی میں شراب پڑی ہوئی تھی اور ایک حکم قرآن کریم میں آیا ہے کہ شراب حرام ہو گئی۔ نہ کسی پولیس کی ضرورت پڑی، نہ فوج کی ضرورت پڑی۔ لوگوں نے شراب کے برتن بھی توڑ دیئے۔ اور شراب نالیوں کے اندر بہادی۔ اس نے کہا ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ ہم دیکھتے ہیں۔ صبح سے شام تک حکومتیں ہمیں احکام دیتی ہیں۔ لیکن اس طرح پر تو کوئی بھی عمل نہیں کرتا۔ یہ مسلمانوں نے کہانی گھڑی ہے کہ اس طریقے سے جب حکم آیا تو شراب نالیوں میں بہادی گئی۔

یقین نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کی حکومتیں حکم دیتی ہیں اور اس حکم پر عمل کرنے کا ذہن نہیں پیدا کرتیں۔ جب تک کسی قوم کا ذہن ان احکام کے اور ان قوانین کے مطابق نہ بنا دیا جائے۔ وہ قوم ان احکام اور قوانین پر کبھی عمل نہیں کر سکتی اور اگر ذہن بنا دیا جائے تو صرف حکم دینے کی دیر ہوتی ہے۔

اسلام نے جو طریقہ اختیار کیا وہ نہایت حکیمانہ طریقہ ہے۔ سب سے پہلے نماز کا حکم نہیں روزے کا حکم نہیں۔ زکوٰۃ کا حکم نہیں۔ جہاد کا حکم نہیں۔ حج کا حکم نہیں۔ سب سے پہلے قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہو رہی ہیں وہ انسانوں کو یہ بتا رہی ہیں جو کچھ تم دنیا میں کر رہے ہو۔ اس کا رد عمل اور اس کا نتیجہ آخرت میں نکلنے والا ہے۔

سب سے پہلے قرآن کریم نے انسانوں کا ذہن بنایا ہے۔ احکام جو بھی تمہیں دیئے جائیں گے وہ بعد میں آئیں گے۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ جو کچھ اس دنیا میں کرو گے یہ فانی نہیں

جائے گا اس کے نتائج آخرت کی زندگی میں ظاہر ہونے والے ہیں۔ اور قرآن کریم کی بڑی بڑی سورتیں نازل ہوئیں۔ جن میں مناظر قیامت بیان کئے گئے۔ ان کے اندر جزا و سزا بیان کی گئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے سب سے پہلے ذہن پیدا کیا۔ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر قرآن کریم نے ایسا حکیمانہ طرز اور طریقہ اختیار کیا کہ ۳ منزلیں اور ۳ درجے اس کے لئے اختیار کئے۔

پہلی منزل پر ذہن بنایا، دوسری منزل پر ذہن بنایا، پھر تیسری منزل پر حکم آیا جس میں سب سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی فرمایا کہ۔

یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس۔

آپ سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس میں کچھ فوائد بھی ہیں۔ اور اس میں نقصانات بھی ہیں۔ لیکن اس کا جو نقصان ہے۔ وہ اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔ دنیا میں کوئی چیز آپ کو ایسی نہیں ملے گی کہ جس میں کوئی نہ کوئی جزوی طور پر فائدہ نہ ہو۔ کوئی چیز اللہ نے ایسی پیدا نہیں کی۔ لیکن شریعت یہ دیکھتی ہے کہ اس میں فائدے کی مقدار زیادہ ہے یا اس میں نقصان کی مقدار زیادہ ہے۔ قرآن کریم نے کہا کہ اس میں کچھ فوائد بھی ہوں گے لیکن اس میں نقصانات زیادہ ہیں۔ صرف اتنی سی بات آئی۔

مسلمانوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ چیز اللہ کی نظر میں شاید پسندیدہ نہیں ہے اتنا ذہن بن گیا۔ دوسری مرتبہ قرآن کریم میں حکم آیا۔

یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ

نماز اللہ کے دربار میں حاضری کا نام ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو بندے کا سر اللہ کے قدموں میں ہوتا ہے فرمایا کہ جب نماز کے لئے آؤ تو حالت نماز میں شراب مت پینا۔ اس عبادت کی حالت میں یہ کیفیت اللہ کو پسند نہیں ہے۔

ابھی حرام ہونے کا حکم نہیں آیا۔ جب دوسری منزل پر بھی ذہن بن گیا۔ پھر تیسری منزل پر یہ حکم آیا۔ فرمایا کہ

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔

یہ وہ آیت تھی قرآن کریم کی کہ جس نے شراب کو صرف حرام ہی نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس کو بدترین قسم کا گناہ اور نہایت پلید اور ناپاک قسم کا عمل بتایا ہے۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ ہمارے بعض دوست فرمایا کرتے ہیں کہ مولانا شراب کے بارے میں کہیں لفظ حرام تو موجود نہیں ہے قرآن مجید میں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جب لفظ حرام قرآن مجید میں نہیں ہے تو آپ حرام کیوں کہتے ہیں۔

ہم میں سے اور آپ میں سے بہت سے لوگ بھولے بھالے ہیں۔ واقف نہیں ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ یقیناً کوئی کمی اور کمزوری کی بات باقی رہ گئی ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اگر ممانعت کی بنیاد یہی ہے کہ لفظ حرام سے منع کیا جائے۔ تب تو حرام ہے۔ ورنہ حرام نہیں ہے۔ یہ آپ مجھے لکھ کر دے دیں اور جب آپ مجھے لکھ کر دے دیں گے تو اب میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ زنا حرام ہے یا نہیں۔ آپ کہیں گے کہ حرام ہے میں قرآن کریم کے تیس پاروں کے بارے میں آپ کو چیلنج کرسکتا ہوں کہ کہیں کوئی آیت قرآن کریم کی ایسی ہے کہ جس میں زنا کو حرام کہا گیا ہو؟ کہیں موجود نہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ بنیاد آپ بنالیں کہ لفظ حرام ہو تو حرام ہے اور اگر لفظ حرام نہ ہو تو حرام نہیں تو پھر شراب آپ لوگوں نے حلال کردی زنا کے بارے میں میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ بھی حلال ہے۔ کیونکہ لفظ حرام سے منع نہیں کیا گیا۔ چلنا مشکل ہے آپ کے لئے۔ بہت سے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مولانا یہ داڑھی رکھنے کے لئے جو آپ فرماتے ہیں تو قرآن میں کہاں موجود ہے۔ ہم نے کہا کہ اچھا بھئی قرآن میں موجود نہیں اور جو قرآن میں موجود نہیں ہے وہ قابل عمل نہیں ہے۔ تو آپ لوگ اپنی اولاد کی ختنہ کیوں کراتے ہیں وہ بھی تو قرآن میں کہیں موجود نہیں ہے۔

میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا تھا کہ لوگوں کے اندر یہ بڑی غلط فہمی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ لفظ حرام قرآن کریم کے نازل ہونے کے ایک سو سال بعد جب اسلامی قانون بنایا گیا۔ جب اسلامی فقہ بنایا گیا۔ تو یہ قانون کی ایک اصطلاح ہے۔ یہ قرآن کریم کی زبان نہیں۔ بلکہ جن جن چیزوں کو قرآن کریم نے منع کیا ہے اور منع کرنے

کے الفاظ جو بھی ہوں۔ ان چیزوں کو قانون کی زبان میں حرام کہا جاتا ہے۔

اس کی ابتداء کیسی ہوئی؟ ابتدائے اسلام میں سب لوگ اسلام پر عمل کرتے تھے۔ ایک زمانہ ایسا آیا کہ کچھ کچھ چیزیں ان سے چھوٹنے لگیں مثال کے طور پر تہبند باندھتے تھے اس کی جگہ پاجامہ پہننے لگے۔ یا اسی طریقے سے بعض اور سنتیں تھیں۔ ان کو ترک کیا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی سے جو یہ اسلام کی باتیں کم ہوتی چلی جارہی ہیں۔ یہ باتیں بنیادی ہیں یا بنیادی نہیں ہیں۔ اگر یہ باتیں بنیادی ہیں تو اس مسلمان کی شہادت اسلامی عدالت میں معتبر نہیں۔ اور اگر یہ بنیادی نہیں ہیں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ یہ فاسق نہیں کہلائے گا۔ اس کی شہادت ابھی تک اسلامی عدالت میں قابل قبول ہے۔ چنانچہ ان کے درجے قائم کیے گئے۔

اسلام میں جتنے کام کرنے کے ہیں وہ چار ہیں۔ اسلام میں جتنے کام نہیں کرنے کے وہ بھی چار ہیں۔

جو کام اسلام میں کرنا ضروری ہے اور وہ قرآن مجید سے ثابت ہے اس کو قانون کی زبان میں فرض کہتے ہیں۔ چاہے لفظ فرض موجود ہو یا نہ ہو۔ جیسے روزے فرض ہیں لیکن قرآن کریم میں لفظ فرض موجود نہیں ہے۔ فرمایا کہ کتب علیکم الصیام تم پر روزے لکھ دیئے گئے۔ فرض کا لفظ نہیں ہے۔

اور جو کام کرنا اسلام میں ضروری ہے مگر قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس کا کرنا ضروری ہے۔ اس کا چھوڑنے والا بھی فاسق ہوتا ہے۔ اس کو قانون کی زبان میں واجب کہیں گے۔ اسی طریقے سے اگر کوئی عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور زیادہ تر آپ نے اس کی پابندی کی ہے۔ اس کو سنت کہیں گے۔

اور اگر آپ نے کبھی کبھی اسے چھوڑ بھی دیا ہے اور کبھی عمل کیا ہے اسے مستحب کہیں گے۔

اور اسی طریقے سے جن باتوں کو اسلام نے منع کیا ہے وہ چار ہیں۔ اگر وہ ممانعت قرآن کریم سے ثابت ہے اگرچہ حرام کے الفاظ نہ ہوں۔ ممانعت کے الفاظ ہوں۔ قتل کرنا حرام، لفظ حرام قرآن کریم میں نہیں ہے۔ ولا تقتلوا کا لفظ ہے۔ زنا حرام، کیوں! ممانعت کے الفاظ یہ ہیں ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ عمل کرنے کا تو سوال ہی نہیں۔ یہ آگے بڑی

چیز ہے کہ تم اس کے قریب بھی مت جاؤ۔ ممانعت ان الفاظ سے کی گئی ہے۔

شراب کی ممانعت ان الفاظ سے کی گئی ہے کہ یہ نجاست ہے۔ یہ گندگی ہے، یہ شیطانی عمل ہے۔ اس سے تم بچتے رہنا۔ اس سے تم الگ رہنا۔ قانون کی زبان میں یہ حرام کہلاتا ہے۔

اور جو ممانعت قرآن سے ثابت نہیں ہے حدیث سے ثابت ہے اس کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

اور جو چیز ایسی ہے کہ اگر آپ چھوڑ دیں تو بہتر ہے لیکن اگر کر لیا ہے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کو کہیں گے مباح۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دھوکا دیا جاتا ہے کہ لفظ حرام موجود نہیں ہے۔ لفظ حرام کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ممانعت قرآن کریم سے ثابت ہو۔ چنانچہ وہ حرام کہلائے گا۔

میں یہ بات عرض کر رہا تھا۔ ذہن بن گیا۔ اب جب قرآن کریم کی حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی۔ وہ تمام کے تمام مسلمان کہ جو دو منزلوں پر اپنے ذہن بنا چکے تھے۔ انہوں نے شراب کو نالیوں میں بہا دیا۔ برتن جس کے تھے وہ توڑ دیئے اور پھر کبھی اپنے قریب نہیں آنے دیا۔

اس شخص (ہندو) کو یقین اس لئے نہیں آتا۔ وہ دنیا کی حکومتوں کے احکام اور قوانین دیکھتا ہے۔ حکومتیں احکام دیتی ہیں۔ اس کے مطابق قوم کا ذہن نہیں بناتی۔ اسلام میں سب سے پہلے وہی آیتیں نازل ہوئیں کہ جن کے اندر انسانی ذہن بنایا گیا۔ یہ ۲۰ پاروں کے برابر ہے۔

اور دوسرا مضمون قرآن کریم میں جو ۱۰ پاروں کے برابر ہے۔ ان میں قصے کہانیاں، واقعات پیغمبروں کے بھی، قارون کے بھی، فرعون کے بھی، اور اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کے اور بندیوں کے بھی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام۔ نبی نہیں ہے۔ صدیقہ ہیں۔ لیکن ان کے نام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ایک سورت نازل فرمائی۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر ایک سورت نازل فرمائی ہے۔ اس کا نام ہی سورہ یوسف ہے۔ جس میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بیان کیا ہے۔

ہمارے بہت سے دوست حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو ایسے مزے لے لے کر پڑھتے ہیں جیسے کسی زمانے میں آپ نے دیکھا ہوگا ہیر رانجھا ہوتا تھا۔ بڑے لہجے سے پڑھتے

ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف اور زلیخا کے عشق کا اور ان کی محبت کا واقعہ شاید اللہ تعالیٰ نے ہمارا دل بہلانے کے لئے نازل کیا ہے۔ حالانکہ جتنے قصے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں ان کا مقصد کیا ہے۔ فرمایا کہ لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب۔

قصہ کا مقصد ہے۔ سبق دینا۔ جتنی زبانوں میں بھی آپ اخلاق کی کتابیں پڑھیں گے آپ کو یہ بات معلوم ہوگی۔ اخلاق کی تعلیم قصوں سے دی جاتی ہے۔ اخلاق کی تعلیم کہانیوں سے دی جاتی ہے۔

علامہ اقبال کی کتابوں میں بھی آپ نے پڑھا ہوگا۔ پہاڑ اور گلہری۔ اتنا بڑا حکیم اتنا بڑا شاعر لیکن پہاڑ اور گلہری کا قصہ سنا رہا ہے۔ واقعہ ہو یا نہ ہو۔ کیوں! انسانوں کو سبق دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے کوئی واقعہ بیان ہو۔ سبق کتنا اچھا دیا ہے۔

انہوں نے یہ لکھا کہ ایک بڑے سے اونچے پہاڑ کے پاس ایک گلہری بیٹھی ہوئی اپنے دانتوں سے کچھ کتر رہی تھی۔ پھدک پھدک کے ادھر ادھر جا رہی تھی۔ پہاڑ نے یہ کہا ارے! میرے وجود کے سامنے تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اتنی شوخیاں کر رہی ہیں۔ گلہری نے جواب دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بڑا وجود عطا فرمایا ہے اور آپ واقعی قابل تعظیم ہیں لیکن یہ کہ ہنر سے میں بھی خالی نہیں ہوں۔ کمال سے میں بھی خالی نہیں ہوں۔ یہ چھالیہ کا ٹکڑا میں کتر کے دکھاتی ہوں۔ آپ کا اتنا بڑا وجود ہے مگر آپ کتر نہیں سکتے۔ یہ کہانی سنائی! کیوں! آخر میں سبق دیا

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں — کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں۔ اور ہر مخلوق میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی کمال رکھ دیا ہے۔ انسانوں کو غیرت اور خودداری کا سبق دیا۔ آپ نے شمع اور پروانے کا قصہ پڑھا ہوگا۔ آخر میں سبق دیا ہے۔

اللہ کا سو شکر کہ پروانہ نہیں میں — دریوزہ گر آتش بیگانہ نہیں میں

میں کسی سے بھیک مانگنے کے لئے اپنے پر نہیں پھیلاتا ہوں۔ مجھے قدرت نے خود جلتا بنایا ہے۔

قرآن کریم نے یہ قصے کیوں بیان کئے۔ یہ قصے اس لئے بیان کئے۔ ہم نے تم سے کہا دیکھو یہ زہر ہے یہ مت کھاؤ اور اگر تم باز نہیں آتے۔ چلو ہمارے سامنے ہسپتال کے اندر ایسی لاشیں پڑی ہوئی ہیں ہم تمہیں دکھا دیتے ہیں، جنہوں نے کھایا، وہ مر گئے۔ قوموں کے قصے اور واقعات اللہ تعالیٰ نے اس لئے بیان فرمائے ہیں کہ جن قوموں نے خدا کی مخالفت کی، جنہوں نے نبیوں کی مخالفت کی، جنہوں نے آخرت کی مخالفت کی۔ اس روئے زمین پر ان کا کیا حشر ہوا۔ یہ مری ہوئی قوموں کی لاشیں موجود ہیں۔ آؤ تم انہیں دیکھو اور دیکھ کے سبق حاصل کرو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے کوئی قصہ اس لئے نہیں بیان کیا کہ آپ کی معلومات میں اضافہ ہو۔

ایک بات اور بیچ میں آگئی، ہمارے نوجوان جن کا اپنا ذہن نہیں۔ دوسروں سے مانگا ہوا ذہن ہے۔ ہمارے منہ سے عام طور پر وہ باتیں نکلتی ہیں، جو بات دوسرے کی ہوتی ہے زبان ہماری ہوتی ہے۔ فرمایا کہ ؎

انہیں کی مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

بعض لوگ سوچتے ہیں بائبل بڑی چھوٹی سی ہے۔ Pocket (پاکٹ) میں آجاتی ہے قرآن مجید کیوں اتنا چھوٹا نہ ہو کہ ہماری پاکٹ میں آجائے۔ چھاپا ایک ہزار جگہ پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ کیا ضرورت ہے سب جگہ سے نکال دو۔ ایک جگہ باقی رہنے دو۔ قرآن مجید مختصر ہو جائے گا۔ صبر کی آیتیں قرآن کریم میں 75 ہیں۔ کیا ضرورت ہے۔ 74 نکال دو۔ ایک باقی رہنے دو اور جب آپ قرآن کریم سے یہ مکرر جز نکال دیں گے۔ تو قرآن چھوٹا ہو جائے گا ایسے بائبل کی طرح پاکٹ میں رکھنے کے قابل ہو جائے گا۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اچھی بات کی ہے۔ فرمایا، آپ کے سوچنے کا انداز تو بہت اچھا ہے لیکن کبھی آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہا کہ اللہ میاں آپ نے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں عطا فرمائی ہیں۔ اس فضول خرچی سے کیا فائدہ ایک واپس لے لو۔ ایک ہی سے دیکھا کریں گے اور جن لوگوں کے پاس ایک آنکھ ہے تو آپ کو معلوم ہے وہ

دنیا میں کیا غضب ڈھاتے ہیں دنیا میں ایک آنکھ والے مشہور ہیں۔ جن کو ایک آنکھ سے نظر آئے ایک آنکھ سے نظر نہ آئے۔ وہ ضرور کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا کرے گا۔

ہمارے یہاں پاکستان میں ایک وزیر تھے۔ ان کی ایک آنکھ خراب تھی ان کے پاس Portfolio تھا وزارت داخلہ کا بھی امور کشمیر کا بھی۔ وہ تقریر کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ کشمیر نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ تم قربانی نہیں دو گے تو ایک صاحب نے مجمع میں سے پکار کر کہا کہ وزیر صاحب! جناب والا! آپ بھی قربانی دیں گے یا نہیں۔ انہوں نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا کہ سب سے پہلے میں قربانی دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ معاملہ تو یہ ہے کہ آپ کی قربانی جائز نہیں آپ کی ایک آنکھ خراب ہے۔

ارے بھائی وہ آنکھ خراب ہونے کی قربانی تو بکریوں کے لئے ہے۔ تم نے جا کر وزیروں پر لگا دی۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ نوجوان اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں کہتے کہ ایک آنکھ واپس لے لو ایک سے دیکھیں گے۔ ایک کان واپس لے لو۔ بلکہ اس زمانے میں آپ یہ کہہ دیں تو زیادہ بہتر ہے کہ اللہ میاں آنکھ تو ایک بھی کام دے دے گی۔ آنکھ واپس لے لیجئے۔ اور آنکھ کے بدلے میں کچھ انگلیاں اور بڑھا دیجئے تاکہ ٹائپ کرنے میں ذرا آسانی ہو جائے۔

جیسا قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے اگر ایک ہزار جگہ موجود ہیں۔ خدا کی قسم! ایک ہزار الگ الگ سبق دیئے گئے ہیں۔ صرف ایک ہی سبق نہیں دیا گیا۔ ایک جگہ سے بھی اگر آپ وہ حصہ الگ کر دیں گے تو ایک سبق ختم ہو گیا۔

بعض اوقات بات ایک ہوتی ہے اور نتیجہ اس سے بہت سے نکلتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں ایک تاریخ کا جملہ نقل کرتا ہوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المال میں زکوٰۃ جمع ہوتی تھی۔ اعلان ہوتا تھا کہ جو مستحق زکوٰۃ ہو وہ زکوٰۃ لے جائے۔ لیکن کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا۔

میں اس سے آپ کو یہ سبق دینا چاہتا ہوں کہ زکوٰۃ انفرادی طور پر لوگ خرچ نہیں کیا کرتے تھے۔ اجتماعی طور پر بیت المال میں جمع کرتے تھے اس جملہ سے یہ بات نکل آئی۔

اس سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی رعایا کی مسلمانوں کی تربیت اتنی اعلیٰ کی تھی کہ جو مستحق نہیں تھا، اس نے اپنے آپ کو مستحق زکوٰۃ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ آپ نے ذہنی دیانت پیدا کی تھی۔

آج اگر آپ اعلان کر دیں کہ جو نابینا ہوگا میں اس کو لحاف تقسیم کروں گا تو بینا ہو یا نہ ہو وہ آنکھیں بند کر کے لاٹھی لے کے چلا آئے گا تاکہ ایک لحاف تو مل جائے۔

اس جملے سے ایک سبق یہ ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مالیات کا نظام، اقتصادی نظام، معاشی نظام ایسا تھا کہ ان میں کوئی لکھ پتی اور کروڑ پتی بھی نہیں تھا اور کوئی فقیر بھوکا ننگا بھی نہیں تھا۔ انہوں نے اتنا توازن پیدا کیا تھا۔

ایک ہی جملے سے اتنے اسباق سامنے آ گئے۔ اسی طرح قرآن کریم ایک ہی واقعہ کو نقل کرتا ہے ایک جگہ ایک سبق دیتا ہے دوسری جگہ دوسرا سبق دیتا ہے۔ خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا قصے کا مطلب، آپ سمجھ گئے ہوں گے دل بہلانا نہیں۔ آپ کی تاریخی معلومات میں اضافہ کرنا نہیں قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ جو آخر میں ہے وہ پہلے موجود ہے جو پہلی عمر میں ہوا وہ آخر میں موجود ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ تو بیان نہیں کر رہا ہے۔ وہ تو ان کی زندگی میں جو واقعات پیش آئے ہیں ان کے ٹکڑوں سے انسانوں کو سبق دیتا ہے۔

بہرحال یہ رکوع جو میں نے پڑھا ہے اس میں ایک قصہ اور ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مسلم قوم اور ہمارے اندر وہ خصوصیتیں پیدا ہو جائیں اور زندہ ہو جائیں۔ جس کے لئے قرآن کریم نے ہمیں یہ واقعہ سنایا ہے میں سمجھتا ہوں، مسلم قوم دنیا میں پھر اس طریقے سے اپنا نام پیدا کر لے گی جو آج سے تیرہ سو سال پہلے مسلم قوم کی دھاک دنیا میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ قصہ کیا بتا رہا ہے۔ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسی قوم کے اندر ایک وقت آیا کہ جب جہاں پر قربانی دینے کا وقت آتا تھا۔ دین کے نام پر اللہ کے نام پر قربانی دینے کا وقت آتا تھا۔ یہ سب کے سب عافیت پسند ہو گئے آرام طلب، اپنے

گھروں میں گھس کے بیٹھ جاتے تھے۔

یہ جملہ یاد رکھئے ۔ ۔ ۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس قوم کو دنیا میں اپنے قومی نصب العین کی خاطر مرنا نہیں آتا، اس قوم کو دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں۔ جینے کا حق دنیا میں صرف اس قوم کو ہے کہ جو نصب العین کی خاطر جان کی قربانی دینے کو تیار ہو۔ عزت، حیات، سب ان قوموں کے لئے ہے۔

چنانچہ ایک زمانہ آیا حضرت شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو نبی اور پیغمبر ہیں انہوں نے کہا، مرتے مرتے اتنے مر گئے ہو، اتنے مر گئے ہو۔

یہ جملہ وہی لندن کی پارلیمنٹ کا جملہ ہے جو چیمبرلین (وزیراعظم) نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ہم مرتے مرتے اتنے مر گئے ہیں کہ اب پیچھے مرنے کو بھی کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔

حضرت شمویل علیہ السلام نے کہا تم اپنی ذلت اور پستی کو دیکھو، حد ہو گئی ہے اور یہ ذلت اور پستی عروج میں تبدیل ہو نہیں سکتی جب تک کہ اپنے اندر یہ حوصلہ پیدا نہ کرو کہ مقصد کی خاطر اور اللہ کی رضا کے لئے جان دینے کو تیار ہو جاؤ۔

قوم نے کہا "انہیں پکڑ کے جیل میں بند کر دو۔ حضرت شمویل علیہ السلام کو جیل میں بند کر دیا گیا۔ ایک ظالم بادشاہ نے اس قوم پر حملہ کیا اور ایسا قتل کیا، ایسا قتل کیا کہ بیت المقدس خون سے بھر گیا۔ اس قوم یعنی بنی اسرائیل کے پاس ایک تبرک تھا اس کو کہتے تھے تابوت سکینہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا۔ سکی تھا، توریت کا نسخہ تھا اور بنی اسرائیل یہ سمجھتے تھے کہ اب عمل کی تو ہمیں ضرورت نہیں، توریت کا کوئی حافظ نہیں، جہاں ضرورت پڑے گی صندوق سر پہ اٹھا کے لے جائیں گے اور تابوت سکینہ کے ذریعے سے تبرک حاصل کریں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں اللہ کی کتاب سے تبرک بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر قرآن کریم کی آیت پڑھ کر کسی پر دم کیا جائے تو کوئی شریعت کے خلاف نہیں، اگر اس کا تعویذ کسی کے گلے میں ڈال دیا جائے تو دین کے خلاف نہیں۔ مگر سوال یہ ہے ۔ ۔ ۔ اپنا ہمدردی سے پوچھئے ۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن کریم اسی لئے نازل فرمایا تھا کہ اگر ہمارے گھر میں کوئی بیمار ہوگا تو اس کی سورۃ کی

ہوا دیا کریں گے۔ اور ضرورت پڑے گی تو تعویذ لکھ لیں گے۔ ضرورت پڑی تو دم کرا دیں گے۔
کیا یہی مقصد ہے قرآن کریم کے نازل کرنے کا...... ہاں اگر قوم یہ سمجھتی ہے کہ قرآن کریم پر عمل بھی کرنا ہے۔ دنیا میں بھی نجات ہے اور آخرت میں بھی نجات ہے۔ عمل بھی کرتے ہیں پھر اگر آپ اوراق کا ہوا دے دیں...... الحمدللہ باعث برکت ہے۔ تعویذ بھی باعث برکت ہے پڑھ کے دم کریں باعث برکت ہے لیکن اگر صرف تبرک کا کام لیا جائے جیسے ہمارے یہاں لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے تو قرآن کا ایک نسخہ دیتے ہیں کہ بھی لڑکی کو قرآن پڑھایا بھی تھا یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں جی پڑھایا تو نہیں تھا اچھا ہے الماری میں رہے گا کوئی جن بھوت گھر میں نہیں آئے گا۔
خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس ظالم بادشاہ نے بنی اسرائیل کو ذلیل کیا اور ان سے وہ تابوت سکینہ بھی اٹھا کر لے گئے اب بنی اسرائیل کے پاس نہ توریت ہے نہ عصائے موسیٰ ہے نہ مصلی ہے۔ کچھ نہیں۔ فرمایا کہ۔

فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک ال موسیٰ وال ھرون (۲: ۲۴۸)

اب یہ قوم حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس گئی اور جا کر کہا کہ اب ہم تو یہ کرتے ہیں ہم نے یہ دیکھ لیا کہ جب تک ہم باہر نکلیں گے نہیں۔ مجاہدانہ خصوصیات پیدا نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہماری ذلت کے دن ختم نہیں ہوں گے۔ اب آپ پیغمبر ہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ کسی لیڈر کا، کسی امیر کا انتظام کریں۔ تاکہ اس کے جھنڈے کے پیچھے چل کر جمع ہو کر ہم جہاد کریں۔

اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللہ (۲: ۲۴۶)

انہوں نے اللہ سے دعا کی یا اللہ یہ قوم اب شرمندہ ہے۔ اب تیری راہ میں جہاد کرنا چاہتے ہیں فرمایا کہ۔

قال ھل عسیتم ان کتب علیکم القتال الا تقاتلوا (۲: ۲۴۶)

اس قوم کی تاریخ تو یہ بتا رہی ہے کہ جب بھی وقت آیا ہے۔ یہ گھروں میں گھس کے بیٹھ گئے ہیں۔ اب ہم کیسے یقین کریں کہ یہ لڑیں گے۔

قالوا وما لنآ الا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا (۲ : ۲۴۶)

یہ بات تو صحیح ہے لیکن اس سے زیادہ تو کوئی ذلت کا وقت نہیں آئے گا کہ ہم کو ہمارے گھروں سے ہمارے مکان چھڑ کے نکال دیا گیا۔ باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا گیا۔

وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا (۲ : ۲۴۶)

اب ایسا نہیں ہو سکتا..... انہوں نے کہا بہت اچھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو لیڈر مقرر کر دیا، بادشاہ مقرر کر دیا جب حضرت طالوت کو مقرر کر دیا تو یہ قوم کیا کہنے لگی! ہم نے یہ تو ضرور کہا تھا کہ ہم جہاد کے لئے تیار ہیں لیکن بات یہ ہے کہ حضرت طالوت جو ہیں وہ ایک تو ہمارے قوم کے آدمی نہیں ہیں اور ولم یؤت سعة من دو خرابیاں ہیں طالوت میں۔ ایک تو خاندانی طور پر ہمارا آدمی نہیں۔ دوسرا یہ کہ یہ آدمی غریب ہے۔ اس کے پاس دولت نہیں ہے۔ ہم ایسے آدمی کی اطاعت کیسے کریں جو ہمارے خاندان کا نہیں اور جو اتنا غریب ہے۔

قال ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطة فی العلم والجسم الخ

اب وہ بات آ رہی ہے جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دو جواب دیئے ہیں۔ ایک حاکمانہ، ایک حکیمانہ..... قرآن کریم کا طرز حکیمانہ بھی ہے حاکمانہ بھی ہے اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے، احکم الحاکمین بھی ہے۔

حکیمانہ جواب یہ ہے، دیکھو میاں! جس بات میں تم اختلاف کر رہے ہو وہ اختلاف کی بات نہیں ہے۔ تم یہ کہہ رہے ہو کہ تم نے طالوت کو مقرر کر دیا، یہ ہمارے خاندان کا نہیں اور یہ غریب ہے تو یہ بتاؤ کہ جس کو بادشاہ مقرر کیا جائے کیا اس میں خاندان کا ہونا بھی ضروری ہے کیا اس میں یہ ہونا بھی ضروری ہے کہ وہ دولت مند ہو۔ یہ تمہارا خیال غلط ہے تم یہ اعتراض چھوڑ دو بلکہ جس کو مقرر کیا جاتا ہے اس میں دو صلاحیتیں ہوتی ہیں اور طالوت میں دونوں صلاحیتیں موجود ہیں۔

ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطة فی العلم والجسم۔

ایک یہ کہ اس کو حکمرانی کا طریقہ معلوم ہے۔ سیاست سے واقف ہے۔ اس کے پاس علم ہے
دوسرے یہ کہ قوم کے اندر اس کا وقار ہے۔ قوم اس کی عزت کرتی ہے تو حاکم بنانے کے لئے تو یہ دو
Qualification کی ضرورت تھی اس لئے ہم نے اس کو مقرر کیا۔ وہی مناسب تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے پیار کر کے محبت سے سمجھایا۔ آگے حاکمانہ جواب سنئے۔

واللہ یؤتی ملکہ من یشآء واللہ واسع علیم۔

اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جو سلطنت دی ہے کیا تمہاری جیب سے کچھ کمی کر دی ہے کیا تمہاری
ملکیت ہے ...... یا اللہ تعالیٰ کی حیثیت ہے کہ جس کو چاہتا ہے صاحب سلطنت بناتا ہے جس کو
چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے۔ خبردار جو تم نے اعتراض کیا تمہیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

واللہ یؤتی ملکہ من یشآء

طالوت بادشاہ مقرر ہو گئے۔ اب یہ قوم روانہ ہوئی ہے جہاد کے لئے طالوت کے
جھنڈے کے پیچھے جمع ہو کر یہ قوم لڑنے کے لئے جا رہی ہے۔ فرمایا۔

ان اللہ مبتلیکم بنھر۔

آگے ایک نہر آ رہی ہے پانی کی وہاں تمہارے دو امتحان ہوں گے۔

بس میں بھی کہنا چاہتا تھا۔ اگر دنیا کی کسی قوم میں یہ دو جوہر اگر موجود ہیں چاہے وہ
تعداد میں تھوڑی ہو وہ دنیا پر چھا کے رہیں گے اور اگر یہ جوہر اس میں موجود نہیں ہیں تو یہ
سمجھنا کہ یہ قوم بیمار ہے۔

فمن شرب منہ فلیس منی ومن لم یطعمہ فانہ منی الا من
اغترف غرفۃ بیدہ۔

ایک تو آزمائش ہو گی تمہارے صبر کی تم دھوپ میں چلو گے۔ پانی کی صاف شفاف نہر پہ
پہنچو گے۔ اللہ کا حکم یہ ہے پیاس پہ صبر کرو۔ پانی مت پیو یہ تمہاری آزمائش ہے۔ دوسری
آزمائش یہ ہے کہ خدا کے حکم کا احترام تمہارے عمل میں ہے یا نہیں۔

جنرل اکبر جو لیاقت علی مرحوم کے زمانے میں کمانڈر آف چیف ہوا کرتے تھے اکثر
فوجوں میں مجھے بھی لے جاتے تھے وہ زمانہ بڑا اچھا تھا۔ خیر کا زمانہ تھا وہ فوجیوں سے کہا کرتے

تھا اگر تم نے شراب نہیں چھوڑی تو تم سپاہی ہو سکتے ہو، فوجی ہو سکتے ہو، مجاہد نہیں ہو سکتے۔
شراب پینے والا کبھی مجاہد نہیں ہو سکتا۔

حضرت طالوت نے اس قوم سے کہا کہ آج اس نہر کے اوپر تمہاری دو چیزوں کی آزمائش ہے ایک صبر دوسرے تقویٰ۔ بس یہی ہیں کامیابی کے گر۔

اللہ تعالیٰ تمہارا یہ امتحان لینا چاہتے ہیں کہ تم تکلیفوں پر صبر کے عادی ہو یا نہیں۔ اور اگر نازک مزاجی ہے تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نازکوں کو کبھی انسانوں پر مسلط نہیں کرتا ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں جب جہاد کے لئے نکلے تو لکھنو کے ایک نواب صاحب تھے۔ انہوں نے کہا جی میں بھی جہاد کے لئے چلتا ہوں انہوں نے کہا: اچھا بھائی! آؤ ہمارے ساتھ چلو۔ وہ جانتے تھے کہ یہ لکھنو کے نواب صاحب بڑے نازک مزاج ہیں۔ ساتھیوں سے کہہ دیا کہ یہ نواب صاحب جو ہیں میرے ہی ساتھ کھانا کھائیں گے تم نہیں کھلانا۔

مولانا ان کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو مولانا نے زور سے ناک اپنی صاف کی نواب صاحب نے تو کبھی زندگی بھر یہ منظر نہیں دیکھا تھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مولانا اپنا سر جھکائے بیٹھے رہے۔ ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو یہ نواب صاحب بھوکا ہے۔ انہیں کھانا نہیں کھلانا یہ میرے ہی ساتھ کھائے گا۔

دوسری مرتبہ آئے تو پھر کھانے پر بیٹھے تو مولانا نے زور سے اخ کے زور سے بلغم تھوک دیا۔ نواب صاحب پھر چونک کر کھڑے ہو گئے لاحول ولا قوۃ یہ کیا آپ کرتے ہیں۔ مجھ سے تو یہ کھایا نہیں جاتا۔ مولانا پھر اپنا کھانا کھانے لگے نواب صاحب دو وقت کے بھوکے، تیسرے وقت پھر آ کے بیٹھے تو مولانا نے پھر کھنکار، نواب صاحب نے کہا اب اگر آپ پاخانہ بھی پھر دیں گے میں بغیر کھانا کھائے نہیں اٹھوں گا۔ میں دو وقت سے بھوکا ہوں۔

مولانا نے کہا نواب صاحب معاف کیجئے گا میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا مگر مجھے یہ بتانا تھا آپ جہاد کے لئے آئے ہیں پھولوں کی سیج پر لیٹنے نہیں آئے جو اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اسے نزاکتیں چھوڑنی پڑتی ہیں آپ کی یہ نزاکتیں چل نہیں سکتی تھیں اس لئے میں

نے آپ کو پریشان کیا فرمایا کہ۔

ناز پروردہ تنعم نہ بردراہ بہ دوست　　　عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد

جو مصیبتوں پر صبر کرنا نہیں جانتا اس کو یہ لفظ چھوڑ دینا چاہئے کہ میں عاشق ہوں عاشق کا لفظ استعمال کرنا توہین ہے عشق کی فارسی کا ایک بڑا اچھا شعر ہے فرمایا کہ عاشقی کی دکان جو ہے یہ چھوٹے چھوٹے پیسے سے نہیں لگتی اس کے لئے بڑے سرمائے کی ضرورت ہے۔

دکان عاشقی را بسیار مایہ باید　　　دل ہائی ہم چو چشمہ چوں رود باری

جس کا دل بھٹی کی طرح سلگ رہا ہو۔ جس کی آنکھیں برسات کی نالیوں کی طرح بہہ رہی ہوں۔ وہ عشق کا دعویٰ کر سکتا ہے تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت طالوت نے کہا کہ آج تم نہر پر آئے ہو ہمیں معلوم ہے تمہیں پیاس لگی ہے مگر ایک تو تمہیں یہ دکھانا ہے کہ ہم پانی پہ صبر کر کے دکھا سکتے ہیں۔ پھر دوسرے تمہیں یہ دکھانا ہے کہ خدا کا یہ حکم ہے۔ خدا کے حکم کا تمہیں احترام ہے یا نہیں اگر یہاں کامیاب ہو گئے تو یہ سمجھنا ساری کامیابیاں تمہارے لئے ہیں۔

میرے دوستو! ہماری تاریخ ماضی کے اوراق ذرا الٹ کے دیکھ لیجئے ہندوستان کے اندر ہماری حکومت رہی یہ دور رنگیلے شاہ کا دور ہے۔ یہ وہ دور ہے کہ جس دور کے اندر رنگیلے شاہ چلے میں جاتے تھے جس طرح عورتیں چلے میں جاتی ہیں۔ اس طریقے سے ان کے ہاں بچہ ہوتا تھا، باقاعدہ یہ ڈرامہ ہوتا تھا گانا بجانے والے اور طبلہ سارنگی والے یہ ان کے اردگرد ہوتے تھے۔

کسی نے رنگیلے شاہ سے کہا کہ آپ کے ملک پر حملہ نہ ہو جائے تو وہ اپنے گانے بجانے والوں سے کہتے تھے کہ بھئی یہ سنا ہے کہ ہمارے ملک پر حملہ نہ ہو جائے۔ تو وہ کہتے تھے، یہ سب جھوٹ بولتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں حملہ ہو جائے گا اور اگر حملہ ہو گیا تو یہ طبلے اور سارنگی کا میگزین کس دن کام آئے گا اس سے لڑتے لڑتے دشمنوں کو بھگا دیں گے۔

چنانچہ افغانستان سے نادر شاہ نے حملہ کیا دلی میں قتل عام ہو رہا ہے لوگوں نے رنگیلے شاہ سے کہا کہ اور تو کچھ نہیں ملک تو گیا قتل عام کو تو رکوا دیجئے اس نے کہا کہ اچھا! نادر شاہ کے پاس سواری جا رہی ہے رنگیلے شاہ کی کیسے! سڑک صاف ہو رہی ہے پالکی سجائی جا رہی ہے دونوں

طرف سے چھڑکاؤ کر رہے ہیں خس کے پردے بنائے جا رہے ہیں۔ نادر شاہ یہ سب کچھ دیکھ کے حیران ہے کہ یا اللہ! تیری بڑی شان ہے تو عورتوں کو بھی حکومت دیتا ہے ...... وہ تشریف لا رہے ہیں یہ لکھا ہے کہ جب وہ نادر شاہ کے پاس پہنچے ہیں تو جا کر گلے ملے۔ نادر شاہ نے عمر بھر عطر کی خوشبو نہیں سونگھی تھی اور رنگیلے شاہ نے کبھی پسینہ کی بدبو نہیں سونگھی تھی وہ پسینے کی بدبو سے بڑے مدہوش ہو گئے جیسے کوئی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ نادر شاہ یہ تماشا دیکھ رہا ہے......

انہوں نے کہا حضور! آپ یہ قلعہ میں چار روز لے لیجئے نادر شاہ گئے بڑے بڑے امراء دربار کو بلایا بہترین بہترین قسم کی ڈشیں اور کھانے تیار کئے گئے۔ الوان نعمت موجود ہیں اور نادر شاہ حیران بیٹھا ہے وہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اے اللہ تو ایسے عیش پرستوں کو بھی حکومت دیتا ہے۔ رنگیلے شاہ نے کہا کہ حضور! بسم اللہ کیجئے نادر شاہ نے اپنے ملازم کو آواز دی اور کہا "نان کتا بیار" میری روٹی بھی لے کے آ۔ لوگ حیران کہ یا اللہ الوان نعمت دستر خوان پر رکھے ہوئے ہیں یہ نادر شاہ کیا باتیں کرتا ہے کیا منگا رہا ہے ملازم آیا ایک تھیلے کے اندر سوکھی ہوئی روٹیوں کے ٹکڑے تھے اس نے سب کے سامنے نکالے اور نکال کر ایک جملہ کہا۔

میرے دوستو! اگر یہ روح مسلمان حاکموں کی ہوتی تو کبھی ہم سے اور آپ سے ہندوستان کا اقتدار نہ چھینا جاتا۔

پھر نادر شاہ نے کہا۔ اے لوگو! جو دستر خوان پر بیٹھے ہوئے ہو یہ غذا جو میں کھا رہا ہوں یہ فاتح قوم کی غذا ہے اور جو غذا تم کھا رہے ہو یہ غلام قوم کی غذا ہے علامہ اقبال نے سچ کہا ہے۔

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے — شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

جب قوم پر عروج اقتدار آتی ہے تو وہ جنگجو ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں نیزے اور تلوار ہوتے ہیں بندوق ہوتا ہے اور جب قوم پر تنزل کا وقت آتا ہے تو ہر ایک کے ہاتھ میں طبلہ اور سارنگی نظر آتا ہے۔

میرے دوستو! یہ قوم جب پہنچی ان کو منع کیا گیا تھا کہ پانی پر صبر کر کے دکھانا خدا کے حکم کا احترام کر کے دکھانا ایک صبر ایک تقویٰ کا سبق قرآن کریم کی زبان سے سنئے کہ جو کیا فرمایا کہ

فشربوا منه الا قلیلاً منهم

لوگوں نے خوب چپ چپ کے پانی پیا۔ کیوں۔ مخلص نہیں تھے حضرت طالوت کی قیادت حق پر اعتراض کر چکے تھے ان کی تربیت صحیح نہیں تھی۔ انہوں نے ظاہر کر کے دکھا دیا تھا نہ ہم صبر کر کے دکھا سکتے ہیں نہ خدا کے حکم کا احترام کر کے دکھا سکتے ہیں لیکن اللہ کے کچھ بندے ایسے تھے جنہوں نے کہا۔۔ نہیں۔ ہم کل ہوئے گا لیکن صبر کر کے بتا ئیں گے ہم خدا کے حکم کا احترام کر کے دکھا ئیں گے۔ قرآن کریم کہتا ہے وہ تھوڑے تھے۔ الا قلیلا منهم۔

اب یہ قوم آگے جا رہی ہے

فلما جاوزه هو والذين امنوا معه قالوا لا طاقة لنا اليوم بجالوت وجنوده.

میدان میں پہنچے، دشمنوں کو دیکھا لمبے لمبے قد دشمنوں کے، دیکھ کے حضرت طالوت سے کہنے لگے۔ بابا ہم تو جہاد سے باز آئے ہمیں تو ہمارے گھر پہنچا دو لا طاقة لنا اليوم الخ۔ جالوت اور جالوت کے لشکر سے لڑنے کی تاب ہمارے اندر نہیں۔ بھاگ گئے۔ جب یہ سب لوگ بھاگ رہے تھے وہی چند آدمی جنہوں نے نہر پہ پانی نہیں پیا تھا انہوں نے کہا خبردار ٹھہر جاؤ۔۔۔ بھاگنے والوں کو بھاگنے دو۔۔۔۔ یہاں ٹھہرو کیوں انہوں نے کہا بھاگنے والوں میں کوئی حکمت کی بات ہے تو ہم تم بھی بھاگ جائیں گے۔ یہ کیوں بھاگ رہے ہیں۔ موت سے ڈر کے مارے بھاگ رہے ہیں تو کیا ملک الموت کو ان کی گلی کا ان کے شہر کا اور ان کے مکان کے نمبر کا پتہ معلوم نہیں ہے اگر کوئی آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس میدان میں موت آئے گی اور گھر پہ موت نہیں آئے گی تو کتنا بڑا بے وقوف ہے وہ۔۔ اگر اس میں کچھ مصلحت ہے تو ہم بھی بھاگ جائیں گے۔

ایک بڑا حکیم تھا وہ کہیں کشتی میں بیٹھا اس نے ملاح سے پوچھا کہ میاں ملاح تم نے کچھ حکمت پڑھی ہے۔ اس نے کہا کہ حضور میں نے تو کوئی حکمت نہیں پڑھی۔ انہوں نے کہا ارے بے وقوف! تو نے تو آدھی عمر ہی ضائع کر دی۔ اس نے کہا کر دی ہوگی۔ آگے طغیانی آئی دریا کے اندر تو حکیم سے پوچھا کہ حکیم جی تیرنا آتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تیرنا تو نہیں

آتا انہوں نے کہا میں نے تو آدمی کو اپنی بھی پتہ نہ ہے تو ساری گنوا دی۔

یہ ماڈرن تعلیم یافتہ حضرات کبھی کبھی علماء کو پریشان کرنے کے لئے کہا کرتے ہیں ایک سائنٹسٹ نے کہا مولانا ذرا یہ تو بتایئے کہ آسمان پر ستارے کتنے ہیں انہوں نے کہا ہمارے مولوی صاحب نے تو ہمیں یہ نہیں بتایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کیسے رہبر قوم ہیں۔ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم۔ انہوں نے کہا بھی نہیں معلوم۔

مولانا صاحب نے پوچھا اچھا مہربانی کر کے آپ یہ بتایئے کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھی پتہ نہیں ہمارے پروفیسر نے نہیں بتایا انہوں نے کہا ابھی تو فرش زمین کا علم آپ کا پورا نہیں ہوا تو عرش کی باتیں آپ کہاں سے کرتے ہیں۔

جب اس ملاح نے یہ کہا کہ جناب حکیم صاحب آپ نے تو پھر پوری زندگی ختم کر دی تو وہ پوچھنے لگے کہ اے ملاح میں تجھ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج سے پہلے بھی کوئی حادثہ ایسا ہوا۔ کہنے لگا کہ روز ہوتا ہے میرا باپ مرا میرا چچا مرا میرا بھائی مرا۔ سب اسی طرح کے حادثوں میں مرتے ہیں کہنے لگے تو بڑا بے حیا ہے کہ تو نے ملاحی کا پیشہ نہیں چھوڑا۔

اس نے حکیم سے پوچھا کہ آپ کے والد بزرگوار حیات ہیں انہوں نے کہا کہ نہیں۔ انتقال ہو گیا ہے۔ کہاں انتقال فرمایا۔ مکان کے اندر چارپائی پہ بستر پر لیٹ کر مر گئے۔ آپ کے دادا وغیرہ وہ بھی اسی مکان کے اندر مرے۔ اس ملاح نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ بے حیا ہیں جو آپ نے اب تک وہ مکان ابھی تک نہیں چھوڑا۔

ملاح یہ بتانا چاہتا تھا کہ حضرت والا موت کا تعلق کشتی اور مکان سے نہیں ہے موت کا تعلق وقت سے ہے جب وقت آتا ہے تو اگر کشتی میں ہے تو وہاں موت آتی ہے اگر گھر میں ہو تو وہاں موت آتی ہے میدان جہاد ہو تو وہاں موت آتی ہے تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جن قوم میں سے جو لوگ بھاگ رہے تھے اور انہوں نے کہا خبردار ان کا ساتھ مت دو۔

قال الذين يظنون انهم ملقوا الله كم من فئة قليلة غلبت فئة
كثيرة باذن الله والله مع الصبرين.

یہ چھوٹی سی جماعت رہ گئی۔ جنہوں نے نہر پر صبر کر کے دکھایا تقویٰ کر کے دکھایا جالوت

اور جالوت کے لشکر سے جب مقابلہ ہوا ہے تو مقابلے کے بعد اس چھوٹے سے لشکر نے جالوت کے لشکر کو چادر بار کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح عطا فرما دی۔ حالانکہ وہ مٹھی بھر آدمی تھے۔ لیکن کیوں! اس لئے کہ جس قوم کے اندر صبر موجود ہو جس قوم کے اندر تقویٰ موجود ہو وہ قوم اگرچہ تھوڑی ہو لیکن دنیا کے انسانوں پر غالب آ جاتی ہے۔

صبر اور تقویٰ ہے کیا چیز؟ علامہ اقبال کا مشہور جملہ ہے، ہمارے علماء حضرات ناراض نہ ہوں، ہم بھی انہی میں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہماری قوم کو دو طبقوں نے خراب کیا۔ ایک متقی بزدل یعنی نماز روزہ تہجد میں بہت آگے آگے۔ اور چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ تو دروازہ بند کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک متقی بزدل اور دوسرے بے دین بہادر، یعنی جان دینے کو تو تیار ہے لیکن اگر کہا جائے کہ خدا کا حکم مان لو تو خدا کے حکم ماننے کو تیار نہیں۔ وہ بہادری جو بے دینی کے ساتھ ہو وہ تقویٰ جو بزدلی کے ساتھ ہو۔ یہ قوم کو کبھی پیچھے نہیں ہٹا۔

قوم جب بنتی ہے جب اس میں تقویٰ بھی ہو اور بہادری بھی ہو، صبر کے معنی؟ معاف کیجئے! عام طور سے یہ سمجھے جاتے ہیں کوئی تمہیں مارے تو تم پٹتے رہو۔ کہو بھائی۔ کیا کریں۔ صبر کرو۔ مجبوری کا نام صبر۔

اسلام ایسے معنی کی کبھی آپ کو تلقین نہیں کرتا۔

صبر کے معنی یہ ہیں۔ اپنا ایک نصب العین مقرر کر لو۔ اور جب یہ نصب العین مقرر ہو جائے چاہے بھوک کی تکلیف ہو چاہے جان کی تکلیف ہو چاہے مال کی تکلیف ہو، وہ ساری تکلیفیں اسی خوشی برداشت کرتا کہ اپنے نصب العین سے پیچھے قدم نہ ہٹانا۔

صبر کے معنی یہ ہیں اسی نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے بڑھتے چلے جاؤ تکلیفیں اٹھاتے جاؤ۔

معلوم ہوا یہ دو چیزیں ضمانتیں ہیں۔ یہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کہا اب آپ قرآن کریم کی آیت سنئے فرمایا۔

وان تصبروا وتتقوا اگر تم صبر اختیار کرو اگر تم تقویٰ اختیار کرو لا یضرکم کیدھم شیئا اللہ تعالیٰ تمہیں ضمانت دیتے ہیں۔ اے مسلم قوم! اگر صبر اور تقویٰ تم نے اختیار کر لیا ہم

تمہارے ذمہ دار ہیں تمہارا دشمن تمہارا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ دشمن کی چالیں تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گی بشرطیکہ تم صبر کے خوگر ہو۔ صبر کے معنی یہ ہوئے کہ ہم ذائقے چھوڑ دیں ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ آرام نہ اٹھائیں۔ آپ آرام اٹھائیں۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں تو سبحان اللہ کیا طرز تھا نصیحت کا فرمایا کہ آپ لفظوں پر غور کریں۔ ایک ہے آسائش دوسرے ہے زیبائش تیسرے ہے آرائش چوتھی ہے نمائش ان میں دو کی اجازت ہے دو کی اجازت نہیں فرمایا کہ صرف دکھانے کے لئے دکھاوا اختیار کرنا، نمائش اختیار کرنا اس کے لئے مسلمان کو اجازت نہیں۔ آرائش کے معنی بھی یہی ہے کہ بناوٹی قسم کی خوبصورتی پیدا کریں اس کی بھی اجازت نہیں۔ ہاں دو چیزوں کی اجازت ہے آسائش جو آپ کے آرام اور راحت سے متعلق ہے زیبائش جس سے نظافت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے آپ کے کپڑے صاف ہوں آپ کا مکان اور ہو آپ کی ہر چیز صاف ستھری ہو۔

فرمایا: آسائش اور زیبائش کی اجازت ہے آرائش اور نمائش کی اجازت نہیں ہے۔

تو ہم کو اور آپ کو صبر کی زندگی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے ہم ذائقے اختیار نہ کریں۔ اور جب ہم یہ دو چیزیں اپنے اندر پیدا کر لیں گے ایک جوہر صبر دوسرا جوہر تقویٰ۔ تو ان شاء اللہ مسلم قوم اسی قابل ہو جائے گی جو اپنی عظمت رفتہ کو واپس لے آئے۔ تو آخر میں میں ایک شعر پڑھنے پر ختم کر رہا ہوں۔ فرمایا۔

رستم وقت ہے تو کس لئے نیچا ہے سر ترا — جاگنے کی دیر ہے پھر سب وہی دم خم ترا

پیدا اگر ہو جائے زائل نیند کا عالم ترا — چار سو عالم میں لہرانے لگے پرچم ترا

اگر مسلم قوم یہ دو جوہر خصوصیت اپنے اندر پیدا کرے تو مسلمانوں کی عظمت رفتہ واپس آسکتی ہے۔

قرآن کریم کا یہ واقعہ ہم مسلمانوں کو یہ درس اور یہ سبق دیتا ہے۔ اور اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ اسی میں قوموں کے دور قوموں کے عروج کا راز ہے

اب میں معذرت چاہوں گا۔ دعا کیجئے ہم کو اور سب کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مشتاق احمد مکی عفی عنہ (مترجم)
صوبائی اسمبلی صوبہ سرحد پشاور

روزہ اور تقویٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ
عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا
اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی
خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

خطاب ۴

روزہ اور تقویٰ

اللہ تعالیٰ نے روزوں کی فرضیت کے حکم کی حکمت یہ بتائی کہ لعلکم تتقون (تا کہ تم متقی بن جاؤ) اس سے معلوم ہوا کہ روزوں کی عبادت کی خصوصیت اور اس کا ذاتی اثر یہ ہے کہ انسان میں تقویٰ جیسی پسندیدہ صفت پیدا ہو جاتی ہے۔

دراصل تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ کے جلال و جبروت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دل میں اس کی نافرمانی کا خیال تک مٹا دے، اور نہایت خوش دلی اور کمال آمادگی کے ساتھ ہر حالت میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھے عام طور پر اردو زبان میں اس کا مفہوم خدا کا خوف اور پرہیزگاری کے الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے۔

مزید وضاحت کے لئے یہ واقعہ بھی پیش نظر رکھئے تو تقویٰ کی حقیقت نکھر کر آپ کے سامنے آجائے گی حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی اور عہد نبوت کے مشہور مفسر قرآن ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ان سے تقویٰ کی حقیقت دریافت کی اس پر حضرت ابی ابن کعب نے حضرت عمر سے پوچھا کہ کیا کبھی آپ کو کسی خاردار راستہ پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا جی ہاں بارہا ایسے راستوں پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے حضرت ابی ابن کعب نے کہا تو آپ نے اس وقت کیا کیا؟

حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں نے اپنے جسم اور کپڑوں کو سنبھالا اور پوری کوشش کی کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو کانٹوں سے بچا کر صحیح وسالم نکل جاؤں اس پر حضرت ابی ابن کعب نے فرمایا اللہ الک التقویٰ بس یہی تقویٰ ہے حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ کا مقصد اور اس کے مفہوم و مراد کی تشریح اس سے بہتر طریقہ پر نہیں کی جا سکتی۔

قرآن حکیم میں توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کے بعد مسلمانوں سے بار بار جس نیکی کا مطالبہ کیا ہے اور ان کی فلاح و بہبود کو جس پر منحصر رکھا ہے وہ یہی تقویٰ ہے۔

بلاشبہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور ساری دنیا کو ایک عالمگیر برادری میں شامل کرنا اس کا عین منشا ہے وہ قومیت وطنیت اور نسل پرستی کے فخر و غرور اور انسانوں کے اپنے تجویز کئے ہوئے امتیازات کو مٹا کر اللہ کے پسندیدہ امتیاز یعنی تقویٰ کو معیار انسانیت قرار دیتا ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کے سامنے اپنے خطبہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ۔

اے لوگو تمہارا رب ایک ہی ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہی ہے تو سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے بے شک بزرگ تو اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ ہے جو تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ اور پرہیزگاری سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت بلیغ اور موثر انداز میں اس کی وضاحت فرمادی کہ اللہ کے نزدیک کوئی امتیاز کوئی نسبت اور کوئی تعلق معتبر نہیں حتیٰ کہ پیرزادگی قابل لحاظ نہیں اس بارگاہ میں صرف تقویٰ ہی مطلوب ہے چنانچہ صحابہ کرام اہل بیت عظام اور ائمہ دین کے تقویٰ میں کلام نہیں ان سب کا تقویٰ دنیا بھر کے مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام ہے ہی لیکن اس کے علاوہ جب بعظام کے بانی پیر جنید بغدادی وشیخ غوث اعظم لاہور کے داتا سرہند کے مجدد سندھ کے شاہ عبداللطیف، اجمیر کے خواجہ کلیر کے صابر دہلی کے نظام الدین اور دوسرے علاقوں کے اولیاء صلحاء اور بزرگان دین رحمھم اللہ کا ذکر آتا ہے ادب واحترام سے ہمارے سر جھک جاتے ہیں ہم یہ نہیں دیکھتے کہ یہ بزرگ کس سرزمین کے رہنے والے اور کس قبیلہ و خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے بلکہ ہمیں ان کی شخصیت اور ان کے حیرت ناک کارناموں میں تقویٰ کی جلوہ گری نظر آتی ہے اور اسی صفت کی وجہ سے ان کی زندگی قابل تقلید بن گئی گویا ان کی متقیانہ زندگی کو اسلام کے آفاقی نظریہ حیات کی اشاعت میں بڑا دخل رہا ہے۔

قرآن حکیم میں بار بار تقویٰ اختیار کرنے اور اپنی زندگی میں آخر وقت تک اس صفت پر قائم رہنے کی تاکید کی گئی ہے ارشاد فرمایا گیا۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (آل عمران، ع ۱۱) یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو

جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے یہاں تک کہ تم کو اسی فرمانبرداری کی حالت میں موت آئے مطلب یہ ہے کہ زندگی کا کوئی حصہ تقویٰ سے خالی نہ ہو اور زندگی کی آخری سانس تک ہر وقت اللہ کی فرمانبرداری میں مصروف رہنا چاہئے اسی مفہوم کو ایک دوسری جگہ یوں ظاہر فرمایا فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا۔ (تغابن۔ ع۔ ۲) یعنی اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو جس قدر بھی تم سے ہو سکے اور اللہ کے احکام کو گوش دل سے سنو اور اطاعت کرو یہاں بھی بندوں سے ان کی استطاعت کے مطابق تقویٰ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ بہرحال اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کی جائے۔

قرآن کریم میں انسانوں کو بار بار جس نیکی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے وہ ایمان اور عمل صالح ہے لیکن اللہ نے نیکی کی حقیقت اور بنیاد تقویٰ ہی کو قرار دیا ہے ایک آیت میں اس کی وضاحت کی گئی ولکن البر من اتقی۔ (بقرہ۔ ع۔ ۲۳) یعنی لیکن نیکی کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے گویا نیکیوں کا اصل محرک تقویٰ ہے اور اللہ کے نزدیک وہی نیکیاں قابل اعتبار ہیں جن کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔

اس جیسی آیات کے علاوہ قرآن میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں متقیوں کی صفات اور ان کی صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی تعریف کی گئی ہے اللہ نے ان کو اپنا دوست کہا ہے ان کے لئے بڑے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے جنت میں ان کے لئے نعمتوں کی تفصیل بیان کی ہے اسی طرح تقویٰ کے خلاف روش اختیار کرنے والوں پر اللہ نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار فرمایا ہے ان کو آخرت کی بازپرس سے ڈرایا ہے۔ غرض قرآن نے نہایت حکیمانہ انداز سے مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

تقویٰ کی اس ضروری وضاحت کے بعد آیئے اب اس حقیقت پر غور کریں کہ ماہ رمضان میں روزوں کی عبادت کس طرح ایک مسلمان کو متقی شعار بناتی ہے اس بات کو سمجھنے کے لئے بھی ہمیں قرآن ہی سے مدد لینی پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو قربانی کا حکم دیا اور اس کے بعد یہی ارشاد فرمایا کہ۔

لن ینال اللہ لحومھا و لادماء ھا ولکن ینالہ التقوی منکم (الحج ۔ ع ۵)

یعنی تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا لیکن اس کے پاس جو کچھ پہنچتا ہے وہ تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری قربانیوں کے گوشت پوست اور خون کی ضرورت نہیں وہ محض تعمیل حکم کے مخلصانہ جذبہ کو دیکھتا ہے اور اسی جذبہ کا نام تقویٰ ہے بالکل اسی طرح ماہ رمضان کے متعینہ اوقات میں اپنے بندوں کو بھوکا پیاسا دیکھنے میں اللہ تعالیٰ کو کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہاں بھی تعمیل حکم کے اسی جذبہ کو ابھارا جارہا ہے جس کا نام تقویٰ ہے۔

روزہ کی عبادت سے تقویٰ کی خصوصیت کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ روزہ نسبتاً ایک خاموش عبادت ہے جس میں ریاکاری اور نمود و نمائش کے امکانات بہت کم ہیں یعنی مسلمان روزہ نہ رکھے اور چھپ چھپا کر کھا پی لیا کرے تو دوسروں کو اس کا پتہ نہیں چل سکتا لیکن وہ محض اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا طلبی کی خاطر اس کو حاضر و ناظر سمجھ کر روزہ رکھتا ہے اور اگر کبھی سحری میں آنکھ بھی نہ کھلے تو بغیر سحری کے اس فرض کو پورا کرتا ہے اسی لئے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوا کہ الصوم لی و انا اجزی بہ یعنی روزہ میرے لئے ہے میں ہی اس کی جزاء ہوں اس طرح روزہ کی فرضیت کے ساتھ لعلکم تتقون کے ارشاد سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس عبادت کو تقویٰ سے خاص مناسبت ہے اب کچھ لیلۃ القدر کے بارے میں عرض ہے۔

اخفاء اور ابہام کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ ایک شب کی خاطر پورا عشرہ شب بیداری عبادت اور بندگی میں گذرتا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لیلۃ القدر ہر سال بدلتی رہتی ہے اور آخری عشرہ کی مختلف طاق راتوں میں دائر رہتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "لیلۃ القدر" کے لفظ میں نو حرف ہیں اور یہ لفظ سورہ قدر میں تین مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔

وما ادرک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر.

پس مذکورہ بالا تین الفاظ کو ان کے حروف کی تعداد کے مطابق اگر نو میں ضرب دیا جائے تو ستائیس کا عدد نکلتا ہے لہذا لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور یہی قول مشہور بھی ہے اور اکابرین سلف کا تعامل بھی اسی پر ہے۔

جس رات کی عظمت و تقدیس کی یہ شان ہے اور جس میں ایک لمحہ کی عبادت بھی بندہ کو اللہ سے قریب کر دیتی ہے اس بارہ میں غور کرنا پڑے گا اس میں کونسی عبادت اور کونسا عمل خیر اختیار کرنا چاہئے؟ کیونکہ صرف جاگنا یا جاگ کر لایعنی اور بے ہودہ مشاغل میں لگ جانا اس رات کی سب سے بڑی ناقدری اور اپنی محرومی ہے اس رات کی عبادت اور بندگی کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اگر مجھے یہ رات مل جائے تو میں کونسی عبادت اور کونسا عمل اختیار کروں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قولی اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔

اے اللہ تو بیشک خطاؤں سے درگذر کرنے والا ہے اور معاف کر کے تو بہت خوش ہوتا ہے پس میرے گناہوں کو بھی معاف کر دے اس سے معلوم ہوا کہ اس شب میں کوئی خصوصی اور متعین قسم کی عبادت نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی عبادت اختیار کی جا سکتی ہے خواہ وہ نوافل کی قسم سے ہو یا تلاوت قرآن، یاد الٰہی میں مصروف ہو یا انسانوں کی ہمدردی غم خواری میں البتہ حضرت عائشہ صدیقہ کے سوال کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ توبہ و استغفار اور دعا اس رات کی خاص عبادتیں ہیں کیونکہ ارشاد نبوی سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور بندوں کو پکار پکار کر مانگنے اور دعا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تا کہ حق تعالیٰ ایک طرف خطاؤں کو بخش دیں اور دوسری طرف دعاؤں کو قبول فرمائیں ویسے بھی آقا سے قریب ہونے کا موقع دعا کے لئے سب سے مبارک موقع ہے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ میرے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آیا وہ قریب ہے یا دور؟ تو آپ ان کو بتلا دیجئے کہ میں صرف قریب ہی نہیں ہوں بلکہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہوں۔

خطبہ عید الفطر تکمیل صیام کا شکر اور اظہار بندگی ہے

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں اپنے ایام کی یاد تازہ رکھنا چاہتا ہے جن کو قومی اور ملی اعتبار سے کوئی خصوصیت اور اہمیت حاصل ہو۔ چنانچہ اقوام عالم کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو ہر قوم اور ہر ملت کی تاریخ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ ان تو مون

کی تاریخ میں بھی جو کسی دین سماوی پر یقین رکھتی ہیں اور کسی نبی اور رسول کی ہدایات و تعلیمات سے اپنے آپ کو وابستہ سمجھتی ہیں اور ان اقوام میں بھی جو کسی صحیح معقول دین و مذہب اور شریعت سے ناآشنا ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کواکب پرست، بت پرست، اور مشرک تھی۔ اس قوم میں کچھ دن ایسے مقرر تھے جن میں وہ لوگ اپنی بستیوں سے باہر جا کر اجتماعی طور پر خوشیاں مناتے اور میلے لگاتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی تبلیغ فرمائی طرح طرح سے ان کو بت پرستی کی نامعقولیت اور خدا پرستی کی معقولیت سمجھائی لیکن شرک و بت پرستی کی خوگر قوم نے جو خود ساختہ بتوں کو عقل کا رسا تر سمجھتی تھی اس نے توحید پر یقین کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عملی اور مشاہداتی صورت پر بتوں کی بے کسی و بے بسی قوم کے ذہن نشین کرنے کی دل میں ٹھانی اور دل ہی دل میں عہد کیا کہ۔

ترجمہ:۔ خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور ضرور ایک تدبیر کروں گا اس کے بعد کہ تم لوگ پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔

مسرتوں کا اظہار

چنانچہ اپنی عید کے مقررہ دن میں جب وہ سب لوگ حسب عادت بستی سے باہر خوشیاں منانے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت خانہ میں جا کر سارے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹھکانے لگا دیا اور ان میں سے سب سے بڑے بت کے کندھوں پر کدال لٹکا دیا قوم نے واپس آ کر بتوں کا یہ حال دیکھا تو حضرت ابراہیم نے انتہائی حکیمانہ انداز سے بتوں کی بے بسی ان پر واضح کر دی غرض قوم ابراہیم کا وہ عید کا ہی دن تھا جس روز یہ واقعہ پیش آیا اور اس طرح وہی دن جو اس مشرک اور بت پرست قوم کے لئے کسی اعتبار سے ذہنیت کا مظہر اور مشرکانہ طور پر عید کی خوشیاں اور رنگ رلیاں منانے کا دن تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ میں تبلیغ توحید کا ایک اہم دن قرار پایا۔

بنی اسرائیل اپنی بداعمالیوں کی سزا میں قوم فرعون کے غلام بن کر ذلت و پستی کی زندگی گزار رہے تھے یہودی ایک مقررہ دن بستی سے باہر کسی میدان میں جمع ہو کر عید مناتے

کرتے تھے اور فرعون کی قوم قبطیوں کی طرف سے ان کو اس کی اجازت تھی۔ حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک مرتبہ پھر رحم فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اس قوم کو بدترین قسم کی غلامی سے نجات عطا فرمائی۔ یہودیوں نے اس یوم نجات کو بھی قومی اور اجتماعی طور پر خوشیاں منانے اور مسرتوں کے اظہار کے لئے مقرر کر لیا اور ہر سال اسی تاریخ کو وہ عید منانے لگے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت کو یوم عید قرار دیا اور تقریباً دو ہزار سال سے وہ اس دن میں اپنی مسرتوں اور خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں مجوسی اپنے پیشوا زرتشت کے یوم ولادت میں اظہار مسرت کے لئے کھیل تماشے کرتے تھے اسی طرح ایرانی قوم میں نوروز اور مہرجان وغیرہ بعض ایام ان کے ایام عید تھے برصغیر کی بسنے والی مشرک اور ہندو قوم کے یہاں بھی ہولی اور دیوالی سال کے دو دن خصوصیت سے تہوار اور عید کی حیثیت رکھتے ہیں اہل مکہ یوں تو پہلے سے بھی سال بھر کے متعدد ایام میں خوشیاں مناتے میلے لگاتے شراب خوری اور رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرتے تھے مگر بعثت اور اسلام کی آمد سے چالیس سال قبل یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے لشکر کشی کی اور عبرتناک حشر کی صورت نامراد ہو کر جلد ہی برباد ہوا۔ اہل مکہ نے اپنے اور بیت اللہ کے محفوظ رہنے کے اس دن کو خاص اہمیت دی اور اسی خوشی کی یادگار کے طور پر اس دن سے سن کا آغاز کیا اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی مدت اور تاریخ کا تعین اسی عام الفیل سے کیا جانے لگا۔

جذبات کے پیش نظر

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں میں سال کے دو دن ایسے مقرر تھے کہ ان میں یہ لوگ خوشیاں مناتے اور کھیلتے کودتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا یہ طریقہ دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں۔

انصار صحابہ نے عرض کیا کہ زمانہ جاہلیت میں ہم ان دو دنوں میں کھیل کود کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلے میں ان

سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں یوم اضحیٰ اور یوم فطر غرضیکہ ہزار ہا سال کی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت میں پورے سال کے ایام میں سے ایسے کچھ دن ضرور مقرر رہے ہیں جن کو کسی نہ کسی طرح کی اہمیت اور خصوصیت حاصل تھی اور جن میں اجتماعی طور پر خوشیوں اور مسرتوں کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے اور ان ایام میں پیش آنے والے واقعات کی یاد اس طرح تازہ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ اقوام کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا" **یا ابا بکر ان لکل قوم عید او ھذا عیدنا**"

اے ابوبکرؓ بلاشبہ ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ گویا مذہب اسلام نے آ کر انسان کے اس فطری جذبہ کو پامال نہیں کیا بلکہ نہایت لطیف انداز میں ان فطری جذبات کا رخ ایسی سمت کو موڑ دیا جس سے اس کے خوشی منانے اور مسرت کے اظہار کی خواہش کی تکمیل بھی ہو جائے ساتھ ہی ساتھ مسرتوں کے اظہار میں غیر مفید اور غیر سنجیدہ افعال و حرکات کے ارتکاب کی بجائے اس کو تخلیق انسانی کے مقصد کا شعور اور اس کی بیداری بھی نصیب ہو اور اس کے تحت لاشعور جذبات کے پیش نظر ان مسرتوں کی وابستگی بھی حق تعالیٰ کی عظیم نعمتوں سے رہے جن کی یاد ہر سال اس کے قلب و ذہن میں تازہ ہوتی رہے۔

اللہ کی حمد و ثنا

دین اسلام کی دو عیدوں اور دو تہواروں میں سے ایک کا لقب عید الفطر ہے اور دوسری کا نام عید الاضحیٰ۔ عید الاضحیٰ حق تعالیٰ کے حضور ایک عظیم انسان کی عظیم قربانی پیش کرنے کی یادگار اور عید الفطر ایک طرف انسان پر حق تعالیٰ کے عظیم ترین انعام نزول قرآن کی سالگرہ اور یادگار ہے اور دوسری طرف مسلسل ایک ماہ تک ایک دشوار اور پر مشقت عبادت ادا کرنے کی توفیق پر قلبی مسرتوں کا اظہار اور شکر گزاری ہے گویا عید الاضحیٰ میں انبیاء سابقین میں سے ابو الانبیاء اور حق تعالیٰ کے ایک جلیل القدر اولوالعزم پیغمبر سے اپنی وابستگی اور ان پر ایمان کا اعلان ہے اور اس وابستگی پر خوشیوں کا مظاہرہ ہے جو اسلام کی تعلیم کردہ عبادت اور تکبیرات کا مظاہرہ ہے جو اسلام کی تعلیم کردہ عبادت اور تکبیرات کی شکل میں کیا جاتا ہے اور عید الفطر میں حق تعالیٰ کے اس

خصوصی انعام کا شکریہ ادا کیا ہوتا ہے جو ابتدائے آفرینش سے لے کر دنیا کی تمام قوموں اور
امتوں میں سے صرف امت محمدیہ علی صاحبہا السلام پر کیا گیا ہے اور رمضان المبارک کی طویل
المدت عبادت صوم اور قیام لیل کے ادا کرنے کی توفیق پر منت پذیری اور جذبات تشکر کا اظہار
ہے اور یہ دونوں وہ خصوصی نعمتیں ہیں جن کا تعلق خود مذہب اسلام اور دین محمدی سے ہے۔
چنانچہ سال بھر کے شب و روز میں جہاں اور چند راتوں اور دنوں کو شعائر اسلام ہونے کی حیثیت
حاصل ہے ان کے ساتھ ہی ساتھ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن اور ان دونوں دنوں کی راتیں
ان شعائر اسلام سے ہیں جن کے اوقات اور ساعتوں کو حق تعالیٰ کی نظر میں عظمت اور مقبولیت
حاصل ہے اور جیسا کہ مذہب اسلام کا ایک خصوصی امتیاز ہے کہ اس قسم کے خاص اوقات اور
بابرکت شب و روز میں وہ عبادت کے ذریعہ حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی تلقین کیا کرتا ہے
اسی طرح اس نے عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دنوں اور ان کی راتوں کی برکتیں بتا کر ان میں
عبادت کی ترغیب دی ہے چنانچہ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:۔ جو شخص عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں میں عبادت کرے گا اس کا قلب اس
دن مرے گا نہیں جس دن سارے قلوب مر جائیں گے۔

ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سال بھر کی پانچ راتوں کی اہمیت اور
خصوصیت اس طرح بیان فرمائی ہے۔

ترجمہ:۔ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کی رات عرفہ یعنی نویں تاریخ کی رات یوم نحر یعنی
عید الاضحیٰ کی رات عید الفطر کی رات اور نصف شعبان کی رات یعنی شب برات۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں عیدوں کے دنوں میں مستقل طور پر دو رکعتیں ادا کرنا واجب
قرار دیا گیا اور ان دوسری نمازوں سے زائد کچھ تکبیریں مقرر کی گئیں اور خارج از نماز بھی اللہ کی
وحدانیت اس کی حمد و ثنا اور کبریائی بیان کرنے کی خاص طریقے سے ترغیب دی گئی ہے۔

انعام کی رات

حافظ عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف "الترغیب والترہیب" میں ماہ

رمضان المبارک کے شب و روز شب عید اور روز عید سے متعلق ابن حبان اور بیہقی کے حوالے سے ایک طویل حدیث حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے جس کے آخری حصے کا مفہوم یہ ہے کہ۔

"جب عید الفطر کی رات آتی ہے تو اس کا نام لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) رکھا جاتا ہے پھر جب عید کی صبح ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ تمام شہروں میں فرشتوں کو بھیجتے ہیں فرشتے زمین پر اتر کر راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور امت محمدیہ کو پکار پکار کر بلاتے ہیں ان کی آواز انسانوں اور جنوں کے علاوہ ہر مخلوق سنتی ہے فرشتے کہتے ہیں اے امت محمد! رب کریم کی جانب نکلو وہ تم کو بڑا اجر دے گا اور بڑے سے بڑے قصور معاف فرمائے گا جب لوگ عیدگاہ میں آ جاتے ہیں تو حق تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ایک اجیر جب اپنا کام کر چکے تو اس کا بدلہ کیا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں اے ہمارے مالک و معبود! اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کو پورا پورا اجر آپ اس کو عطا فرما دیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے ماہ رمضان میں ان کے صیام و قیام کا اجر و ثواب اپنی رضا و مغفرت کو قرار دے دیا ...... اور جب لوگ نماز عید سے فارغ ہو کر واپس ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب واپس چلے جاؤ تمہاری بخشش کر دی گئی تم نے مجھ کو راضی کیا میں تم سے خوش ہو گیا۔ فرشتے اس وقت بہت خوش ہوتے ہیں جب ماہ رمضان سے افطار کے وقت یعنی عید کے دن اس امت کو حق تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔"

شریعت اسلامیہ نے فرزندان توحید کے لئے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی مسرتوں اور شادمانیوں کے اظہار کا پسندیدہ طریقہ یہ قرار دیا ہے کہ عید کے روز مسواک وضو اور غسل کر کے صاف ستھرا اور اچھا لباس جو میسر ہو وہ پہنا جائے ممکن ہو تو خوشبو لگائیں تاکہ اس طرح حق تعالیٰ کے انعامات کا اظہار اور شکریہ بھی ادا ہو اور ایک سے دوسرے کو کوئی تکلیف نہ ہو اسی طرح شان و شوکت کے مظاہرہ کے لئے سنت یہ ہے کہ دوگانہ عید ادا کرنے کو ایک راستے سے جائیں اور دوسرے راستے سے واپس ہوں۔

عید الاضحیٰ اور عشق الٰہی

اس مقدس سلسلہ رسالت و نبوت کے سب سے پہلے فرد و جود جسمانی کے اعتبار سے

حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور سب سے آخری فرد اکمل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ درمیانی افراد میں سے ایک اہم ترین شخصیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی ہے آپ سے پہلے نبوت ورسالت انفرادی طور پر عطا کی جاتی تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ فضل وشرف خاندانی طرز پر عطا فرمایا گیا چنانچہ نبوت و رسالت پھر آپ ہی کے خاندان اور آپ ہی کی ذریت میں رہی اور گویا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نبوت مابعد کے منبع اور مجمع البحرین بن گئے آپ کے صاحبزادگان میں اگر ایک بیٹے حضرت اسحٰق علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کی اولاد اور نسل میں انبیاء و رسل کی کثرت تعداد کا شرف حاصل ہوا تو دوسرے صاحبزادے یعنی آپ کے جلیل القدر فرزند اکبر حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ فضل عطا کیا گیا کہ ان کی اولاد میں خاتم الانبیاء والرسل کو پیدا کیا گیا جو تمام انبیاء سابقین اور جملہ رسولوں کے کمالات علمی و عملی کے جامع تھے۔

عیدالاضحٰی پر قربانی کی رسم عبادت کا تعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے ایک نادرہ روزگار واقعہ سے ہے یوں تو سلسلہ عبادت میں جانی اور مالی قربانی دینے کی رسم عبادت دور آدم علیہ السلام ہی سے چلی آئی ہے اور آغاز نبوت سے ہی انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اس کے بتائے ہوئے طریقوں سے مال کی قربانی بھی دیا کرے اور جب جان کی قربانی کا موقع پیش آئے تو جان جیسی عزیز شئی بھی قربان کردے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر سورہ مائدہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے دو بیٹوں نے مالی قربانی پیش کی ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور جس کا جذبہ خراب تھا اس کی قبول نہ ہوئی یہ ابن آدم قابیل تھا جس کی قربانی قبول نہ ہوئی تھی اس نے حسد اور جلن میں آ کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا جس کی قربانی کو نیک نیتی اور خلوص کی وجہ سے شرف قبولیت حاصل ہو گیا تھا ہابیل نے حکم خداوندی پر ثابت قدم رہ کر جان دے دی اور اپنے بھائی پر حق تعالیٰ کے خوف وخشیت کی وجہ سے دست درازی تک کو روا نہ رکھا۔

''اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف دست درازی کرے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تیری طرف دست درازی کرنے والا نہیں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ (سورہ مائدہ)

یہ روئے زمین پر سب سے پہلا قتل تھا اور اطاعت خداوندی میں جان کی بھی سب سے پہلی قربانی تھی گویا نسل انسان میں سب سے پہلے شہید ہابیل ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان کی قربانی تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیرانہ سالی میں عطا شدہ اکلوتے بیٹے کو جس طرح ایمائے خداوندی پر قربانی کے گھاٹ چڑھا دیا اس میں اور ہابیل کی جانی قربانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی جذبہ ایثار کا تاریخی شاہکار اور شان عبدیت کا ایک اچھوتا کارنامہ ہے کیونکہ اولاد انسان ہی کو نہیں بلکہ جانوروں جیسی بے عقل و شعور مخلوق کو بھی اپنی جان زیادہ عزیز ہوتی ہے اور اولاد کی جان بچانے کے لئے ماں باپ اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو تھوڑا سا تاریخی پس منظر پر ڈال کر دیکھئے تو اس کی عظمت و انفرادیت کی جھلک نظر آئے گی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازدواجی زندگی پر ایک صدی کے قریب طویل عرصہ گزر جاتا ہے اور ان کی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوتی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کی صدی اسی بے اولادی میں پوری ہو رہی ہے تب آپ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں۔ ''اے میرے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا''

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ ان کی دعا سن لیتے ہیں اور فرماتے ہیں'' پھر خوش خبری دی ہم نے ان کو ایک تحمل والے لڑکے کی'' (سورہ صافات) چنانچہ سو سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ مطہرہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے مابین حق تعالیٰ کی بعض تکوینی حکمتوں کے پیش نظر ان بن ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم

خداوندی ملک شام سے ملک حجاز کی "وادی غیر ذی زرع" بے آب و گیاہ لق ودق میدان میں اپنی اہلیہ اور شیر خوار فرزند کو لاتے ہیں اور محض اللہ کے بھروسہ پر تھوڑا سا توشہ حوالہ کر کے حضرت ہاجرہ اور کم سن دودھ پیتے لخت جگر کو اللہ کے بیت الحرم کے پاس چھوڑ جاتے ہیں حق تعالیٰ نے دعائے خلیل کے اس ثمرہ اور اپنی بشارت "تحمل والے لڑکے" کی برکت سے وہیں سامان زیست مہیا کر دیا اور خلیل اللہ کے جگر گوشہ کی شدت پیاس سے بیتابانہ ایڑیوں کی رگڑ سے پانی کا ایک ایسا چشمہ سطح زمین پر پیدا کر دیا جو غذائیت اور مائیت دونوں کا کام دے حضرت ابراہیم گاہ بگاہ آتے اور اپنے نور نظر کو دیکھ جاتے۔

حق تعالیٰ کے بشارتی لقب کا یہ "غلام حلیم" (تحمل والا بردبار لڑکا) شدہ شدہ جب اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت توحید اور تبلیغ احکام خداوندی کی توقعات پوری کر سکے تو ۸ ذی الحجہ کو خواب میں یہ ایمائے خداوندی ہوا دیکھا کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں انبیاء کرام کے خواب محض خیالات نہیں بلکہ مبنی برحقیقت ہوتے ہیں پہلے روز تعبیر کی نوعیت ذہن میں نہ آئی اگلی شب پھر یہی خواب دیکھا تو بھی ذہن کو تردد رہا کہ اس کی تعبیر من وعن یونہی ہے یا اس کا کچھ اور مطلب ہے تو یں تاریخ ذی الحجہ کو پھر بعینہ وہی خواب نظر آتا ہے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ امیدوں کے اس اکلوتے سہارے کی قربانی رب ابراہیم کو مطلوب ہے سوچا کہ بیٹے سے ذکر کر کے دیکھوں کہ اس کی کیا رائے ہے خوشی سے اپنی جان کی قربانی کے لئے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی یہ کام کرنا پڑے گا۔ بیٹے سے فرماتے ہیں۔

"اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں پس دیکھو تو تم کیا رائے دیتے ہو"۔

تحمل والے بیٹے نے فوراً جواب دیا کہ اے باپ کر ڈالئے جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے مجھے آپ انشاء اللہ سہار کرنے والا پائیں گے۔ (سورہ صافات)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جگر پارہ کو قربان گاہ پر ساتھ لے گئے باپ بیٹا

خوشی خوشی ایک روایت کے مطابق کہ "مروہ" پر گئے بیٹے نے باپ کو مشورہ دیا کہ مجھے لٹا کر ذبح کریئے گا مبادا میرا چہرہ دیکھ کر محبت پدری جوش میں آ جائے۔

معتبر روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ جلد یہ کام انجام دیدیں ایسا نہ ہو کہ ذبح کی تکلیف سے طبعی طور پر مضطرب ہو کر تڑپنے لگیں اور تعمیل حکم خداوندی میں تاخیر ہو یہ منظر دیکھ کر زمین و آسمان اور ان کے بسنے والوں پر کیا گزری وہ کیفیت ناقابل بیان ہے۔ (قرآن کریم نے اس کا کوئی نقشہ نہیں کھینچا اور غالباً اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر خود سوچ لے کہ اس جذبہ قربانی کا ارادہ بھی کرے گا تو دل پاش پاش ہو جائے گا اور جو لوگ اس منظر کو دیکھ لیں گے ان کی بے اختیار چیخیں نکل جائیں گی۔

قربانی سے جذبہ اطاعت و بندگی کا اظہار ہوتا ہے

قربانی ایک ایسی عبادت ہے جس کا تصور نوع انسانی کے آغاز سے ہی پایا جاتا ہے۔ خواہ مالی قربانی ہو یا جانی اس عبادت کا بنیادی تصور اپنے معبود کی رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ جتنی قومیں مذہب پر یقین رکھتی ہیں خواہ وہ کسی صحیح مذہب کو مانتی ہوں یا کسی باطل مذہب پر ہوں ایسی تمام قوموں میں مالی قربانی پیش کرنے کا تصور آج بھی پایا جاتا ہے اور جہاں تک جانی قربانی دینے کا تعلق ہے وہ تو ہر وہ شخص اور ہر وہ قوم جو کسی بھی نظریہ پر یقین رکھتی ہو اس نظریہ کے لئے قربانی دیتے ہے لیکن بطور عبادت ان دونوں قوموں کی قربانیوں کا وجود صرف مذہب آشنا قوموں میں ہے قرآن کریم کے بیان کے مطابق دونوں قسم کی عبادت قربانی کا وجود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا واقعہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے باری تعالیٰ نے فرمایا۔

واتل علیهم ...... اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنایئے جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی

قبول کرلی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔

یہ واقعہ حضرت آدم کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کا ہے۔ آٹھویں ذی الحجہ کی شب میں خواب دیکھا کہ میں اپنے اس بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ اگلے دن اسی غور و فکر میں رہے کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے۔ نویں شب میں پھر یہی خواب دیکھا تو یقین ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ بیٹے کو ذبح کر کے قربان کر دوں۔ نو ذی الحجہ کو اس کی تدبیر سوچتے رہے حتیٰ کہ دسویں شب کو پھر یہی خواب دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشورے کے طور پر اپنے خواب کا حضرت اسمٰعیل سے تذکرہ کیا حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رضا و رغبت کے ساتھ اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کو جو کچھ حکم ہوا ہے اس کو بجا لایئے مجھے انشاء اللہ آپ ثابت قدم پائیں گے۔

جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں اس حکم خداوندی کی بجا آوری کے لئے بخوشی تیار ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا لیا اور گلے پر چھری چلائی حق تعالیٰ نے چھری کی تاثیر کو روک دیا اور فوراً ندا آئی کہ۔

"اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا حق تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل کے بدلہ ذبح کرنے کیلئے غیب سے ایک دنبہ عطا فرمایا کہ بیٹے کے بدلے میں اس کو ذبح کر دو یہ تمہارا صرف امتحان تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس قربانی کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے طور پر قرآن کریم میں تفصیل سے اس واقعہ کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلیم و رضا اور وفاداری و جاں نثاری کی یہی وہ صفت ہے جس کی یادگار اور اسی طرح ذی الحجہ کے مخصوص ایام سے متعلق عبادات کی رسمیں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں تاقیام رہیں اور قربانی کی اس عبادت کو اس کی اصل شکل میں باقی رکھا بنی اسمٰعیل کے قرون وسطیٰ اور دور جاہلیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک اپنی امت کے لئے بھی واجب العمل قرار دیا اور خود بھی مدینہ طیبہ میں دس سالہ قیام کے دوران آپ نے ہر سال قربانی کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

میں دس سال قیام کیا ہے آپ قربانی کیا کرتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ قربانی کا تعلق ایک ضمنی عمل کے طور پر صرف عبادت حج سے ہی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک عبادت کی ہے نیز یہ کہ اس عبادت کا مقصد محض صدقہ کرنا اور مال خرچ کر دینا ہی نہیں ہے بلکہ قربانی کی عبادت جانوروں کی قربانی کی شکل میں مطلوب ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یوم نحر میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل جانوروں کی قربانی کرنا ہے پس جس طرح مختلف مالی و بدنی عبادتوں کی شکل و صورت ہر ایک کے مناسب الگ الگ ہے اسی طرح قربانی اور اضحیہ کی غرض و غایت اور اس کی روح بھی جداگانہ ہے جو قربانی کی صورت میں ہی موجود ہو سکتی ہے پھر ہر عبادت کا ایک خصوصی اثر ہوتا ہے جو اس عبادت کو ادا کرنے سے ہی انسان کے قلب و روح میں پیدا ہوتا ہے اسی طرح قربانی کی عبادت کا بھی ایک خاص اثر ہے جو قربانی ادا کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے پھر تمام عبادتوں کی ادائیگی کے لئے آمادہ کرنے والا اگرچہ مشترک طور پر جذبہ اطاعت و بندگی ہے لیکن ان احساسات کی نوعیتیں مختلف ہیں اس لئے ان مختلف جذبات کا ظہور بھی عبادتوں کی جداگانہ صورتوں ہی میں ہو سکتا ہے۔

عبادات نماز میں انسان اپنے راحت و آرام وقت اور تکبر و خود بینی کو چھوڑ کر خدا کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے اور اپنے اعضائے جسم میں سب سے زیادہ باعزت چیز سر کو زمین پر رکھ دیتا ہے روزہ رکھ کر اپنی طبعی خواہشات و ضروریات کو اللہ کے احکام کی بجاآوری اور اس کی رضا جوئی کے لئے قربان کر دیتا ہے زکوٰۃ وغیرہ دے کر مال جیسی محبوب اور پسندیدہ چیز کو اطاعت گذاری کے جذبہ میں اپنے ملک سے نکال دیتا ہے۔ عبادت حج میں اپنے راحت و سکون اور آرائش و زیبائش کے جذبہ کو بھینٹ چڑھاتا ہے اسی طرح قربانی کی عبادت میں انسان اپنی جان کے عوض ایک جاندار کو قربان کر کے جانی قربانی پیش کرتا ہے جس طرح اسی مخصوص جذبہ اور احساس قلبی کا اظہار زکوٰۃ عمل سے نہیں ہو سکتا جو عبادت صلوٰۃ سے وابستہ ہے اور ادائیگی زکوٰۃ کے خصوصی جذبہ کا مظہر نماز نہیں بن سکتی ٹھیک اسی طرح جانی و مالی قربانی کے مجموعی اور

مخصوص قلبی جذبات و احساسات کا مظہر تنہا مالی صدقہ نہیں ہو سکتا اور نہ قلب پر وہ مجموعی اثر صرف مالی صدقہ کرنے سے مرتب ہو سکتا ہے جس کا تعلق اس مرکب عبادت سے ہے۔

بہر حال اسلام کی ان تمام بنیادی اور اہم ترین عبادات کی حقیقت نہ تو صرف ان کی شکل وصورت ہے اور نہ فقط پنہاں احساسات اور قلبی جذبہ اگر کوئی شخص ان اعمال کی صرف صورت بنالے اور ان کے ساتھ روح ایمانی اور جذبہ اطاعت و بندگی نہ ہو تو یہ سارے عمل بے روح ڈھانچہ اور منافقت ہیں اسی طرح اگر دل میں یہ جذبہ تو ہو مگر اس جذبہ کے اظہار کے لئے جو شکلیں تجویز کی گئی ہیں وہ نہ ہوں تو مقرر کردہ جسمانی اعمال کے بغیر تنہا جذبہ اطاعت و بندگی بے وزن بلکہ آئینی حیثیت سے غیر معتبر ہے مثلاً نماز نہ پڑھنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں خدا کے حضور عاجزی و بندگی کرنے کا جذبہ نہیں ہے روزہ نہ رکھنا اس کی نشانی ہے کہ یہ شخص خدائے تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لئے اپنی خواہشات کو کچھ دیر کے لئے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

زکوٰۃ اگر کوئی شخص نہیں دیتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اللہ کی رضا اور خوشنودی سے زیادہ عزیز اپنا مال ہے اور قدرت و استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام خداوندی کو اس کی نظر میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے پھر ان سب عبادات کو صحیح جذبہ کے ساتھ ادا کرنے سے جیسے عالم آخرت کے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں اسی طرح دنیوی اعتبار سے بھی ان کے شخصی اجتماعی نوعیت کے بہت سے فوائد ہیں اور ان تمام عبادتوں کا اور حق تعالیٰ کے احکام کی پیروی کا اصل مقصد اور بنیادی غرض وغایت خدا کے حضور اپنی محکومیت و بندگی کا اظہار کرکے اخروی ثمرات و نتائج کو حاصل کرنا ہے لیکن ان کو ادا کرنے سے قدرتی طور پر دنیوی فوائد و اثرات بھی ضرور مرتب ہوتے ہیں لہٰذا قربانی کی قدیم ترین عبادت میں سنت ابراہیمی کا احیا بھی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اقامت اور آپ کے حکم کی بجا آوری بھی۔

حضرت زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ ان قربانیوں کی اصل کیا ہے آپ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے صحابہ نے

دریافت کیا ہمارے لئے اس میں کیا اجر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بال کے مقابلہ میں ایک نیکی عرض کیا اور اون، آپ نے فرمایا اون کے ہر رویں کے مقابلہ میں بھی ایک نیکی۔

غرضیکہ قربانی کی عبادت اپنی اصل نوعیت کے لحاظ سے جان کی قربانی ہے اور ظاہری شکل کے اعتبار سے مال کی قربانی ہے جو خدائے ذوالجلال کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی رضا جوئی کے لئے ادا کی جاتی ہے پس عیدالاضحیٰ کی مخصوص عبادت قربانی سے ایک طرف مسلمان کے جذبہ اطاعت وبندگی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس عمل سے انسان کو حقیقی اور اہم اسلامی مقاصد کے لئے اپنی متاع محبوب مال اور جان عزیز کی قربانی دینے کا سبق حاصل ہوتا ہے۔

مشکلات کا حل خلوص اور اسلامی اخوت

دین اسلام نے اجتماعی زندگی کو امن واخوت کے ساتھ بسر کرنے کے لئے دنیا میں پہلی بار یہ معاشرتی نظام پیش کیا کہ امت کو معاملات کی انجام دہی میں مکمل طور پر شریک کیا جائے تا کہ ان میں باہمی قربت یگانگت اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو اور اس یقین سے سرشار مطمئن اور متحد رہیں کہ باہمی مشاورت کے نتیجہ میں جو اچھے یا برے واقعات ظہور پذیر ہوئے اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں اور ان شاء اللہ مل جل کر ایک نہ ایک دن ترقی وخوشحالی کی منزل حاصل ہو جائے گی۔ جب رب جلیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی " ان سے معاملات میں مشاورت کیجئے" کی ہدایت فرمائی تو سوال یہ ہے کہ بھلا خالق کائنات کی زبان یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے مشورہ کی کیا ضرورت تھی؟ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ اہل ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو کامل اور واحد نمونہ سمجھتے ہوئے پیروی کریں۔ سورہ شوریٰ میں مزید ارشاد ہوا " اہل ایمان اپنے معاملات باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں" یہ نہیں کہا گیا کہ کچھ لوگ خود امت سے مشورہ کر لیں اور پھر اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں بلکہ فرمان یہ صادر ہوا کہ باہمی مشاورت کے مطابق تمام امور انجام دیئے جائیں تا کہ امت احساس محرومی کا شکار ہو کر افتراق وانتشار میں مبتلا نہ ہو مسند احمد میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے منقول ہے کہ" جس شخص نے مسلمانوں کی رائے کے بغیر کسی امیر کی بیعت کی اس کی بیعت ہرگز جائز نہیں حضرت علیؓ سے بھی ایک سوال کے جواب میں منقول ہے کہ میری بیعت

مسلمانوں کی مرضی سے ہونی چاہیئے تو پھر اس کو شورائی یا جمہوری نظام نہیں کہا جائے گا۔ اب حق
عوام کی رائے وہی جو رب جلیل کا فرمان ہے۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اسلام کے شورائی یا جمہوری نظام میں تکرار تشدد و تضاد نظر آتا ہے تو یہ
ایسی ہی بات ہوگی کہ غیر مسلم دنیا ہم مسلمانوں کے اعمال دیکھ کر کہے کہ اگر یہی تمہارا اسلام ہے
جہاں جھوٹ، منافقت، فریب اور مسلمان مسلمان کو قتل کرتا ہے تو یہ تمہارا اسلام (نعوذ باللہ)
ہرگز اچھا نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہ بدکرداروں کے کارنامے ہیں جو نظام میں خرابیاں پیدا
کرتے ہیں سورہ آل عمران کی ایک آیت کریمہ میں رب جلیل نے دو اوصاف کا ذکر یوں بیان فرمایا
کہ وہ کون سا سرچشمہ تھا کیا نظام رحمت تھا جس کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کرکے
وحشیوں کو مسلمان کیا ان کو اتحاد و اخوت کی لڑی سے منسلک کر دیا اور امن و خوشحالی اور عروج سے
ہمکنار کیا۔ ارشاد ہوا "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ
وسلم سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے" گویا محسن انسانیت صلی اللہ
علیہ وسلم کی نرم مزاجی تھی جس کے سبب لوگوں کی بڑی تعداد آپ پر ایمان لائی اور اتحاد و اخوت
کے رشتہ میں منسلک ہوگئی اور اسی کا فیضان ہے کہ آج کرہ ارض پر شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ایک ارب سے زیادہ پروانے اور یورپ سے جنوب میں انڈونیشیا سے مراکش تک مسلمانوں
ہی مسلمانوں کی بستیاں نظر آرہی ہیں۔ رب جلیل نے غیر مبہم الفاظ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر ان کے
محبوب بھی سخت مزاجی سے کام لیتے تو وہ تتر بتر ہو جاتے اور آج جو فیضان جاری ہے اس کا
وجود بھی نہ ہوتا۔ اس فیضان رحمت سے شریعت رحمتی کا نقاب ماحول بنا دیا تھا۔

آئیے جائزہ لیں کہ کیا ہم لوگ نرم مزاج ہیں؟ ظاہر ہے نہیں ہیں تو کیا ہم اپنی سخت
مزاجی کے سبب ایک دوسرے سے ذاتی و قبائلی طور پر بیزار و دور نہیں ہو گئے ہیں اور گھر ہو یا
محلہ، شہر ہو یا صوبہ کا دربار ہو یا پھر ملک ہر جگہ افتراق و انتشار کا شکار ہیں۔

اس مرحلہ پر ہدایت سے معلوم ہوا کہ باہمی مسائل کے حل کے لئے کوشش کی جائے تو قوانین کا
احترام ضروری ہے۔ سورہ مائدہ میں دشمن قوم تک سے قانون کے احترام پر حکم صادر ہوا ہے ارشاد
ہوا "تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس میں مبتلا نہ کر دے کہ تم ان کے ساتھ نا انصافی کرنے لگو" دوسری

جانب ممکن ہے بعض اوقات قانون کی نظریں جرم و ظلم تک نہ پہنچیں مگر اسلام کا فرمان اور تجربات کا نچوڑ ہے کہ اس صورت میں بھی قانون کو ہاتھ میں نہ لیا جائے کیونکہ صدیوں کی تاریخ شاہد ہے قانون کو ہاتھ میں لینے کے سبب چند افراد کے بجائے پورا معاشرہ نفرت اشتعال انتقام اور خونریزی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ سورہ حم السجدہ میں مزید فرمایا بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوا کرتی برائی کا جواب بھلائی سے دو تو جس شخص میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا قلبی دوست ہو جائے گا۔

نرم مزاجی کی اسلامی صفت کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے کہ محض میٹھے بول بلکہ دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہا جائے۔ یہی اسلام کا بے مثال سوشل سیکورٹی پروگرام ہے اس کی زریں مثال مدنی دور میں انصار نے پیش کی تھی۔ انہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا اور اخوت کے جذبہ کے تحت اپنے اثاثوں کا نصف حصہ ان کے سپرد کر دیا اگر اہل مدینہ بخل سے کام لیتے تو مہاجرین میں اپنی ناداری کی بنا پر دشمن کی یلغار روکنے کی سکت نہ ہوتی۔ اخوت کی اعلیٰ مثال پیش کر کے انصار کو فوری طور پر کچھ عرصہ اپنی املاک میں کمی اور مشکلات کا سامنا ہوا ہو گا مگر بہت جلد ان کے عمل سے معاشرہ دکھ سکھ میں برابر کا شریک ہو گیا۔ اس کے سبب ایک متحد اور طاقتور ریاست واحد دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ مسلمان دنیا پر چھا گئے علاوہ ازیں یہ باہمی کفالت کا عمل ان کے لئے امن و بھائی چارہ کا موثر ترین اور پائیدار محافظ ثابت ہوا مشکل یہ ہے کہ ہمارے ارباب ثروت پیٹ کا جہنم ہی نہیں پاٹتے خود بھی ٹینشن میں رہتے ہیں اور ملک و قوم کو بھی بحران میں مبتلا کر رکھا ہے۔

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے شورائی نظام اپناتے وقت مذکورہ آیت مبارکہ میں بیان کردہ نرم مزاجی، عفو و درگذر، افہام و تفہیم، قانون کا احترام اور دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہنے کے رویوں کو ملحوظ خاطر رکھا تو نہ صرف ان کا دور عدل و امن ترقی و خوشحالی اور اتحاد و اخوت سے ہم کنار ہوا بلکہ دنیا میں واحد سپر پاور کی حیثیت اختیار کر لی۔ علامہ اقبال نے درست فرمایا۔

یہی فطرت ہے یہی رمز مسلمانی — اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

قرآن کریم کی تعلیمات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

قرآن کریم کی تعلیمات

جامعہ خیر المدارس ملتان میں اہم تقریر

جامعہ خیر المدارس ملتان کا شمار پاکستان کے مرکزی دینی مدارس میں ہوتا ہے اس کے بانی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری تھے جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے بڑے گہرے تعلقات تھے اور یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کا بے حد احترام و اکرام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی مرحوم جامعہ خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کے صدر نشین تھے۔ مولانا مرحوم جامعہ کے سالانہ جلسوں میں تشریف لاتے تھے اور بڑی شان و شوکت سے جامعہ کے اسٹیج پر مولانا کا علمی خطاب ہوتا تھا۔ آپ نے خیر المدارس میں بیسیوں بار تقاریر فرمائی تھیں جن سے عوام الناس کو بے حد فائدہ پہنچا تھا۔ جامعہ خیر المدارس میں ہونے والی ایک اہم علمی تقریر کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد مولانا تھانوی مرحوم نے قرآن کریم کی تعلیمات کے موضوع پر ایک ایمان افروز تقریر میں معزز حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔"

"میں مدرسہ عربیہ خیر المدارس کے نام سے اس وقت سے آشنا ہوں جب میں جامعہ قاسمیہ دارالعلوم دیوبند میں ایک ابتدائی طالب علم تھا، دیوبند سے فراغت کے بعد ایک مرتبہ جالندھر میں بھی مدرسہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، اور اب تو تقریباً مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں ہر سال ہی حاضری کا موقع حق تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کی زیارت بھی نصیب ہوتی رہتی ہے۔ اس مدرسہ کے ابتدائی حالات سے ہی اندازہ تھا کہ کسی روز یہ درسگاہ علم دین کا مرکز اور ایک دینی یونیورسٹی بن جائے گی چنانچہ کامل ۱۸ سال تک یہ مدرسہ جالندھر شہر میں علم دین کی بے مثال خدمات انجام دیتا رہا اور اس قلیل مدت

میں بہت سے فضلاء، خطیب، مفتی، مدرسین اور قراء پیدا کئے اور درسگاہ نے ایک امتیازی مقام پیدا کر لیا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد اس درسگاہ کو بھی نقل مکانی کرنا پڑی بلکہ مدرسے کے تمام اثاثہ کے لٹ جانے کی وجہ سے تقسیم ملک کے بعد از سر نو تعمیر کو شروع کرنا پڑا اور ملتان میں اس درسگاہ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ اس وقت بجز حضرت خیر محمد صاحب کی ہمت و حوصلے کے اور کوئی سرمایہ موجود نہ تھا۔ بکچھ روز کے بعد اس درسگاہ نے پھر ایک عربی مدرسے کی حیثیت اختیار کر لی اور چار پانچ سال کے عرصے میں علم حدیث کی ایک امتیازی اور مرکزی درسگاہ بن گئی جس میں پنجاب کے علاوہ صوبہ سرحد، بلوچستان اور بنگال و برما کے طلباء کثیر تعداد میں آنے لگے اور علم دین کے اس نایاب چشمہ سے سیراب ہو کر اطراف ملک میں پھیل گئے۔ حضرت مولانا مہتمم صاحب مدظلہم نے بدلتے ہوئے حالات کا صحیح جائزہ لے کر نہ صرف یہ کہ خیر المدارس کے اندر افتاء، تبلیغ وغیرہ کے شعبے بڑھا دیئے ہیں بلکہ شہر کے چھوٹے بچوں کیلئے ایک پرائمری مدرسہ بھی قائم فرمایا ہے۔ الحمدللہ یہ عربی مدرسہ علوم دینیہ کی صرف ایک مرکزی درسگاہ نہیں ہے بلکہ پاکستان میں ایک دینی و مذہبی علوم کی بڑی یونیورسٹی ہے۔ جس کے تحت ابتدائی تعلیم سے لے کر درجہ تکمیل تک کے تمام علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں اور بہت سی درسگاہیں اس کی نگرانی میں مصروف کار ہیں۔ اس غیر معمولی ترقی کے باوجود خیر المدارس کے ابھی بہت سے عزائم تشنہ تکمیل ہیں اور جو کثیر رقم و امداد کے بغیر پورے نہیں کئے جا سکتے اس لئے میں تمام مسلمانوں سے خصوصاً احباب و متعلقین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مدرسہ کی سرپرستی فرمائیں مدرسہ کی ترقی کیلئے جدوجہد تیز کریں کیونکہ موجودہ دور میں اسلام کی اشاعت و ترویج کیلئے ان دینی مدارس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جب انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ جمانے کے بعد مسلمانوں کی تہذیب اور ثقافت کو مٹانے کیلئے بہت سے ہتھکنڈے اور حربے استعمال کئے۔ مسلمان علماء کو انہیں سوز مظالم کا نشانہ بنایا ان پر طرح طرح کے ظلم و ستم روا رکھے گئے مگر علماء کرام نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کیلئے بڑی قربانی دی اور ان کے اقتدار کے تحفظ کو نصب العین بنایا اور جب انگریز نے دیکھا کہ علماء کرام سامراجی سلطنت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ

بن گئے ہیں تو انگریزوں نے علماء اور مدارس اسلامیہ کے خلاف کاروائی شروع کردی لیکن عام مسلمانوں نے عربی مدارس کا ساتھ دیا اور ہر طرح کی قربانی دے کر ان مدارس کو چلانے میں علماء کی مدد کی اور آج اسلام کی جو رونق نظر آرہی ہے وہ ان مدارس کی بدولت ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان مدارس کو مستحکم بنیادوں پر قائم رکھا جائے اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنے میں دلچسپی لیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل کریں کیونکہ اس کے بغیر دنیا اور دین کی فلاح ممکن نہیں ہے۔ اور ہمیں اللہ پاک کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اللہ نے ہمیں وہ کتاب دی جس میں تمام مضامین کو بیان کردیا گیا ہے اور وہ مضامین بھی ایسے ہیں جنہیں دنیا کے سارے فلسفی بھی مل کر جھٹلا نہیں سکتے۔ قوانین کو لیا جائے تو تمام بنیادی قوانین قرآن حکیم میں موجود ہیں، اخلاق مسائل کو لیا جائے تو تعلیم اخلاق کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن کریم ہے اور اس قرآنی اخلاق کی حامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت ہے۔ آج جو لوگ اخلاق کی تعلیم دینے کے دعویدار ہیں وہ خود اخلاق کے معنی سے بھی واقف نہیں ہیں۔ فلسفہ یورپ میں صرف باتیں ہی باتیں ہیں عملاً کچھ بھی نہیں ہیں۔

اس کے برعکس قرآن کو ماننے اور پڑھنے والے اخلاق قدروں کے سچے علمبردار ہیں۔ گفتگو کے آداب، کلام کی باریکیاں، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، انسانیت کی عزت و احترام، نفس انسان کی عظمت و مرتبت، کون سی بات ہے جو قرآن حکیم نے نہ سکھائی ہو۔ صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین تو خیر قرآنی اخلاق کے زندہ نمونے تھے ہی۔ آج سے سو سال پہلے تک مسلمانوں میں قرآنی اخلاق کا اتنا گہرا اثر تھا کہ بڑے بڑے رؤسا اپنے بچوں کو شریف اور دیندار خاندانوں میں تربیت کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ نئی دہلی میں ایک بہت بڑے افسر تھے نہایت بلند اخلاق، منکسر المزاج تہجد گزار، بڑے مہذب، بڑے شائستہ اور بڑی نرم طبیعت کے مالک تھے، انہیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اتنے بڑے افسر اور اس درجہ خاکساری لیکن ایک مرتبہ انہوں نے خود ہی بتایا کہ بچپن میں ان کے والدین نے انہیں حکیم اجمل خان مرحوم کے مکان پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ ان سے اخلاق کی عملی تربیت حاصل کریں۔ چنانچہ ان میں حکیم صاحب کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔ گویا قرآن بہترین

معلم اخلاق ہے آداب مجلس ہی کو لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:"

"اے ایمان والو! اگر تمہاری مجلس میں کوئی آئے تو اس کے لئے جگہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں جگہ کر دے گا" یہ اس لئے ارشاد ہوا کہ ہمیں کسی کو حقیر سمجھ کر مجلس میں نہ بٹھانے کی جرات نہ ہو۔ اسی طرح انسان اور انسانیت کا احترام قرآن حکیم میں اس حد تک سکھایا گیا ہے کہ اگر مجلس میں تین آدمی بیٹھے ہوں تو ان میں سے دو آدمیوں کو آپس میں سرگوشی بھی نہیں کرنی چاہئے تاکہ تیسرے کو یہ گمان نہ گزرے کہ شاید اس کے خلاف کوئی بات کی جا رہی ہے گویا قرآن اور اسلام کو کسی کی اتنی بھی دل شکنی گوارہ نہیں ہے۔

قرآنی اخلاق سے آراستہ ہو کر ہی عرب کے شتربان تھوڑی ہی مدت میں دنیا کے سب سے بڑے حکمران بن گئے۔ دنیا کی کوئی کتاب اور کوئی تعلیم اتنی قلیل مدت میں اتنا بڑا اخلاقی انقلاب برپا نہیں کر سکی۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو بھی زندہ کر دیا

۲۳ سال کی مدت قوموں کی زندگی میں ایک دقیقہ کا بھی درجہ نہیں رکھتی۔ بیروت کے ایک عیسائی عالم نے اسی ہمہ گیر انقلاب کی بدولت قرآن کریم کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کا آسمانی کتاب ہونا برحق ہے اس لئے کہ انسان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب بھی اتنا ہمہ گیر اور دیرپا انقلاب ہرگز ہرگز برپا نہیں کر سکتی، جذبات کو ابھارنے کی جتنی قوت قرآن کریم میں ہے اس کا کوئی تحریر مقابلہ ہی کیا کرے گی۔ ایک بار جس نے قرآن کریم کے معنوں پر غور کر لیا اس کی دنیا ہی بدل گئی۔ ایک وقت تھا جب فضیل بن عیاض ڈاکو تھے اور ڈاکو بھی ایسے نامور کہ اعلان کر کے ڈاکہ ڈالا کرتے تھے ایک رات وہ اسی نیت سے مکانوں کی چھتوں سے گزر رہے تھے کہ ایک روزن سے انہیں کچھ آواز آئی۔ انہوں نے کان

روزن سے لگا دیئے۔ گھر میں کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ آیت کا مطلب تھا۔

"کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو اللہ کے قرآن کے آگے جھک جائے۔"

ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی۔ تیر کی طرح فضیل کے دل میں اتر گئے۔ ایک دم تھرا گئے اور بولے میرے اللہ۔ نہ صرف اسی وقت انہوں نے چوری سے توبہ کر لی۔ بلکہ اپنی ایسی اخلاقی اصلاح کی آج ان کا شمار صلحائے امت میں ہوتا ہے۔ امام اصمعی کا واقعہ ہے وہ جنگل سے گزر رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آن گھیرا اور ان کی تلاشی لینے لگے تھے۔ وہ ذرا نہ گھبرائے اور ڈاکوؤں سے پوچھا تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارا رزق آسمانوں میں مقرر کر دیا ہے وہ تمہیں مل کر رہے گا۔ ڈاکو اس آیت کے سنتے ہی انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ تین سال کے بعد جب امام اصمعی خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو کوئی آ کر بڑی محبت سے ان سے لپٹ گیا وہ پہچان نہ سکے کہ یہ کون شخص ہے تو بتایا آپ کو ڈاکوؤں کا وہ واقعہ یاد ہے۔ میں انہیں ڈاکوؤں میں سے ایک ہوں۔ یہ تھا قرآنی انقلاب اور قرآنی تعلیمات کا نتیجہ۔ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ اگرچہ پچھلے تیس سالوں میں ہمارے ہاں عظیم الشان مادی و صنعتی ترقی ہوئی ہے تاہم یہ امر تکلیف دہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی طور پر ہم پہلے سے بھی گر گئے ہیں۔ طرح طرح کی اخلاقی اور روحانی بیماریاں ہم میں گھر کر چکی ہیں۔ ان تمام بیماریوں کا واحد علاج یہی ہے کہ ہم قرآن کریم کو بڑی مضبوطی سے تھام لیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنے رب کو خوش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

عمل کا معیار

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عمل کا معیار

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

یہ میرے لئے انتہائی سعادت کا مقام ہے کہ اللہ نے مجھے آج یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں آپ حضرات کے درمیان تھوڑی دیر کے لئے۔ دین کے اوپر اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے ذکر پر کچھ عرض کرنے کے لئے میں حاضر ہو گیا۔ گو کہ اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں آپ کے سامنے کوئی لمبی چوڑی یا طویل تقریر یا بیان کر سکوں۔ لیکن اللہ سے اس بات کی امید رکھتا ہوں اور اس بات کی دعا کرتا ہوں کہ جو بات میرے منہ سے نکلے اللہ تعالیٰ اسے حق پر رکھے۔

رات کا اچھا خاصا وقت گزر چکا ہے اور موسم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جتنی جلد از جلد گفتگو ہو سکے۔ خلق خدا کو اسی میں سہولت ہے۔

آج میں جو بات کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارا کونسا عمل اللہ کے یہاں قابل قبول ہے اور کونسا عمل قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری اور آپ کی عمر اور زندگی یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا قیمتی دیا ہوا سرمایہ ہے کہ میرے دوستو! اگر یہ سرمایہ ایک دفعہ ہمارے ہاتھ سے چلا گیا تو دوبارہ واپس آنے والا نہیں ہے۔ اور ہمیں اور آپ کو یہ اہتمام کر لینا چاہئے کہ یہ سرمایہ جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جو ہمیں ملی ہوئی ہے۔ زندگی کے جو یہ چند لمحات ہیں۔ ہمیں اور آپ کو چاہئے کہ ان کی قدر و منزلت اور ان کے مقام کو پہچانیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مستقل ایک سورت نازل فرمائی ہے۔ جس کا تعلق وقت اور زمانے سے ہے فرمایا کہ۔

والعصر ان الانسان لفي خسر.

قسم ہے زمانے کی۔ قسم ہے وقت کی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ اللہ

نے یہاں وقت اور زمانے کی قسم کیوں کھائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حج بیت اللہ کے لئے گیا اور زیارت نبوی کے لئے مدینے میں حاضری ہوئی۔ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا دوپہر کا وقت تھا۔ ایک لڑکا برف بیچ رہا تھا اور وہ یہ نعرہ لگا رہا تھا۔ آپ نے پاکستان میں بھی اور ہندوستان میں بھی یہ دیکھا ہوگا۔ یہ رواج ہے کہ ہر بیچنے والا ایسا نعرہ لگاتا ہے کہ سننے والا متوجہ ہو کے اس کا مال خریدے۔

کہتے ہیں کہ دہلی میں ککڑیاں بیچنے والے نعرہ لگاتے تھے۔ لیلیٰ کی انگلیاں اور مجنوں کی پسلیاں یعنی جس طریقے پر ایک محبوب کی انگلیاں نازک اور پتلی پتلی ہوتی ہیں۔ یہ ککڑیاں بھی ویسی ہی ہیں۔ جس طریقے پر ایک عاشق فراق یار میں گھٹ گھٹ کر دبلا اور پتلا ہو جاتا ہے۔ سوکھ جاتا ہے ایسے طریقے پر میری ککڑیاں بھی ہیں۔

تو میں نے عرض کیا کہ ہر بیچنے والا ایسا نعرہ لگاتا ہے کہ سننے والا متوجہ ہو کے مال خریدتا ہے۔ یہ لڑکا بھی ایک نعرہ لگا رہا تھا اور کہتا ہے کہ: ارحموا من يذوب راس ماله

اے لوگو جلدی جلدی اپنے گھروں سے نکلو اور دوڑو۔ میرا مال میری ملکیت ایسی چیز ہے کہ اگر آپ نے خریدنے میں دیری کی تو یہ گھل گھل کے ختم ہو جائے گا۔

میرے دوستو! جیسے چوڑی بڑی نازک ہوتی ہے۔ ایک شخص گاؤں کا آدمی اپنی کمر پر باریک باریک نازک چوڑیاں ایک پوٹلی کے اندر لے جا رہا تھا ایک پولیس والے نے ڈنڈا مار کے پوچھا۔ کہ اس میں کیا ہے۔ اس آدمی نے یہ جواب دیا کہ ایک اور مار دے تو کچھ بھی نہیں۔ ارے ظالم! تجھے یہ معلوم نہیں یہ مال جو میں لے کے جا رہا ہوں اور یہ چوڑی جو میرے پاس ہے اتنی نازک ہے۔ تو ڈنڈا مار کے پوچھ رہا ہے۔

دوسرا ڈنڈا مار دے تو کچھ بھی نہیں۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ یہ چوڑیاں اتنی نازک ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لطیفے کے طور پر ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جس زمانے میں شروع شروع میں برف بکا ہے۔ تو گاؤں والے تو برف سے واقف نہیں تھے۔ گاؤں کا ایک آدمی جو شہر کے اندر کام کرتا تھا اس نے برف خریدا اور گاؤں میں اپنے گھر بھیجا۔

دیا۔ اس کی بیوی نے یہ سوچا کہ یہ آج شوہر نے میرے لئے ایک نئی سوغات بھیجی ہے اور میرا شوہر ہے وہ تو اتوار کی چھٹی پر آتا ہے۔ اس نے اس برف کو اٹھا کر بوری میں لپیٹ کے رکھ دیا اور یہ کہا کہ جب میرا شوہر آئے گا اس وقت میں اس کو نکال لوں گی۔

اب اتوار کے دن یہ شوہر گھر آئے۔ اس نے کہا میں نے تمہیں ایک چیز بھیجی تھی۔ برف کھائی ہے۔ تم نے کھائی۔ وہ بیوی کہتی ہے کہ نہیں ہم تو اس انتظار میں تھے کہ آپ آئیں گے تو سب مل بیٹھ کے کھائیں گے اس آدمی نے سر پکڑ لیا اس نے کہا ارے ظالم یہ تو نے کیا کیا۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جا کے دیکھا تو کفن تو موجود ہے اور اس کے اندر سے مردہ غائب ہے۔ یعنی جس کپڑے کے اندر وہ برف لپیٹ کے رکھ دیا تھا۔ وہ کپڑا تو موجود ہے لیکن برف پگھل پگھل کے ختم ہو گیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب میں نے یہ نعرہ سنا میری سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اللہ نے سورۃ والعصر میں وقت اور زمانے کی قسم کیوں کھائی ہے۔

اس سورۃ میں ایک پروگرام بتایا گیا ہے کہ اے مسلمانو یہ تمہاری عمر اور زندگی جو ہے۔ یہ ایک برف کی طرح پر ہے۔ تم اس زندگی سے فائدہ اٹھاؤ اور جلدی سے اس کو ایمان اور عمل صالح میں لگا دو۔ ورنہ یہ گھٹ گھٹ کے ختم ہو جائے گی۔

اور میرے دوستو ہم اور آپ آج بہت فخر کے ساتھ **Birth Day** (سالگرہ) مناتے ہیں۔ میرے دوستو ذرا سوچئے اور غور کیجئے کہ یہ ہم اور آپ سالگرہ کس لئے مناتے ہیں۔ کیا اس بات کی ہم خوشی مناتے ہیں کہ اگر ہمارے لڑکے کی عمر اگر ۱۶ سال کی ہو گئی ہے تو اس کے عمر کے ۱۶ سال کم ہو گئے۔ اگر ہمارے لڑکے کی عمر اللہ تعالیٰ نے ۵۰ سال لکھ دیئے ہیں اگر ۲۰ سال کی عمر میں آپ سالگرہ منا رہے ہیں تو کیا ۵۰ سال سے جو ۲۰ سال کم ہو گئے ہیں۔ اس کی خوشی منا رہے ہیں۔ یہ سب سے بڑی حماقت ہے۔ کسی عارف نے بڑی اچھی بات کہی۔ فرمایا

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ۔۔۔۔ گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

یاد رکھئے یہ جو گھنٹہ بول رہا ہے۔ یہ سوئیاں جو چل رہی ہیں۔ اس کے چلنے سے آپ ذرا

عبرت حاصل کیجئے۔ تمہاری زندگی کا ایک ایک لمحہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم اور آپ آج یورپ کی تقلید میں آنکھیں بند کرکے ہر وہ کام کئے جا رہے ہیں کہ جو اسلام کے سراسر خلاف ہے۔

اور یہ بالکل اسی طریقے پر ہے۔ جیسے بعض اوقات قوالی میں بغیر کچھ سوچے سمجھے کسی کو حال آ جاتا ہے۔ ایک قوال گا رہا تھا۔ ...

بے کارم و با کارم چوں آب حساب اندر ・ دریں طرف تماشائیں در یا بہ حباب اندر

ایک صاحب کو حال آ گیا اور وہ حال میں کہتے جا رہے ہیں۔ واہ واہ دریا میں بہا بندر دریا میں بہا بندر۔ لوگوں نے کہا ارے ظالم یہ کیا کہہ رہا ہے۔ قوال نے تو ایسا کہا نہیں۔ اس نے کہا کہ بے شک قوال نے یہ نہیں کیا ہوگا۔ لیکن مجھے تو حال اس بات پر آیا ہے کہ جس وقت بندر دریا میں بہا رہا ہوگا تو اسے کتنا مزہ آ رہا ہوگا۔

آپ نے اندازہ لگایا۔ ہم اور آپ آنکھیں بند کرکے یورپ کی تقلید کرتے ہیں میرے دوستو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اور ہمارے وطن کے پڑھے لکھے نوجوان بیشتر نوجوان یہ درحقیقت اسلام کے باغی نہیں ہے بلکہ ان کا سوچ اور ان کی فکر کا انداز دوسرا ہے۔ اور یاد رکھئے اگر ہماری فکر اور سوچ کا انداز صحیح ہوگا تو ہم صحیح اور نتیجے پر پہنچ جائیں گے اور اگر یہ انداز غلط ہوگا تو نتیجہ کچھ اور ہوگا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جس وقت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا آخری وقت آتا ہے تو اللہ کی طرف سے جبرئیل امین کو بھیجا جاتا ہے۔ جائیے جا کر کہہ دیجئے کہ آپ کا وقت آ چکا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی روح قبض کی جائے۔ یہ اختیار دیا اور پیغمبر کو دیا جاتا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جبرئیل امین آئے اور کہا کہ آپ اجازت دیں تو ہم ملک الموت سے کہیں کہ وہ آپ کی جان نکال دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے ملک الموت تم میرے دوست ہو اور میں تمہارا دوست ہوں۔ کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ دوست دوست کی جان نکالتا ہے۔ ملک الموت کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اور جا کر بارگاہ خداوندی میں یہ بات کہہ دی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ۔ ہماری طرف سے کہہ دو کہ کیا کوئی دوست اپنے دوست سے ملاقات کو بھی ناپسند کرتا ہے۔ اے ابراہیم ہم تمہارے دوست ہیں تم ہمارے دوست ہو۔ کیا کوئی دوست بھی ایسا ہوتا ہے کہ جو دوست کی ملاقات کو ناپسند کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنسنے لگے۔ خوش ہو گئے اور فرمایا کہ اب تم میری جان نکال دو۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر سوچنے کا اور فکر کرنے کا انداز ہمارا صحیح ہو تو ہم اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ جس پر اسلام ہمیں لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا آج کل جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ارے میاں کیا حرام کیا حلال کیا جائز کیا ناجائز اصل میں تو انسان کی نیت نیک ہونی چاہئے۔ نیت ٹھیک ہونی چاہئے۔

میرے دوستو! اگر آپ نے صرف یہی سوچ لیا کہ ہماری نیت ٹھیک ہونی چاہئے تو یہ سب سے بڑی گمراہی ہے۔

اور یہ زندگی کا سرمایہ جو اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے، یہ اس طرح پر ہماری پوری زندگی ختم ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قسم اٹھائی ہے رات کی اور دن کی۔ تاریکی کی اور روشنی کی۔ فرمایا کہ

و الیل اذا یغشی و النھار اذا تجلی وما خلق الذکر و الانثی۔

اللہ تعالیٰ نے رات کی اور دن کی، تاریکی اور روشنی کی قسم کھا کر فرمایا۔ یہ دنیا اضداد کی جگہ ہے۔ یہاں ہم نے رات کو بھی پیدا کیا اور دن کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور یہاں ہم نے نور ایمان بھی پیدا کیا ہے اور ظلمت کفر بھی پیدا کی ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے درختوں میں بھی۔ جمادات کے اندر بھی۔ انسانوں کے اندر بھی نر اور مادہ پیدا کئے ہیں۔ جس طریقے پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں حیوانوں میں اضداد کو پیدا کیا ہے۔ اسی طریقے پر یہ ہمارے عمل بھی الگ الگ اور مختلف اور متضاد ہیں۔ بالکل اسی طریقے پر ایک سخی اور دولت مند آدمی وہ اپنی دولت سے بہت سے نیک کام کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دولت سے مسجد بنواتے ہیں، وہ ایک شخص

ایسا ہے کہ جو اپنی دولت کو اللہ اور اس کے رسول کی روشنی میں استعمال کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ سب انسانوں کے عمل مختلف اور متضاد ہوتے ہیں۔

اور ہم آپ کو ایسی مثال بھی دے سکتے ہیں کہ عمل ایک ہی ہے۔ لیکن اس کے نتیجے مختلف ہیں۔ کس طریقے پر، حدیث میں آتا ہے۔ شہداء کی ایک جماعت اللہ کے سامنے پیش کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ دارِ آخرت کے لئے کیا عمل لے کے آئے ہیں۔ وہ جواب دیں گے کہ اے اللہ دولت ہمارے پاس نہیں تھی جو ہم لوگوں میں تقسیم کرتے۔ علم ہمارے پاس نہیں تھا جو ہم لوگوں کو تبلیغ کا کام کرتے اے اللہ تو نے ہمیں ایک جان دے دی تھی وہ ہم تیری راہ میں لٹا کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کذبت۔ تو نے جھوٹ بولا۔ تو نے جان اس لئے دی تھی کہ تیرے خاندان اور قبیلے میں تیرا نام ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ کتنا بہادر اور شدید انسان تھا۔ فرمایا کہ وہ بدلہ تجھے دنیا میں مل چکا ہے۔ آخرت میں تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

اسی طریقے پر علماء کی ایک جماعت پیش کی جائے گی۔ اور میرے دوستو! علماء قابل تعظیم اور قابل احترام ہوتے ہیں اور یہ میں نے اس لئے کہا کہ عالم اگر صحیح نہ ہو تو آپ بے شک اس کے فتویٰ پر عمل نہ کریں۔ لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس عالم کی آپ توہین کریں اور اس کو گالی دیں۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثال کے ذریعے سے یہ بات سمجھائی ہے فرمایا کہ اگر ایک قرآن کریم پریس کے اندر چھپ رہا ہے اور وہ غلط چھپ جائے۔ تو ایسے قرآن کریم کے اندر تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ جو قرآن کریم غلط چھپ گیا ہے آپ نعوذ باللہ اس کے اوپر پیر رکھ کر کھڑے ہو جائیں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ کیوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ آج ایسے قرآن کریم کی بے حرمتی کریں گے کہ جو غلطی سے چھپ گیا ہے۔ میرے دوستو! دیکھنے والے یہ نہیں سوچیں گے کہ یہ غلط ہے یا صحیح ہے۔ وہ صحیح قرآن کریم کی بھی بے حرمتی کریں گے۔

بالکل اسی طریقے پر اگر عالم صحیح نہیں ہے۔ آپ بے شک اس کے فتویٰ پر عمل نہ کریں۔

لیکن میرے دوستو! اس عالم کے لئے اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ لوگ اس بات کی تحقیق نہیں کریں گے کون عالم صحیح ہے کون غلط ہے۔ وہ تو پھر ہر ایک عالم کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکیں گے اور اس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔

علماء کی جماعت پیش کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ ذرا آخرت کے لئے کونسا عمل لے کر آئے ہیں۔ وہ یہ کہیں گے کہ اے اللہ دولت ہمارے پاس نہیں تھی جو ہم خرچ کرتے۔ جہاد کا موقع ہمیں ملا نہیں تھا کہ ہم اپنی جان کو آپ کی راہ میں لٹا دیتے۔ آپ نے ہمیں علم دیا تھا۔ ہم نے جگہ جگہ درس و تدریس کا کام کیا ہے۔ تبلیغ کا کام کیا ہے۔ بس یہی ایک عمل ہے اے اللہ ہمارے پاس صرف یہی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ نعیمت ہو تو نے جھوٹ بولا۔ اس لئے کہ تو نے درس دیا تھا تبلیغ کی تھی بمقابل انکے عالم جید۔ کہ دنیا یہ کہے کہ یہ بہت ہی بڑا عالم ہے اور وہ بدلہ تمہیں دنیا میں مل چکا ہے۔ آخرت میں تمہارے لئے کوئی بدلہ نہیں۔

اسی طریقے پر ایک جماعت دولت مند اور سخی لوگوں کی پیش کی جائے گی اللہ تعالیٰ ان سے بھی یہی سوال فرمائیں گے۔ میرے دوستو! آج بہت سے لوگ اللہ کی راہ میں اس طریقے پر دیتے ہیں وہ تو مانتے نہیں کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ بلکہ اس کی تشہیر کرتے ہیں۔ ڈھول بجا بجا کے دولت لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

سخی اور دولت مند یہ جواب دیں گے۔ اے اللہ علم ہمارے پاس نہیں تھا کہ جو ہم لوگوں کو تبلیغ کرتے۔ جہاد کا موقع نہیں ملا تھا کہ ہم اپنی جان کو آپ کی راہ میں لٹا دیتے۔ آپ نے ہمیں دولت دی تھی اور وہ دولت ہم نے آپ کے مفلس بندوں میں حاجتمندوں میں تقسیم کی ہے۔ خیرات کا کام ہم نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے جھوٹ بولا اس لئے کہ تم نے سخاوت کا جو عمل اختیار کیا تھا۔ اس لئے کیا تھا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ دیکھئے یہ کتنے سخی اور کریم ہیں فرمایا کہ اس عمل کا بدلہ آپ کو دنیا میں مل چکا ہے۔

آپ نے دیکھ لیا عمل ایک ہی ہے لیکن نتیجہ مختلف۔ مجھے علامہ اقبال مرحوم کے دو شعر یاد آگئے۔ فرمایا کہ ؎

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ | ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں | کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

آپ نے دیکھا ہوگا۔ کرگس، گدھ، وہ بھی اسی ہوا میں اڑتا ہے۔ شاہین بھی اسی ہوا میں اڑتا ہے۔ لیکن میرے دوستو! گدھ کی اور شاہین کی منزل الگ الگ ہے۔ گدھ مردار پہ ہاتھ ڈالتا ہے اور شاہین شکار زندہ کی تلاش میں رہتا ہے۔

اور اس سے زیادہ واضح مثال سنئے۔ فرمایا کہ ـــ

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن | ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

آپ نے دیکھا ایک ہی الفاظ ہیں ایک ہی معنی ہے اور ایک ہی جگہ ہے کہ جہاں پہ اذان دی جارہی ہے لیکن میرے دوستو! ایک شخص کی اذان براہ راست اللہ کے یہاں قابل قبول ہے اور ایک شخص کی قابل قبول نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات عمل ایک ہوتا ہے لیکن اس کے نتیجے مختلف ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! اللہ نے بعض اعمال ایسے بنائے ہیں کہ ان کی تاثیر دنیا میں برابر برابر رکھی ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی اگر ایک مسلمان سچ بولے گا۔ اس کا اعتماد قائم ہو جائے گا۔ لیکن اگر ایک کافر سچ بولے گا تو اس کا اعتماد بھی قائم ہو جائے گا اگر ایک مسلمان امانت میں خیانت نہیں کرے گا لوگوں کے دل میں اس کی عظمت بڑھے گی لیکن اگر ایک غیر مسلم امانت میں خیانت نہیں کرے گا تو لوگوں کے دل میں اس کی بھی عظمت بڑھے گی۔ بالکل اسی طریقے پہ بلکہ آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ اگر ایک مسلمان خنزیر و مردار پہ کھائے تو اس کے اندر تو طاقت بڑھے اور اگر ایک کافر کھائے تو مر جائے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ لیکن بعض اوقات ایسے عمل ہوتے ہیں کہ اگر وہ مسلمان کرتا ہے اس کا اثر دنیا میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کا اثر اور نتیجہ دونوں برابر ہوتے ہیں۔ کافر اور غیر مسلم اگر وہ عمل اختیار کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ اور اثر بھی برابر ہوتا ہے۔ لیکن فرمایا کہ ایک عمل وہ ہے کہ جس کا اثر آخرت میں ظاہر ہوگا۔ دنیا میں ظاہر نہیں ہوگا۔ وہ ہے کافر کا عمل۔ کیونکہ کافر کا عمل اس طریقے پہ ہے کہ جیسے دور سے ریت کے اندر آپ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے پانی ہے۔ انسان چلا جاتا ہے کہ جائے اور پئے۔ لیکن

قریب جا کے دیکھتا ہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء

کافر کا جو عمل ہے وہ اس طریقے پر ہے کہ جیسے دور سے دیکھیں ریت پر پانی نظر آ رہا ہے۔ لیکن جس وقت کافر آخرت میں پہنچے گا۔ کسی کافر نے لاکھ نیکیاں کی ہوں۔ ہزاروں اس نے بھلائی کے کام کئے ہوں۔ لیکن اس کا اثر دنیا تک رہے گا۔ آخرت میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آپ اگر زیرو زیرو لگائیں تو آپ دیکھیں گے یہ کوئی رقم نہیں ہے۔ زیرو رقم اس وقت بنتا ہے جبکہ اس کے الٹے ہاتھ کے اوپر کوئی فگر (Figure) یا ہندسہ لگایا جائے۔ زیرو زیرو لگائیں۔ ایک کا ہندسہ لگائیں گے۔ اب یہ رقم بنے گی۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے فگر اور ہندسہ ہوتا ہے۔ کافر کا عمل چاہے اس کے اندر نیکیاں اور خوبیاں ہوں لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے زیرو، زیرو۔ صفر، صفر، اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ مسلمان کا عمل آخرت میں اس لئے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پاس ایمان جیسی دولت ہے۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہی بات فرمائی ہے۔ فرمایا کہ

فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ

فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پاس ۳ چیزیں جمع ہو جائیں۔ ایمان، عمل صالح، یعنی وہ عمل جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا اللہ نے کرنے کو بتایا ہے، اور ایک اس کی نیت ٹھیک ہونی چاہئے۔

فرمایا کہ جس شخص کے اندر یہ تینوں اجزاء جمع ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں فسنیسرہ للیسریٰ۔ پھر ہم اس شخص کو جنت میں داخل کر دیں گے اور جنت کی نعمتوں کے اندر وہ شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔

میرے دوستو! بس یہی ایک عمل کے قبول ہونے یا وہاں سے رد کرنے کے لئے یہی معیار ان آیتوں میں بتایا گیا ہے۔ بس اب میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ دعا کیجئے کہ ہم کو اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مشتاق احمد عفی عنہ

اسلامی اخلاق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اسلامی اخلاق

جناب صدر معزز خواتین و حضرات۔

آج یہ دوسری نشست ہے جو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے سلسلے میں منعقد کی گئی اور مقصد ایک ہی ہے۔ وہ یہ کہ ہم مسلمان ایک تو اتحاد و محبت کریں اور دوسرے یہ کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپؐ کی سیرت طیبہ کے اوپر کچھ بیان سنیں اور سننے کے بعد عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات عرض کرنی ہے کہ ہم اور آپ اپنا زیادہ تر وقت اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم اپنی صورتوں کے بنانے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ یہ زمانہ اصل میں صورت سازی کا زمانہ ہے۔ صورت گری کا زمانہ ہے۔ سیرت سازی کا نہیں۔

لیکن اب دیکھئے کہ ہمارا اور آپ کا حال یہ ہے ہر جوان، ہر شخص زیادہ تر وقت اپنی صورتوں کے بنانے میں لگا رہا ہے۔ کوئی اپنے چہرے کو سنوار رہا ہے۔ کوئی اپنے بالوں کو سنوار رہا ہے۔ کوئی اپنے جسم کی خدمت کرتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ ہم اپنی صورتوں کو چاہے کتنا ہی حسین بنا دیں۔ سنوار لیں چاہے کتنا ہی سنگھار کر لیں اس سے زیادہ حسین نہیں بنا سکتے کہ جتنا حسین اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو پیدا کیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک عورت آئی اور اس نے یہ کہا کہ حضرت! میرے شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی اور یہ کہہ کر مجھے طلاق دی ہے اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہیں تو تجھے تین طلاق۔ وہ کہنے لگی کہ میں تو پریشان ہو رہی ہوں اس لئے کہ اس نے چاند سے زیادہ جو حسین ہونے کی شرط لگائی ہے۔ میں تو اصل میں چراغ سے بھی زیادہ حسین نہیں ہوں۔ مجھ پر تو طلاق ہو گئی۔ لیکن آپ نے اس کی تسلی فرمائی اور فرمایا کہ تم جا کر آرام سے اپنے شوہر کے پاس وقت گزارو اور میں تمہیں لکھ دیتا ہوں کہ تم کو طلاق واقع نہیں

ہوئی۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں خود حق تعالیٰ نے قسم اٹھا کر یہ بات کہی ہے کہ ہم نے انسان کو سب سے زیادہ حسین مخلوق پیدا کیا ہے۔ فرمایا کہ۔

والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین. لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

سب سے بہترین مخلوق اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔

اگر ہم اور آپ قرآنی آیت کے اعتبار سے سب سے حسین مخلوق ہیں تو آپ ایمانداری سے بتائیے۔ آج اگر ہم اور آپ اپنا زیادہ تر وقت صورتوں کے بنانے میں لگا دیتے ہیں۔ اپنی صورتوں کے سنوارنے میں لگاتے ہیں۔ تو یاد رکھئے کہ سوائے اس کے کہ اپنے وقت کو کھوتا اور ضائع کرتا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور پھر بات یہ ہے کہ چاہے جسم کی آپ کتنی ہی خدمت کریں یہ جسم تو فانی ہے۔ آپ اپنے چہرے کو خواہ کتنا ہی حسین بنائیں۔ یہ حسن تو ختم ہوتا ہے۔ کسی عارف نے بڑی اچھی بات کہی اس نے کہا کہ ؎

حسن کا کیا پوچھنا ہے حسن کی کیا بات ہے
حسن وہ جادو ہے جادو جس کے آگے مات ہے

بے شک حسن کے اندر بڑا جادو ہے۔

حسن ماہ چار سے ہے لیکن اتنا اور ہے

ماہ چار سے چودھویں کا چاند مراد ہے۔

حسن ماہ چار سے ہے لیکن اتنا اور ہے
چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے

یہ سارے کا سارا حسن جو ہم اور آپ بناتے ہیں۔ یہ تمام بناوٹی ہے۔ یاد رکھئے یہ حسن ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا۔ یہ حسن باقی رہنے والا نہیں۔ اگر ہم اپنا وقت سیرتوں کے بنانے میں لگائیں۔ اخلاق کے سنوارنے میں لگائیں تو سیرت میں تو یہ بات ہے کہ آپ بنا سکتے ہیں۔ اگر سیرت خراب ہے تو سیرت اچھی ہو سکتی ہے اور انسان اصل میں نام صورت اور جسم کا نہیں۔ بلکہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں آپ کی انسان سے ملاقات کرائیں۔ آپ ان کو سنے جو کے کی

ایسے شخص کے سامنے کھڑا کر دیں جسے بات کرنے کی تمیز ہو تو اس کو ملنے کا ڈھنگ آتا ہو۔ ظاہر ہے ملاقات کرنے والا بیچارہ اسے یہاں یہ تو آپ نے انسان سے کسی جانور سے آپ نے ملا دیا۔

کیونکہ انسان صورتوں کا نام نہیں۔ انسانی جسم کا نام نہیں۔ مولانا جلال الدین رومی کا فیصلہ بالکل صحیح فیصلہ ہے۔ فرمایا کہ ؎

گر بصورت آدمی انسان بدی ۔۔۔ احمد و بوجہل ہم یکساں بدی

اگر صورتوں ہی کا نام انسان ہوتا تو پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں آپؐ کے اعضاء میں اور ایک ابوجہل اور ابولہب کے اعضاء میں کیا فرق ہے۔ (بظاہر) کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ دیکھئے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبش کے رہنے والے ہیں۔ رنگ بالکل سیاہ، نہ آپ کے علاقے کے رہنے والے، نہ آپ جیسا رنگ۔ نہ آپ جیسی صورت، لیکن آپ دیکھئے ابوجہل اور ابولہب جو آپ کے اپنے قبیلے کے رہنے والے ہیں۔ چہرہ بھی ان کا اچھا ہے۔ رنگ بھی ان کا اچھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ نے ابوجہل اور ابولہب کو ٹھکرا دیا اور بلال حبشی کو آپؐ نے سینے سے لگایا۔

اور صرف سینے ہی سے نہیں لگایا بلکہ یہ لکھا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اے بلال! تمہارا کونسا عمل اللہ کو اتنا پسند آگیا اتنا پسند آگیا کہ میں نے شب معراج میں دیکھا کہ تم مجھ سے آگے آگے جا رہے ہیں۔

آپ اندازہ لگایئے اگر صورتوں ہی کا نام انسان ہوتا تو حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مقام کس (چیز) نے عطا فرمایا۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دو عمل میری طرف سے ہوتے ہیں ایک تو میں قل ھو اللہ احد کثرت سے پڑھا کرتا ہوں اور دوسرا یہ کہ میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقیر اور سب سے زیادہ کمتر سمجھتا ہوں۔

کسی نے سچ کہا۔ فرمایا کہ ؎

سارے دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوب
تب کہیں جا کے تیرے دل میں جگہ پائی ہے

ایک انسان اپنے آپ کو اپنی نظروں سے گرا دیتا ہے۔ یاد رکھئے اللہ تعالیٰ کی نظروں میں اس کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔

آپ دیکھئے کس طریقے پر ہم اور آپ اپنی صورتوں کی خدمت کر رہے ہیں اور اپنے جسموں کو سنوار رہے ہیں۔ لیکن درحقیقت انسان جس چیز کا نام ہے اس کی طرف کوئی التفات اور توجہ نہیں دیتا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دین اور یہ مذہب جس میں ہم اور آپ موجود ہیں یہ ایسا مذہب ہے۔ شاید دنیا کے دوسرے مذاہب ادھورے ہیں۔ لیکن اسلام ایسا کامل ترین مذہب ہے کہ ہر چیز کا علاج بھی مل سکتا ہے۔ ہر چیز کی رہنمائی بھی آپ کو مل سکتی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں پر اسلام کی تعلیمات موجود نہ ہوں۔

عیسائیت کو آپ لیجئے عیسائیت میں دیکھئے بہت سے احکام ہیں۔ نکاح کے احکام بھی موجود ہیں لیکن آپ اگر عیسائیت میں طلاق کا وجود دیکھیں تو طلاق کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ان کے ہاں جب ضرورت محسوس کی گئی کہ اب یہ ہونا چاہئے کہ میاں بیوی کے درمیان اتفاق نہ ہو۔ ان میں نباہ کی کوئی صورت نہ ہو۔ تو کوئی نہ کوئی شکل ایسی ضرور ہونی چاہئے کہ جس سے دونوں میں علیحدگی کرائی جائے۔ انہوں نے ضرورت محسوس کی تو وہ مجبور ہو گئے۔ گرجے والوں نے یہ کہا یہ اختیار ہم نے کورٹ کے جج کو دیا ہے۔ جج کو یہ اختیار ہے کہ وہ ان کے درمیان علیحدگی کرائے۔

اب ان سے ذرا یہ تو کوئی پوچھے کہ بھئی آپ کا نکاح تو ہوا ہے۔ چرچ میں اور گرجے میں۔ لیکن طلاق کا اختیار جو آپ کورٹ کو دے رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔ تو وہ جو پادری ہے وہ یہ کہتا ہے کہ بھئی دیکھو ہم نے تمہارا نکاح تو کیا تو اس طریقے پر کہ ایک گرہ تو ہم نے زمین پر باندھ دی تھی اور دوسری گرہ ہم نے آسمان پر لگا دی۔ تو بھئی زمین کا گرہ تو ہم کھول سکتے ہیں۔ آسمان کا گرہ ہم سے نہیں کھل سکتی۔

پادری کہتا ہے کہ نکاح تو ہو سکتا ہے لیکن طلاق کی کوئی شکل نہیں۔ آپ اندازہ کریں کہ کورٹ کا جج یہ آسمان کی گرہ کیسے کھولے۔

آپ اگر غور کریں اور سوچیں۔ اسلام ایسا مذہب ہے کہ ہر شعبہ کے اندر آپ کو تعلیمات دے رہا ہے۔ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو انسان کی زندگی سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ آج اتنی بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور صدقہ میں عطا فرمائی ہے۔ لیکن ہم نے اس کی ناقدری اس طریقے سے کی ہے آج ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اسلام سے منہ پھیرتے ہے۔ اعراض کرتے ہیں اور کسی اور سے یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنا کوئی تعلیم کا نظام ہمیں بتلایئے اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں تعلیم کا تصور نہیں کسی سے اقتصادیات کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ کسی سے معاشیات کی بھیک مانگی جاتی ہے اور کسی نہ کسی طریقے سے دوسرے مذاہب سے مدد لے رہے ہیں۔ لیکن بات اصل میں یہ ہے۔ یہ قسمت کی بات ہے کہ کون فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور کون نقصان اٹھاتا ہے۔ فرمایا کہ۔

؎ پروانہ جلا تو خاک ہوئی اور شمع جلی تو نور ہوا

آپ دیکھئے آگ اگر جل رہی ہو تو اس سے آپ آگ لے کر قریب لے جائیں تو اس سے دوسرا دیا جل جائے گا۔ روشنی بڑھ جائے گی۔ لیکن یہ آگ اگر کسی پروانے کے لگ جائے تو پروانے سے روشنی نہیں ہوتی۔

پروانہ جل کے خاک ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ ؎

اس بزم گہے دنیا میں نظر یہ اپنی اپنی قسمت ہے
پروانہ جلا تو خاک ہوئی اور شمع جلی تو نور ہوا

آج اسلام ایسا مذہب ہمارے پاس ہے۔ لیکن یہ ہماری قسمت ہے۔ ہماری یہ محرومی ہے کہ اسلام سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور دوسرے مذاہب کی طرف ہماری نظر اٹھتی ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مسلم قوم کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک فقیر ایک محلے میں ہر دروازے پر دستک دیتا ہے۔ دروازہ کھٹکھٹا کے یہ کہتا ہے کہ مجھے روٹی کی ضرورت ہے۔ بھوک لگی ہے۔ لیکن حالت اس کی یہ ہے کہ سر کے اوپر اس نے جو ٹوکرا رکھا ہے۔ وہ ٹوکرا پورے کا پورا روٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ فرمایا ؎

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر　　　تو ہمیں جوئی لب نان در بدر

ارے ظالم یہ جو تو ہر دروازے پر جا کے روٹی مانگ رہا ہے۔ ذرا اپنے سر پر ٹوکرے کو کھول کے دیکھ۔ روٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ دوسرے کے دروازے پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام نے ہر شعبے کے اندر ہمیں احکامات دیئے ہیں۔ ہمارے اخلاق کو سنوارا ہے۔ ہماری ہر ضرورت کو پورا کیا ہے۔ جو آج ہم اور آپ دیکھتے ہیں سب سے زیادہ ضرورت کس بات کی ہے۔ آج تو اصل میں ہماری مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی بیمار ہوتا ہے اس کے جسم کے اوپر پھوڑے اور پھنسیاں ہوتی ہیں اس کے خارش ہو رہی ہے۔ اگر اس سے کوئی جا کے پوچھے کہ بھئی دنیا میں سب سے زیادہ لذیذ چیز آپ کو کونسی لگتی ہے۔ یہ بات میں اس لئے عرض کر رہا ہوں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ارے صاحب آپ نے تو گناہ کا مزہ ہی نہیں چکھا ہے۔ اس لئے تو آپ ہمیں گناہوں سے منع کرتے ہیں۔

اور یہ حقیقت ہے۔ برائی کے اندر شیطانی حرکتوں کے اندر جتنی لذت ملتی ہے اور یہ بھی آپ ہی کے خیال میں ہے۔ ورنہ اگر کسی اللہ والے سے آپ پوچھیں کہ سب سے زیادہ لذیذ چیز کونسی ہے۔ وہ یہ کہے گا کہ اگر محبوب کے ساتھ ہمارے قدم مل جائیں یا محبوب کے قدموں کے اندر ہماری جان نکل جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ سب سے زیادہ لذیذ چیز یہی ہے۔

لیکن ہم اور آپ کیا کہتے ہیں۔ صاحب آپ نے گناہ کا تو مزہ نہیں چکھا۔ لیکن ایمانداری سے بتایئے گناہ میں بے شک لذت ہے۔ لیکن اس لذت کے اوپر غور کیجئے کہ یہ لذت اچھی لذت ہے یا بری لذت ہے۔

میں نے ابھی مثال دی کہ جسم کے اوپر پھوڑے پھنسیاں ہو جائیں۔ اور اس مریض سے جا کے پوچھا جائے کہ سب سے زیادہ آپ کو کونسی چیز اچھی لگتی ہے تو وہ کیا کہے گا۔ کسی نے ازراہ مذاق یہ بات کہی ہے کہ ؎

لڈو میں نہ پیڑے میں نہ برفی میں مزہ ہے

بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ہر شخص پسند کرتا ہے۔

لڈو میں نہ پیڑے میں نہ برفی میں مزہ ہے
جو حضرت کھجلی کے کھجانے میں مزہ ہے

وہ کہے گا کہ ساری دنیا کی نعمتیں ایک طرف لیکن جو چیز میرے بدن کے اوپر ہو رہی ہے اس میں تو کھجانے ہی میں ساری لذت ہے اور کسی چیز میں نہیں۔

کھجانے میں لذت تو ہے لیکن معاف کیجئے یہ لذت بیماری کی لذت ہے۔ اگر آپ کا ذوق اچھا ہو۔ صحیح ذوق آپ کے پاس ہو تو یاد رکھئے کہ گناہوں میں جو لذت آپ کو مل رہی ہے یہ درحقیقت ایسی ہی بیماری کی لذت ہے جیسے پھوڑے پھنسی والوں کو کھجانے میں لذت ملتی ہے۔

لیکن ہم اصل میں یہ کہتے ہیں کہ لذت حاصل کرو اسلام کے مطابق شریعت کے مطابق۔ آج بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جنہیں یہ احساس ہی نہیں ہے کہ ہمارے بدن کے اوپر پھوڑے پھنسیاں ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں ہم سب سے زیادہ صحت مند اور تندرست ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ بیمار کو اگر یہ پتہ چل جائے کہ میں بیمار ہوں۔ تب بھی غنیمت ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ احساس نہ ہو کہ میں بیمار ہوں تو آپ بتایئے کہ اس کا علاج کیسے کرایا جائے۔ علاج تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ واقعی بیمار ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں صاحب! میں تو بڑا صحت مند اور توانا ہوں۔ لیکن اگر دیکھنے والے یہ کہیں کہ ارے ظالم میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تجھے بیماریاں لگی ہوئی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ بیمار تو بے شک وہ ہے لیکن احساس اس سے ختم ہو چکا ہے۔ اس بیماری کا احساس اس کو نہیں۔ ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں۔ علامہ اقبال کا شعر ہے ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ارے میاں قافلے تو لٹتے ہی ہیں لیکن اگر قافلے والوں کو لٹنے کا علم ہو جائے۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ لیکن اگر قافلہ لٹ جائے اور قافلے والوں میں یہ خبر ہی نہ ہو کہ ہمارا قافلہ لٹا بھی ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ اس سے زیادہ بد قسمتی اور محرومی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان کا احساس ہی مردہ ہو جائے۔ اس کا ضمیر ہی مردہ ہو جائے۔

آج ہم اور آپ سب کے سب اس مریض کی طرح بن چکے ہیں کہ جس کے جسم کے اندر جس کے جسم کے اوپر پھوڑے پھنسیاں ہیں۔ لیکن ہمیں اور آپ کو اصل میں احساس ہونا چاہئے کہ واقعی ہم بیمار ہیں۔ ہمارے اندر روحانی طور پر بہت سے امراض لگے ہوئے ہیں ان اس کا ایک ہی علاج ہے کہ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔ آپ کی تعلیمات کو سنیں اور سننے کے بعد کوشش کریں کہ جو امراض آپ کے اندر ہیں ان امراض کا علاج کریں۔

دین اسلام درحقیقت صرف پوجا پاٹ کا دین نہیں ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ارے صاحب تم نے دین اسلام کو تو بالکل ہوا بنا رکھا ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ یہی دین اسلام ہے۔ نہیں۔ جو لوگ اسلام کو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف عبادتوں ہی کا نام اسلام ہے۔ وہ غلطی پر ہیں۔ اسلام صرف عبادتوں کا نام نہیں۔ اسلام درحقیقت اخلاق بھی سکھاتا ہے۔ اسلام آپ کو معاملات کے اندر بھی تعلیم دیتا ہے۔ اور فرمایا کہ اسلام سب سے زیادہ اگر کسی چیز پر زور دیتا ہے وہ ہمارے اخلاق کے درست کرنے پر زور دیتا ہے کہ انسانوں کے اخلاق سب سے زیادہ بہتر ہو جائیں۔ تو فرمایا کہ وہ شخص سب سے زیادہ بہتر ہے۔ (جس کے اخلاق اچھے ہوں) اور اخلاق میں نے ابھی عرض کیے۔ انسانی سیرت و کردار کا نام ہے۔

کچھ لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک عورت ہے۔ وہ نمازیں بھی زیادہ پڑھتی ہیں روزے بھی رکھتی ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتی ہے۔ لیکن یا رسول اللہ وہ عورت اخلاق کی اچھی نہیں ہے۔ اس کی زبان اچھی نہیں ہے۔ جب کسی سے بات کرتی ہے اس کا دل توڑ دیتی ہے۔ ہر ایک کی دل شکنی کرتی ہے۔ اور ایک دوسری عورت ہے عبادتیں تو بے شک واجبی واجبی کرتی ہے لیکن یا رسول اللہ ہم نے دیکھا ہے۔ اس کے اخلاق بڑے اعلیٰ ہیں۔ اس کی سیرت بہت اعلیٰ ہے۔ اس کی زبان میں اتنی حلاوت ہے کہ جب بھی کسی سے بات کرتی ہے۔ ہر شخص اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس کا شوہر بھی اس سے راضی ہے۔ اس کے بھائی بہن سب رشتہ دار اس سے راضی ہیں۔

یا رسول اللہ ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ان کا انجام آخرت میں کیا ہوگا سرکار دو عالم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت جو عبادتیں تو بے انتہا کرتی ہیں لیکن اگر اس کے اخلاق بہترین نہیں ہے۔ اس کا کردار اچھا نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ عورت اپنی بداخلاقی کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔

اور جو عورت عبادت تو بے شک واجبی واجبی کرتی ہے۔ کوئی زیادہ عبادتیں نہیں کرتی ہے۔ لیکن اس کا اخلاق اچھا ہے اس کے کردار اچھا۔ فرمایا کہ یہ اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے اپنے بہترین کردار کی وجہ سے یہ عورت جنت میں جائے گی۔

یہاں ذرا ایک شبہ ہوتا ہے۔ بعضے لوگ اصل میں ظاہری الفاظ سے کچھ اور معنی لیتے ہیں۔ اگر یہ بات کہی جا رہی ہے کہ اسلام میں اخلاق کا سب سے بڑا دخل ہے۔ تو بعضے لوگ کہتے ہیں کہ اچھا صاحب۔ آپ ہمیں مہلت دے دیں ہم اپنا اخلاق بہترین بنا کے آپ کے سامنے لے آئیں گے۔ اپنی سیرت اور کردار کے لئے مختلف لوگوں سے اصلاح لے کے ہم آپ کے سامنے لا کر دے دیں گے۔ پھر آپ بشارت دیں گے ہمیں جنت کی۔

لیکن یاد رکھئے کہ اخلاق اور کردار آپ کا بہترین ہونا چاہئے۔ کس صورت میں، فرائض کے بعد۔ اگر اخلاق آپ نے بہترین بنا دیئے۔ سیرت و کردار آپ نے اچھا کر لیا تو یہ نہ سمجھئے کہ آپ بے نیاز ہو گئے۔ نماز روزے کی طرف سے۔ اب آپ کو کوئی ضرورت نہیں زکوٰۃ اور حج کی۔

یاد رکھئے کہ یہ ساری کی ساری عبادتیں جو ہیں یہ فرائض کے اندر داخل ہیں۔ ان کو تو بہر حال پورا کرنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت اخلاق اور کردار کی ہے۔

ایک مقدمہ آیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں۔ آپ نے مدعی سے فرمایا کہ اچھا تم دو گواہ لے کے آؤ۔ آج کل تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کو پھرتے پھرتے پکڑ کے لے آتے ہیں۔ آپ اس کو ایک رقم دے دیں وہ آپ کے حق میں گواہی دے دیں گے۔ لیکن اسلام کیا کہتا ہے۔ تو فرمایا کہ وہ شخص دو گواہ لے کے آیا۔ ایک سے آپ (حضرت عمرؓ) واقف تھے۔ دوسرے کو نہیں جانتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ بھئی تم یہ بتاؤ جو شخص تمہیں اپنی گواہی کے لئے پیش کر رہا ہے۔ کبھی اس کے ساتھ ایسا موقع بھی آیا کہ تم نے اس کو کوئی قرض دیا ہو یا اس سے قرض لیا ہو۔ اور یہ بڑا اہم سوال ہے اس لئے

کہ قرض ایسی چیز ہے کہ انسانوں کے تعلقات کبھی کبھی ختم ہو جاتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا کہ۔

ان القرض مقراض المحبة

قرض اصل میں محبت کی قینچی ہوتا ہے۔ دو دوستوں میں آپس میں محبت ہے۔ ایک نے دوسرے سے قرض لے لیا۔ وقت پر ادا نہیں کیا۔ اب دیکھئے ان دونوں کی دوستی اور محبت جو ہے ایک قرض کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے۔

اس نے کہا کہ یا امیرالمومنین! میں نے تو کبھی اس شخص کو قرض دیا نہ اس سے کبھی قرض لیا۔ ایسا میرا کوئی معاملہ اس کے ساتھ پیش نہیں آیا۔

آپؓ نے فرمایا کہ اچھا دوسرا سوال میرا یہ ہے کہ کبھی تم دونوں نے آپس میں مل کے سفر کیا ہے۔ اس لئے کہ سفر بھی ایسی چیز ہے۔ سفر کے معنی آتے ہیں پردہ اٹھانا، پردہ کھولنا۔ دو دوست جب آپس میں سفر کرتے ہیں تو حالت سفر سے معلوم ہو جاتا کہ اس کے کیا عادات ہیں۔ اس کی کیا حیثیت ہے۔ اس کا کیا کردار ہے سب کل کے سامنے آ جاتا ہے۔

اس نے کہا اے امیرالمومنین! میں نے اس کے ساتھ زندگی میں کبھی سفر بھی نہیں کیا۔

آپؓ نے فرمایا کہ اچھا تیسرا سوال یہ ہے کہ کہیں اس کے پڑوس میں رہنے کو تمہیں موقع ملا۔ اس لئے کہ پڑوس میں رہنا۔ میں کہاں سے آیا ہوں کس کو کیا معلوم کہ میری کیا عادتیں ہیں۔ میری کیا خصلتیں ہیں۔

اگر ایک شخص پڑوس میں رہتا ہو تو اس کے سارے معاملات کا علم ہو جاتا ہے کہ کیا اس کے معاملات ہیں کیا اس کی عادتیں ہیں۔ کیا اس کے اندر برائی ہے کیا اس کے اندر خوبی ہے۔

مثال کے طور پر اگر ایک پڑوسی نے دوسرے کے دروازے پہ مرغی ہوئی والی گھر میں سے اٹھائی، جا کر ڈال دی۔ پڑوسی اندازہ کرلے گا۔ کہ یہ جو میرے پڑوس میں رہ رہا ہے یہ اصل میں تعلقات قائم کرنے کے قابل نہیں ہے یا اتنا بد اخلاق ہے کہ اپنی مرغی ہوئی چیزیں میرے دروازے پہ ڈال رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں اس شخص نے کہا کہ ایسا موقع بھی کبھی پیش نہیں آیا۔

آپ دیکھئے حضرت عمر فاروقؓ ایک شخص کا فیصلہ فرما رہے ہیں لیکن یہ نہیں پوچھ رہے ہیں کہ تمہاری تسبیح میں دانے کتنے ہیں، تم کتنے نوافل پڑھتے ہو، تمہاری تلاوت قرآن کتنی ہے۔

آپؓ نے فرمایا کہ جس شخص کو تم گواہ بنا کے لایا تھا اس سے میاں تم تو یہ سمجھتے تھے کہ یہ بڑا دیندار ہے۔ دینداری کی جو علامتیں تھیں وہ تو میں نے پوچھ لیں۔ اس کے اندر تو کوئی علامت نہیں پائی جاتی معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کسی مسجد سے نکل رہا ہوگا تم دیندار سمجھ کے اس کو گواہی میں لائے ہو۔

آپ دیکھئے اسلام در حقیقت ہمارے اور آپ کے کردار کو سنوارنا چاہتا ہے۔ آپ کو معاملات کی تعلیم دے رہا ہے۔ لیکن اگر صرف عبادتوں کو اسلام سمجھ لیا جائے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہوگی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور فرمایا کہ۔ انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق۔

میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں اس لئے کہ تمہارے اخلاق کو میں سنواروں۔ تمہارے اندر کردار پیدا کروں۔ تمہاری سیرت کو اچھا بناؤں۔ آپ دیکھئے سیرت اور اخلاق یہ تو بڑا شجرہ ہے کہ اگر آپ سارے پھولوں کو سمیٹنا چاہیں تو شاید سمیٹ نہیں سکیں گے۔

کسی نے اپنی محرومی کا گلہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار — گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

چمن کے اندر پھول تو بہت ہیں لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ میرا دامن چھوٹا ہے۔

آج اخلاق میں سے ایک اخلاق ایسا ہے جس کی ضرورت زیادہ ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ جتنی اور اخلاقیات کی باتیں ہیں اور جتنے آپؐ کے ارشادات ہیں وہ سب کے سب نعوذ باللہ کوئی غیر ضروری ہیں نہیں۔ سب سے زیادہ ضرورت آج کے مسلمانوں کو جس ارشاد کی ہے۔

قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ تو آپؐ کا ارشاد ہے۔ آپ ذرا قرآن کریم پڑھئے کیا بیان فرمایا۔

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ (۳۳: ۵۷)

وہ لوگ کہ جو اللہ کو ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت بھیجتا ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ بھلا اللہ کو تکلیف کیسے ہو سکتی ہے اللہ کے تو کوئی جسم نہیں اللہ کے تو کوئی قالب نہیں۔ اللہ کے دل نہیں فرمایا۔

بری از پاک و ناپاکی ہمہ   وز گرانی جانی و چالاکی ہمہ

اللہ تعالیٰ جسم اور بدن سے بالکل پاک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ایذا اور تکلیف کب پہنچتی ہے۔ فرمایا کہ الخلق عیال اللہ یہ مخلوق خدا، یہ مخلوق جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ درحقیقت ایسے ہیں جیسے اللہ کی اولاد۔ یہ مخلوق اللہ کی نظر میں ایسی ہے جیسے باپ کی نظر میں اولاد ہوتی ہے۔

اگر باپ کے سامنے اولاد کو کوئی ترچھی نگاہوں سے دیکھتا ہے تو آپ ایمانداری سے بتائیے کہ آپ کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کوئی باپ یہ بات برداشت نہیں کرتا کہ میری اولاد کو کوئی ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے یا میری اولاد کو کوئی تکلیف پہنچائے۔

تو آپ بتائیے جب ساری مخلوق کی مثال، ساری مخلوق کی اذیت اللہ کی نظر میں ایسی ہے جیسے باپ کی نظر میں اولاد ہوتی ہے جس طرح بیٹے پر باپ کا دل رنجیدہ ہو جاتا ہے اولاد کو تکلیف پہنچانے سے اگر خلق خدا کو کوئی تکلیف پہنچائے گا تو یاد رکھئے اس نے خلق خدا کو نہیں بلکہ اللہ کو تکلیف پہنچائی فرمایا کہ۔

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ
(۵۶:۳۳)

کسی نے سچ کہا۔ فرمایا ؎

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اللہ کے بندوں سے اگر حسن سلوک کرو گے اللہ کی نظر میں تمہاری عزت بڑھ گی۔ تمہارا وقار پیدا ہو جائے گا اور اگر خلق خدا کو تکلیف پہنچائی تو یاد رکھئے وہ تکلیف اللہ کو ہوگی اور اس کے رسول کو آگے فرمایا۔

والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا. (۵۸:۳۳)

اور جو لوگ مومنین کو اور مومنات کو تکلیف پہنچاتے ہیں ایذا پہنچاتے ہیں اور یہ جو فرمایا بغیر ما اکتسبوا کسی قصور کی وجہ کے بغیر کسی سبب کے جو لوگ مومنین کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ فرمایا کہ انہوں نے ایک بہت بڑا وبال اپنے سر پر اٹھایا ہے۔

آپ دیکھئے میرے دوستو اور بزرگو! قرآن کریم ہمیں حق خدا کو ایذا اور تکلیف پہنچانے سے منع کر رہا ہے اور مومنین اور مومنات کو تکلیف پہنچانا بھی قرآن کریم کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ یہ تو قرآن کریم کی آیت تھی حدیث کو سنئے فرمایا۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (الحدیث)

بہترین درجے کا مسلمان وہ ہے۔ المسلم کا ترجمہ ہے بہترین اور کامل درجے کا مسلمان۔ بہترین اور کامل درجے کے معنی تو یہ ہوئے کہ اور نیچے کے بھی ہوں گے ظاہر ہے کہ ایک چیز اگر کامل ہے تو کامل کے مقابلے میں ناقص بھی ہوگی۔

ناقص مسلمان کون۔ علامہ اقبال کا شعر ہے۔ فرمایا ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل　　　دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ جب تک آپ اظہار نہ کریں اپنے عادات اور اپنے اطوار سے اپنے اعضاء سے۔ یہ نہ سمجھئے کہ ہمیں حق نہیں ہے کہ اپنے آپ کو کامل درجے کا مسلمان کہیں۔

فرمایا کہ بہترین درجے کا مسلمان کون؟ کہ جس کے ہاتھ سے اور زبان سے مسلمان اور دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔ آپ دیکھئے وہ قرآن کریم کا حکم ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اب آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگی اختیار کر لیجئے۔

میرے دوستو! اور بزرگو جب تک ہم اور آپ کسی نمونے کو اپنے سامنے رکھ کر نہ دیکھیں۔ ہمارے اندر بھی کوئی جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور دنیا کے سامنے مظاہرہ ایک طرف ہے وہ کس قسم کے کیسے ہی نمونے آپ کے سامنے پیش کریں۔ اس لئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ایسے نمونے تو آپ پیش کر رہے ہیں یہ در حقیقت چودہ سو سال پرانا نمونہ ہو گیا ہے چودہ سو سال میں تو کافی حالات بدل گئے ہیں۔ آج آپ نیا نمونہ لے کے آئیں یہ تو آپ نے بڑی

بات کہہ دی۔ لیکن ہم آپ سے سوال کرتے ہیں اگر کسی کلاس کے اندر ٹیچر نے بلیک بورڈ کے
اوپر کوئی صراحی کی تصویر بنائی اور اس نے طلباء سے یہ کہا کہ اپنے اپنے پرچے کے اوپر کاغذ کے
اوپر بعینہ اسی کی تصویر بنائیں تو بہت سے طلباء نے بنائی لیکن ایک صاحب جو ایک بڑے مفکر
بھی تھے۔ انہوں نے صراحی کی شکل بنانے کی بجائے صراحی کی تعریفیں لکھنی شروع کر دیں کہ صراحی
کا یہ فائدہ ہے یہ فلاں چیز سے بنی ہے یہ اس طریقے پر اس کی شکل وصورت بنی ہے یہ
سارے کے سارے اوصاف صراحی کے اس نے لکھ دیئے۔ استاد نے سب کی تصویریں
دیکھیں ان کا مقالہ بھی دیکھا۔ استاد نے یہ کہا کہ میں نے بعینہ اسکی ہی صراحی بنانے کو کہا تھا۔
میں نے تعریف کرنے اور اوصاف کرنے کو نہیں کہا تھا۔ استاد Reject کر دے گا۔

اگر آپ صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں کرتے رہے اور آپؐ کے صرف
محاسن بیان کرتے رہے آپ ان کی خوبیاں بیان کرتے رہیں۔ لیکن یاد رکھئے میرے دوستو!
کہ جس طریقے پر صراحی کی تعریفیں کافی نہیں تھیں اسی طریقے پر یہ تعریفیں اور محاسن بیان کرنا
کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اپنا نمونہ نہ بنا لیا۔

اور اگر کوئی کہتا ہے کہ صاحب! چودہ سو سال پرانا! اس پہ میرے والد صاحب (مولانا
احتشام الحق صاحب تھانوی) نے ایک مثال دی تھی۔ فرمایا کہ آپ ایک بڑا بہترین قسم کا کپڑا
لے کے آئے اور درزی کے پاس لے جائیں اور اچکن کا اپنا ایک نمونہ کھول کر درزی سے کہیں
اور تاکید کریں کہ میں جو نمونے کے طور پہ اچکن لے کے آیا ہوں بعینہ ایسی ہی اچکن سی دینا۔
لیکن وہ درزی بھی دراصل ہمارے ہی جیسا ذہن رکھتا تھا۔ اس نے یہ کہا کہ یہ میاں جو اچکن
لے کے آیا ہے یہ تو پتہ نہیں کتنا پرانا فیشن ہے ان کو تو معلوم ہی نہیں یہ تو بدذوق آدمی ہے۔ میں
نے کہا کہ آج کا جو فیشن ہے میں اس کے مطابق اچکن بناؤں گا۔ انہوں نے جدید فیشن پہ
اچکن بنا دی۔ مالک جب لینے کے لئے آئے اور اس نے دیکھا کہ میری مرضی کے مطابق اور
نمونے کے مطابق نہیں بنائی۔ اس نے وہ اچکن لے کے اس کے منہ پہ مار دی۔ اور یہ کہا کہ
ظالم میں نے تو یہ نمونہ پیش کیا تھا تو نے اپنے ذہن سے ایسا نمونہ کیوں بنا دیا۔

ہم اور آپ اپنے ذہن سے اپنی فکر سے اور اپنے سوچ سے اول تو کچھ نہیں سمجھتے۔ لیکن

اگر کوئی کرے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین نمونہ کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ یاد رکھئے۔ جب قیامت میں ہم یہ نمونہ لے کے جائیں گے جو شریعت کے مطابق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس طریقے سے منہ پر ماردیں گے اور فرمائیں گے کہ ہم نے جو نمونہ تمہیں پیش کیا تھا تم نے اس کے مطابق کیوں نہیں بنایا۔

ہم اور آپ کس طریقے پر اپنے آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنائیں اور غور کریں کہ کل کیسے ہو۔ آپؐ کا نمونہ کیسا ہے۔

حدیث میں آتا ہے آپؐ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے شکم میں تشریف رکھتے تھے اتنی تکلیف مجھے کبھی نہیں ہوئی جتنی اور خواتین کو عام طور پہ ہوا کرتی ہیں۔

وجہ کیا ہے رحمۃ للعالمین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے ہیں۔ آپ نے کئی غزوات میں بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ لیکن یہ لکھا ہے کہ آپ کی تلوار سے کبھی کوئی کافر بھی ہلاک نہیں ہوا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اتنے غزوات میں شرکت فرمائی لیکن آپؐ کے ہاتھ سے کسی کی جان ختم نہیں ہوئی۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جو منصب العین آپؐ لے کر آئے ہیں جو مشن آپؐ لے کے آئے ہیں یہ ہے کہ مخلوق خدا کو راحت اور آرام پہنچایا جائے۔ مخلوق خدا کو ہر قسم کی تکلیف کو دور کیا جائے۔ تو پھر اس کے ہاتھ سے کب کسی کی جان ختم ہو جائے۔

ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ سفر جہاد میں تھے صحابہؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ ایک مقام پہ جاکے آپؐ نے حکم دے دیا کہ یہاں پہ ڈیرہ ڈال دیا جائے۔ سامان کھول دیا جائے۔ آپؐ لکڑیاں تلاش کرنے گئے ہیں تھوڑی ہی دیر میں آپ آئے اور بڑے گھبرائے ہوئے ہیں صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا پریشانی ہے۔ فرمایا کہ تم جلدی جلدی اپنا اپنا سامان لپیٹو اور جلدی یہاں سے نکلو۔ میں ابھی جو لکڑیاں جمع کرنے کے لئے گیا تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اللہ کی مخلوق کے اندر سب سے زیادہ جو نازک مخلوق ہے میں نے چیونٹیوں کو دیکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بلوں کے اندر رہ رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم یہاں پہ رہو گے آگ جلاؤ گے تو ان کو تکلیف ہوگی ان کی جان ختم ہو جائے گی۔ فرمایا کہ

ان کی جان کو ختم کرنا ہمارے مشن کے خلاف ہے آپ تشریف لے گئے۔

جس کا مطلب یہ ہے۔ قرآن کریم بھی کہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشادات میں بھی فرماتے ہیں اور صرف فرماتے نہیں بلکہ عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں آج سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مصداق بن جائیں اس حدیث کے کہ فرمایا کہ نہ کسی کو اپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچاؤ نہ کسی کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاؤ اور فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

آپ سوچئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر اپنے ہاتھ سے اور نہ کسی کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچائی۔ اور زبان سے تکلیف عربی کا شاعر کہتا ہے کہ زخم اگر صرف تلوار سے لگے تو کوئی بات نہیں اس لئے کہ یہ زخم ایک دن ختم ہو جائے گا۔ یہ مندمل ہو جائے گا لیکن اس نے کہا کہ زبان اتنی ظالم چیز ہے کہ اگر اس سے کسی کو زخم لگ جائے تو ساری عمر کے لئے رہ جاتا ہے وہ ختم ہونے والا نہیں۔

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

جو زخم تیروں اور نیزوں سے لگتا ہے وہ زخم ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتا ہے لیکن فرمایا کہ جو زخم زبان کے ذریعے سے لگایا جاتا ہے وہ تا عمر ختم نہیں ہوتا۔ زبان سے تکلیف پہنچانے کی یہ صورتیں ہیں۔

کسی کو گالی دینا۔ کسی کو طعنہ دینا۔ کسی کے اوپر آوازیں کسنا یا اور اسی طرح پیچھے پڑ کسی کے ساتھ فحش کلامی کرنا۔ حدیث میں آتا ہے۔

ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش الخ۔

مومن کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ کسی کے ساتھ طعنہ زنی کرے وہ کسی کے اوپر لعنت بھیجے اور فرمایا کہ مومن کی یہ شان بھی نہیں ہے کہ وہ کسی کے ساتھ گالی گلوچ کرے۔

جس کا مطلب یہ ہے زبان سے تکلیف پہنچانے کی بھی کئی صورتیں ہیں ہاتھ سے بھی تکلیف پہنچانے کی کئی صورتیں ہیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ بتاتا ہے کہ آپ نے کبھی نہ کسی کو ہاتھ سے تکلیف پہنچائی نہ کسی کو زبان سے۔

لیکن زبان سے تکلیف پہنچانے میں ایک غیبت سب سے بڑا جرم ایک معصیت اور گناہ ہے

اور کئی گناہ ایسے ہیں کہ معاشرے سے اس کا احساس ہی ختم ہو گیا ہے۔ ہمارے معاشرے کے اندر بہت سے گناہ ہو رہے ہیں ہر قسم کے فواحش موجود ہیں۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ بھی آج موجود ہیں کہ گناہوں کے اوپر آہ کرنے والے ہیں اور اگر ساری کی ساری قوم خدانخواستہ گناہ کے اندر لگ جائے اور گناہ کو گناہ سمجھنے والا کوئی نہ ہو تو آپ دیکھئے کہ اللہ کی طرف سے قہر نازل ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے مختلف صورتوں میں عذاب نازل ہوتا ہے۔ آج اگر آسمان رکا ہوا ہے کس وجہ سے میں ابھی عرض کر رہا تھا۔ ایک اور بات ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری بہت سی بہنیں، ہم ان کے اوپر الزام نہیں لگاتے لیکن بہرحال یہ بے پردگی کی جو نافرمانی ہو رہی ہے اسلام کے حکم کے منافی ہے۔ اسلام کا حکم ہے آپ پردے میں رہیں پردہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا ہے۔ آپ اپنے آپ کو چھپالیں۔

لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اس پر کوئی خاص عمل نہیں ہے اور آج صرف یہ غیر مذہبی گھرانے کے اندر نہیں بلکہ ہم نے مذہبی گھرانوں کو بھی دیکھا ہے یہ لعنت وہیں بھی پہنچی ہے۔

ایسے حالات کو دیکھ کر دل رنجیدہ ہو جاتا ہے حساس آدمی کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی کوئی بات ایسی بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ ہمارے اندر مسرت کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔

اکبر آلہ آبادی نے کہا تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ اذان کی رسم ختم ہو گئی۔ دل بہت رنجیدہ ہے لیکن ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شعر انہوں نے کہا فرمایا کہ

آئی بنگلے میں مرے آج اذان کی آواز
اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اذان ختم ہو چکی تھی
آئی بنگلے میں مرے آج اذان کی آواز
جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے

یہ دیکھ کے ہمیں خوشی ہوتی ہے کہ کچھ لوگ اب بھی ایسے ہیں کہ ان کے دل میں اسلامی احکامات کا احترام موجود ہے۔

مشتاق احمد عفی عنہ

رویت ہلال کمیٹی اور اس کے فیصلوں کی شرعی حیثیت

مولانا احتشام الحق تھانوی چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی

ملک کے مختلف علاقوں سے بڑی تعداد میں ایسے خطوط اور مراسلے موصول ہوئے ہیں جنہیں مرکزی رویت ہلال کمیٹی اور اس کے فیصلوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں مختلف سوالات کئے گئے ہیں وہ تمام مراسلے تقریباً ایک ہی نوعیت کے ہیں اس کے لئے ایک عام وضاحتی بیان اخبارات کے ذریعے پیش کیا جا رہا ہے۔

مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا پس منظر

حصول پاکستان کے بعد ابتدائی چند سالوں میں سابق وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین نے ایک ہلال کمیٹی کراچی میں بنائی تھی جو شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا احتشام حسن چاند پوری اور راقم الحروف پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی کی حیثیت قانونی اور سرکاری نہیں تھی بلکہ نجی طور پر وزیر داخلہ کی سرپرستی اسے حاصل تھی دو تین سال کے بعد یہ کمیٹی شخصی امتیاز اور جماعتی انفرادیت کی نذر ہوگئی اور وحدت باقی نہیں رہی تاہم حکومت پاکستان جامع مسجد جیکب لائن میں ہونے والی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کو اہمیت دیتی رہی اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کے دور حکومت تک چاند کے مسئلے میں نہ کبھی فرقوں کے مابین کوئی اختلاف رونما ہوا اور نہ حکومت و علماء کے مابین کسی طرح کا اختلاف پیدا ہوا۔ ایوب خان کے دور حکومت میں جب نوکر شاہی کا پورا تسلط ہو گیا اور عائلی قوانین کے نفاذ پر پھر اختلاف ہو گیا تو بے دین نوکر شاہی نے علماء کے فیصلوں کو نظر انداز کرنے کے لئے چاند کا مسئلہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سابق ڈاکٹر فضل الرحمن ہزاروی

اور محکمہ موسمیات کے سپرد کر دیا۔ جس کے نتیجے میں حکومت اور علماء کے مابین چاند کے مسئلے میں اختلاف ہوا اور ملک میں بلکہ ہر شہر میں دو دو عیدیں ہوئیں۔

ایوب خان کی حکومت نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ وزیر داخلہ اے آر خان کی سرپرستی میں ایک سرکاری ہلال کمیٹی بنائی جس میں ایک مقامی عالم کو بھی شامل کیا گیا جس کے نتیجے میں پھر اختلاف رونما ہوا اور سرکاری ہلال کمیٹی کے فیصلے کو اس بنیاد پر علماء نے قبول کرنے سے انکار کیا کہ وزیر داخلہ چاند کے بارے میں شرعی فیصلے کے طریقے سے ناواقف ہیں اور جب تک ثبوت ہلال کا فیصلہ شرعی بنیادوں پر نہ ہو کسی بھی کمیٹی کا اعلان معتبر ہے اور نہ کسی سرکاری کمیٹی کا۔ ہماری جماعت نے اس شرعی موقف کا ساتھ دیا اور ہمیں فخر ہے کہ اس موقف کی وجہ سے ہمیں جیل خانے کی سعادت بھی حاصل ہوئی غیر شرعی سرکاری کمیٹی کی مسلسل ناکامی پر حکومت نے اسے توڑ دیا یہاں یہ بات خاص طور پر سمجھنے کی ہے کہ ہمارے اس موقف کی بنیاد اس پر نہیں تھی کہ حکومت کو چاند کے اعلان کا حق نہیں ہے بلکہ اس پر تھی کہ ثبوت ہلال کا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق نہیں ہوا ہے کیونکہ وزیر داخلہ شرعی شہادت اور نصاب شہادت جیسے مسائل سے نابلد ہیں شریعت کے مطابق ثبوت ہلال کا فیصلہ اصل بنیاد ہے اور اعلان کا مسئلہ ثانوی ہے۔

حصول پاکستان کے چھ سال بعد ۱۹۵۳ء میں رویت ہلال کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے ماہرین شریعت علماء کرام اور مفتیان عظام کا ایک اجتماع مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں ہوا اور اس پر برصغیر ہند و پاکستان کے ہر مکتب فکر کے علماء کے دستخط ہیں۔ یہ فتویٰ مفتی رشید احمد صاحب کی ترتیب دی ہوئی کتاب احسن الفتاویٰ میں موجود ہے جو پاکستان میں آسانی سے مل جاتی ہے۔

فتویٰ کے بعض اجزا اقتباس کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں۔

دفعہ ۳۔ مجلس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اگر جماعت علماء مجاز کے سامنے احکام شرع کے تحت ہلال صوم یا فطر ثابت ہو جائے اور اس کا اعلان ریڈیو میں حاکم مجاز کی طرف سے ہو تو حدود ولایت میں سب کو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

دفعہ ۸:۔ اختلاف مطالع صوم و فطر میں معتبر نہیں ہوگا بشرطیکہ دوسری جگہ ثبوت رویت

بطریق موجب ہوا اس فتوے پر جن بیالیس علماء کے دستخط ہیں ان کے قابل ذکر نام یہ ہیں۔

مفتی محمود صاحب قاسم العلوم ملتان، مفتی عبداللہ صاحب خیر المدارس ملتان، مولانا خیر محمد صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک، مفتی مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، مفتی رشید احمد صاحب، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا سعید احمد صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا سید مسعود علی قادری مدرسہ انوار العلوم ملتان، مولانا ابوالحسنات قادری صاحب، مولانا محمد مصطفےٰ الازہری صاحب کراچی۔

پھر ۱۹۶۲ء میں چار ممتاز علماء دین مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب اور مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے دستخطوں سے ایک تحریر حکومت پاکستان کو بھیجی جو ماہنامہ "البلاغ" کراچی بابت ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ کی اشاعت میں چھپ چکی ہے اس تحریر میں علماء پر مشتمل ایک مرکزی ہلال کمیٹی کی تشکیل اور پورے ملک میں اس کے فیصلے کے نفاذ کی سفارش کی گئی تھی جس کی بناء پر حکومت کی طرف سے قومی اسمبلی میں مرکزی نمائندوں کی رائے سے ہر مکتب فکر کے علماء پر مشتمل مرکزی رویت ہلال کمیٹی وجود میں آئی اس کے نام بھی اراکین اسمبلی نے خود تجویز کئے اس وقت ملک کے کسی عالم اور کسی مسلمان نے اس پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ پورے ملک میں کیسے نافذ ہو سکتا ہے۔

چنانچہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۸ اگست ۷۴ء میں برصغیر ہندو پاکستان کے اکابر علماء کے متفقہ فیصلے کو اپنے طریق کار کی بنیاد قرار دیا اور یہ بھی اعلان کیا کہ رمضان و عیدین کے چاندوں کے بارے میں ثبوت ہلال کی بناء حسابی نظام قمری تقویم یا آلات جدیدہ کی تحقیق پر نہیں ہوگی بلکہ عینی رویت اور شہادت کے شرعی اصول پر ہوگی۔

اب ملک کے ہر مکتب فکر کے ممتاز علمائے دین کے واضح فتوؤں اور فیصلوں کے بعد بھی یہ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ۔

۱۔ ایک مقام میں رویت ہلال کا فیصلہ پورے ملک پر کیسے نافذ ہو سکتا ہے۔

۲۔ ریڈیو وغیرہ کی خبر معتبر نہیں ہے۔

۳۔ رویت ہلال کمیٹی کے ارکان قابل اعتماد نہیں وغیرہ وغیرہ۔

پہلے دونوں اعتراض رویت ہلال سے متعلق شرعی اصولوں سے ناواقفیت پر مبنی ہیں کیونکہ برصغیر ہندو پاک کے ممتاز علماء کے فتووں سے اور ممتاز علماء پاکستان کی تصریح سے یہ بات طے ہوگئی کہ اختلاف مطالع شرعاً معتبر نہیں ہے اور حکومت کی نمائندہ کمیٹی کا فیصلہ پورے ملک کے لئے واجب العمل ہوگا اور ریڈیو سے جو چیز نشر ہو رہی ہے وہ ثبوت ہلال کا شرعی فیصلہ ہے شہادت نہیں ہے حدود پاکستان میں جہاں فیصلے کا اعلان پہنچے اس پر شرعاً عمل کرنا واجب ہے۔ اس مرکزی ہلال کمیٹی کے قیام سے پہلے جو ایک مقام کی رویت کو پورے ملک کے لئے تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ سرکاری ہلال کمیٹی شرعی معیار کے مطابق نہ تھی اور کسی ٹی وی یا رویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ شرعاً پورے ملک کے لئے واجب العمل نہیں ہوتا۔

ماہ رمضان کے چاند کے سلسلہ میں مرکزی رویت ہلال کمیٹی کی ذیلی کمیٹی کراچی میں ثبوت ہلال کا شرعی فیصلہ دیا تھا جو اکابر علماء کے فتاویٰ کے مطابق اور ہمارے طے شدہ طریق کار کی رو سے اعلان کے لئے کافی تھا تاہم کراچی کے مختلف علاقوں سے بھی بہت بڑی تعداد میں مبنی رویت کی شہادتیں مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے سامنے پیش ہوئیں اور دور دور سے گواہوں کے پہنچنے اور شہادتوں کے قلم بند کرنے کی بناء پر بھی فیصلہ میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

شرعی تقاضوں کی روشنی میں ہر مکتب فکر کے علماء پر مشتمل مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلے سے علماء نے اختلاف کیا اور روزہ نہیں رکھا انہوں نے برصغیر ہندو پاکستان کے اکابر علماء کے فتاویٰ سے روگردانی کر کے شریعت اسلامیہ کی مخالفت کی اور روزہ نہ رکھ کر شعائر اسلام کی بے حرمتی کی ان پر توبہ اور روزہ کی قضا لازم ہے۔

نظریہ پاکستان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

نظریہ پاکستان

دو لفظوں کی یہ مرکب اصطلاح عوام و خواص میں جتنی زیادہ مشہور اور ملک کی موجودہ سیاست کا جس قدر اہم محور ہے اتنی ہی اس کی حقیقت سے ناواقفیت اور اس کے تاریخی پس منظر سے بے خبری انتہائی افسوسناک ہے۔ بلکہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں قائد اعظم مرحوم کے رفقاء میں سے بعض کی غلط بیانی یا سرے سے نظریہ پاکستان کی نفی اور بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ اصل میں نظریہ کا لفظ نظریہ عمل کے مقابلہ میں غور و فکر کے معنی میں آتا ہے نظریہ سے وہ سوچے اور غور کئے ہوئے اصول ہوتے ہیں جن کی حیثیت بنیادی ہوتی ہے اور جن پر عملی نظام کی عمارت قائم کی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آسمانی دین و مذہب میں بنیادی عقائد کی حیثیت ہوتی ہے وہ عملی زندگی کا محور ہیں اور جائز و ناجائز کی تمام قدریں اس کے گرد گھومتی ہیں۔ اس لئے کسی دین و مذہب کو بالخصوص اسلام کو نظریہ سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اسلام انسانی فکر اور سوچ بچار کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ براہ راست خدا کی وحی اور اس کی ہدایت پر مبنی ہے۔ اسی طرح لفظ پاکستان بھی درحقیقت کسی علاقہ، کسی ملک اور جغرافیائی وطن کا نام نہیں ہے۔ بلکہ پاکستان ہندوستان کے مسلمانوں کی اس تحریک کا نام ہے جو آزادی ہند کی ہندو مسلم مشترک جدوجہد میں ہندو قوم کی رام راجی ذہنیت سے بیزاری کی وجہ سے بیسویں صدی کے وسط کے قریب شروع ہوئی اور اس تحریک کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ملک کا نام بھی اس تحریک کے نام پر رکھ دیا گیا تاکہ قالب و روح یکجا ہو جائیں۔ چنانچہ نظریہ پاکستان سے وہ بنیادی اصول اور بنیادی مقصد مراد ہیں جن پر تحریک پاکستان اٹھائی گئی اور جن کی بناء پر ہندوستان کے ان مسلمانوں نے بھی قربانیاں دیں جن کو یقین تھا کہ وجود میں آنے والا ملک ان کے علاقہ میں نہیں ہوگا۔ اس تحریک کی ابتداء اس وقت ہوئی جب ہندو مسلمان دونوں نے کانگریس کے ذریعہ برطانوی راج کے خلاف بھرپور جدوجہد کی اور اس برصغیر کو انگریز کے ہاتھ سے آزاد کرانے کا عزم کیا اور دوسری جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامی سیاست کے حالات بھی تیزی سے بدل رہے تھے

اور برطانوی استعمار کی بالادستی ختم ہو رہی تھی آزادی ہند کی مشترکہ جدوجہد کے دوران ہندو ذہنیت کے پردے چاک ہوتے گئے اور یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ ہندو قوم ہر لحاظ سے مسلمانوں کی بدترین دشمن ہے اور ملک کی آزادی کے بعد اپنی پست ذہنیت اور دام رامائی منصوبہ کا اعلان کر کے رہے گی یہیں سے دو قومی نظریہ پوری قوت سے ابھرا اور مسلمانوں نے برملا اپنی قومی وحدت کے تحفظ کا اعلان کر دیا چنانچہ قائد اعظم نے اپنی سیاسی بصیرت سے بیک وقت دو دشمنوں یعنی انگریز اور ہندو قوم کے سامنے پاکستان کا مطالبہ پیش کر دیا اس مطالبہ کی بنیاد یہ تھی کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ دین و مذہب تہذیب و تمدن اور ثقافت و روایت میں ہندو قوم سے کسی قسم کا رابطہ و اشتراک نہیں رکھتے۔ اس لئے اس برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ علاقہ چاہئیے۔ جہاں وہ آزادی کے ساتھ اسلام کے اصولوں پر عمل کر سکیں اور انہیں اسلامی ثقافت کے احیاء میں پوری آزادی ہو انگریز کے جانے کے بعد مشترکہ ہندوستان میں اس کا کوئی امکان نہیں تھا چنانچہ مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان کے ذریعہ اپنے عزم کا اظہار کر دیا اسلام کے نام پر ایک نئی مملکت کے مطالبہ نے پوری قوم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور محض اسلام کے اقتدار کا تصور ہی تھا۔ جس نے مسلمانوں میں بے نظیر اتحاد اور بے مثال جذبہ قربانی کی روح پھونک دی۔ اور مسلمانوں نے اس کو اپنی زندگی و موت کا مسئلہ بنا لیا آخر کار اس نظریہ کی بنیاد پر ایک الگ مملکت پاکستان کے مطالبہ نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ مخالفین اور درپردہ سازشوں کے باوجود ہندو اور انگریز کو اس کی معقولیت کے سامنے جھکنا پڑا اور تقسیم ہند کی تجویز پاس ہو گئی اور بے حساب مال و املاک لاکھوں جانوں اور بے شمار عصمتوں کی قربانیوں کے بعد محض اسلام کے اصول اور منصوبوں کو بروئے کار لانے کے عظیم مقصد کی خاطر دنیا کی یہ سب سے بڑی اسلامی ریاست وجود میں آئی اس لئے جب ہم نظریہ پاکستان کہتے ہیں تو ایک ایسی مملکت مراد ہوتی ہے جس میں کتاب و سنت کی روح متحرک ہو اور جس میں جغرافیائی لسانی اختلافات اور قومی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی صورتوں کی کوئی گنجائش نہ ہو اس نظریہ کی بنیاد چونکہ کتاب و سنت کے اصول و مبادی پر قائم ہے اس لئے اس میں نہ ترمیم و تنسیخ کی گنجائش ہے اور نہ کسی ایک یا چند مادہ پرست مفکرین کے نظریات کو اپنانے کی پاکستان کی

تحریک اور اس کے وجود و قیام کی کامیابی میں جو نظریہ کار فرما تھا وہی اس کی بقا اور سالمیت و استحکام کا بھی ضامن ہے۔ اسلام کے نام پر ملک حاصل کیا گیا اور اسلامی اصول و ضوابط ہی اس کی عزت و وقار اور سربلندی کی علامت ہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کی حفاظت ہمارا دینی فرض ہے۔ اس نظریہ سے ہٹ کر کسی ازم کو یا کسی نظریہ کو اپنانا گویا اسلام میں نقص و کوتاہی کا اعلان کرتا ہے۔ الحمدللہ مسلمانوں میں ابھی اسلامی شعور باقی ہے۔ انہیں اس نظریہ سے نہ صرف جذباتی بلکہ ایمانی وابستگی بھی ہے۔ جو لوگ کسی بیرونی سازش کا شکار ہو کر یا دین کو نجی معاملہ سمجھ کر غیر اسلامی نظریات کی تبلیغ کر رہے ہیں وہ در حقیقت پاکستان کے نظریہ سے غداری کر رہے ہیں وہ کسی اور ملک کے دوست تو ہو سکتے ہیں لیکن پاکستان کے دوست نہیں کہلا سکتے۔ انشاءاللہ نظریہ پاکستان کو سربلندی حاصل ہو گی اور اسلامی اصول و قوانین پر یہ ریاست قائم ہو کر رہے گی۔

(ہفت روزہ صوت الاسلام، لاہور)

اسلام اور سوشلزم

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اسے اسلام کے لئے ہی حاصل کیا گیا تھا۔ علمائے اسلام نے اسی مقصد کی خاطر تحریک پاکستان کی حمایت کی تھی کہ اس خطہ ارض میں اسلام کا پرچم سربلند ہوگا لیکن کچھ عرصے سے لادینی اور سوشلسٹ عناصر نے اس طرح پر پرزے نکالے ہیں کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے یہ عناصر بیس بائیس برس تک زیر زمین کام کرتے رہے اور لیکن اس وقت جب عوامی تحریک نے ایوب خان کی آمریت کی کمر توڑ دی تھی۔ پوری تحریک کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔

اب یہ مغالطہ پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سوشلزم اور اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ بس دونوں کا نام مختلف ہے لیکن اسلامیان پاکستان کبھی اس فریب میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔ وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام اور سوشلزم دو متضاد و باہمی مختلف طریقہ ہائے زندگی ہے سوشلزم اور کمیونزم کا تو آغاز ہی انحراف مذہب سے ہوتا ہے۔ اس لئے دینی اور لادینی نظام ایک نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں کے امتزاج کی کوئی صورت ممکن نہیں جب تک کہ سوشلزم یا اسلام دونوں میں سے کسی ایک کے مفہوم میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ دین خداوندی ہے کسی شخص کو اس میں سرمو تبدیلی کرنے کی بھی جرات نہیں ہو سکتی جو ایسا کرنے کی جسارت کرے گا وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا۔ جہاں تک سوشلزم کا سوال ہے اس کے نظریات میں تبدیلی کا حق بھی اس کے بانیوں کو ہی پہنچتا ہے مقلدین کو نہیں کسی بھی نظریے میں اس کی تقلید کرنے والے من پسند کی ترمیم نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس میں بھی ایسی کوئی گنجائش پیدا نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اس قسم کے دعوے اور باتیں کرتے ہیں وہ محض فریب دینے کے لئے یہ سوشلسٹوں کا ایک ہتھکنڈہ ہے جس سے وہ ملت اسلامیہ کو بیوقوف بنا کر اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں لیکن انشاء اللہ انہیں اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔

اسلام سوشلزم کی اصطلاح

بعض حلقوں کی طرف سے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح وضع کی گئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسے محض اسلام کے معاشی انصاف پر زور دینے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے ہوسکتا ہے کہ بعض نوجوان ایسا نیک نیتی سے سمجھتے ہوں۔ ان کے پیش نظر صرف معاشی انصاف ہی ہو ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا جب اسلام کے دامن میں ہر چیز موجود ہے تو پھر وہ ایک نئی اصطلاح گھڑنے کے تکلف میں کیوں پڑتے ہیں۔ حضور اکرم کا اسوہ حسنہ سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کے ساتھ کسی چیز کا پیوند لگانے کی دین حق میں قطعاً کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔

اسلام دنیا کے کسی ازم کے ساتھ قطعاً کوئی سمجھوتہ نہیں کرسکتا۔ لادینی نظاموں کی تو بات ہی کیا۔ حضورؐ نے تو دوسرے مذاہب (جو کم از کم خدا کے وجود کے تو قائل ہیں) کے عقائد کے ساتھ پیوند کاری سے گریز کیا جب حضور اکرمؐ مدینہ طیبہ پہنچے تو دریافت فرمایا کہ عاشورہ کے دن یہود روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اس روز ان کے عقیدے کے مطابق حضرت موسیٰ اپنی قوم کو فرعون کے چنگل سے چھڑا کر لائے تھے اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اس خوشی کو منانے کے ہم زیادہ حقدار ہیں لیکن ملت یہود اور امت اسلامیہ کے امتیاز کو برقرار رکھنے کے لئے ہم نو اور دس یا دس اور گیارہ تاریخ کا روزہ ملا کر رکھیں گے تاکہ دنیا کو یہ شبہ نہ ہونے پائے کہ اسلام کی عبادات اور اہل یہود کی عبادات یکساں ہیں۔

ایک مثال اور ملاحظہ ہو اسلامی عبادات میں سجدے کو بڑی اہمیت حاصل ہے ہمارے عقیدے کی رو سے سجدہ وہ عبادت ہے جس میں ایک بندہ اپنے خدا سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس کے باوجود دین توحید نے آفتاب کے طلوع، غروب اور زوال کے وقت سجدہ کرنے کو ممنوع اور حرام قرار دے دیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ دنیا کی وہ مشرک قومیں جو سورج کی پرستش کرنے والی ہیں وہ ان تین اوقات میں سورج کی پوجا کرتی ہیں اسلام نے مشرک قوموں سے امتیاز قائم رکھنے کے لئے ان اوقات میں سجدے کو ہی حرام

قرار دے دیا ان دونوں مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام دنیا کے کسی دوسرے مذہب کی خصوصیت کو اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں حالانکہ مذہب میں خدا کا تصور تو بہر حال موجود ہوتا ہے تو پھر کسی لادینی اور لامذہبی نظام کے کسی جز کو اسلام کی غیرت کس طرح قبول کر سکتی ہے جب کہ سرے سے اس کا دین ہی سے تعلق نہ ہو۔

نوجوانوں اور قائدین میں فرق

جیسا کہ میں نے عرض کیا بعض نوجوان تو نیک نیتی کے ساتھ اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگا سکتے ہیں لیکن ان کے قائدین کی نیت میں نیکی نہیں فتور ہے ان کی زندگیوں اور کردار کی طرف دیکھئے تو ان کا جھوٹ خود بخود دم توڑ دے گا۔ وہ نام تو اسلامی سوشلزم کا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد اسلامی معاشی انصاف ہے لیکن ان کی زبان سے ماؤ کے اقوال جھڑتے ان کے رسالوں میں روس اور چین کو نمونہ بنا کر پیش کیا جاتا اور ان کے جلسوں میں نعرہ تکبیر سے بھی چڑ محسوس کی جاتی اور لا الہ الا اللہ کے نعروں پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ وہ شعائر اسلامی کا مذاق اڑاتے ہیں چیئرمین ماؤ کی نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے اسی کی ادائیں اپناتے اور زبان سے پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام کی سربلندی کے لئے ہی وقف ہیں تو پھر مجھے بتلایا جائے کہ غیر اسلام کسے کہتے ہیں۔ لادینی کیا ہے اور بے راہ روی کس چیز کا نام ہے اسلامی سوشلزم کے نعرہ کو بے ضرر سمجھنے والے نیک نیت نوجوان جن کے دل میں اسلام کی محبت بھری ہوئی ہے ذرا ان قائدین کو دیکھیں ان کی زندگیوں کا جائزہ لیں تو انشاء اللہ دور سے قریب آ کر دیکھیں گے ان پر اس نعرے کا فریب خود بخود واضح ہو جائے گا۔

نفرت انگیزی کی مہم

بعض حلقوں کی طرف سے علمائے اسلام پر یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلام کے نام پر نفرت انگیزی کی مہم چلا رہے ہیں یہ ایک صریح جھوٹ ہے اسلام محبت اور اخوت پر زور دیتا ہے دوسری طرف لادینی عناصر کی بنیادی نفرت پر ہوتی ہے نفرت انگیزی کی مہم وہی چلاتے ہیں اور یہ ان کی ایک پروپیگنڈا تکنیک ہے کہ جرم تو خود کرو۔ الزام دوسروں کے سر

تصوب دوں میں کسی مخصوص جماعت یا گروہ کی نہیں پورے علماء اسلام کی بات کر رہا ہوں کہ
وہ نہ تو اس طرح کی کوئی مہم چلا رہے ہیں اور نہ ہی اس میں کوئی افادیت سمجھتے ہیں۔ نفرت
انگیزی تو سوشلسٹ ہیں جو ملک کی نظریاتی بنیادوں پر ضرب لگانا چاہتے ہیں ہم اپنے اساسی
نظریات کی بیخ کنی گوارا تو نہیں کر سکتے کیا سوشلسٹ حضرات یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہماری
قدروں اور ملی شعائر کے خلاف نفرت پھیلاتے رہیں لوگوں کے جذبات بھڑکاتے رہیں اور
ہم حجروں میں بند ہو کر کانوں میں روئی ٹھونس کر بیٹھ جائیں ان کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہوگی
علمائے اسلام نے ہر دور اور ہر زمانے میں اسلام کا پرچم بلند رکھا ہے وہ اسی کسی طور اور کسی
حال میں بھی جھکنے نہیں دیں گے۔ یہ پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہوگا۔

جماعت اسلامی، سوشلزم اور اسلام

میں یہ بات محسوس کر رہا ہوں کہ سوشلسٹ حضرات نے اسلام کو جماعت اسلامی کے
ساتھ مخصوص کر رکھا ہے وہ اسلام پر براہ راست حملہ کرنے کی جسارت تو نہیں کر سکتے اس
لئے جماعت اسلامی، ... کو گالی دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں وہ لوگوں میں یہ تاثر
پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ صرف جماعت اسلامی ہی سوشلزم کی مخالفت کر رہی ہے
یہ یقیناً ایک بہت بڑا جھوٹ ہے علمائے اسلام نے تو مولانا عثمانی مرحوم کی زیر قیادت اس
وقت لادینی قوتوں کے خلاف جد و جہد کا آغاز کیا تھا جب جماعت اسلامی کا کہیں نام تک نہ
تھا۔ پاکستان کا صحیح الفکر عالم دین سوشلزم کا مخالف ہے اس سے کوئی بھی سمجھوتہ نہیں کر سکتا وہ
علماء جنہوں نے مولانا شبیر احمد عثمانی" کی قیادت میں پاکستان کے حصول کے لئے جد و جہد
کی تھی ان کا فرض ہے کہ اب سوشلزم کے فتنے کو کچلنے کے لئے بھی کمر ہمت کس لیں اس
سلسلے میں مولانا ظفر احمد عثمانی کو پہل کرنی چاہئے کہ جمعیت العلمائے اسلام میں مولانا شبیر
احمد عثمانی کے بعد انہی کی ذات سب سے زیادہ مکرم اور مقتدر ہے جمعیت العلمائے اسلام کے
نام سے جو لوگ سرگرم ہیں انہیں تحریک پاکستان سے دور کا بھی واسطہ نہیں یہ سب نظریہ
پاکستان کے دشمن تھے انہی لوگوں سے ہم نے مولانا شبیر احمد عثمانی کی زیر قیادت جنگ لڑی

تھی۔ اب انہوں نے جمعیت العلمائے اسلام کے نام پر ہی قبضہ کر لیا ہے۔ اس وقت تحریک پاکستان سے بھی زیادہ فیصلہ کن مرحلہ درپیش ہے۔ اب ہمیں نظریہ پاکستان کے بقاء کی جنگ لڑنی ہے جو تحریکی علماء نے اس نظریے کی ترویج کی کے لئے اس وقت بھی کوشش کی تھی جب ہم پاکستان کی جنگ لڑ رہے تھے اور وہ آج بھی اپنا وزن اسی نظریے کے مخالفین کے پلڑے میں ڈال رہے ہیں جمعیت العلمائے اسلام کے بانیوں اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے نام لیواؤں کا فرض ہے کہ وہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

علماء اور سرمایہ داری

علماء پر ایک الزام ایک مخصوص ذہن کے حامیین کی طرف سے بار بار یہ لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے سرمایہ داری نظام کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا اور گذشتہ بیس برس تک انہوں نے اس کے خلاف کوئی مہم نہیں چلائی۔ حالانکہ علماء کی طرف سے بار بار اس بات کا اعلان کیا جاتا رہا ہے اور کیا جا رہا ہے کہ ہمارے نزدیک سرمایہ داری بھی ویسی ہی لعنت ہے جیسی سوشلزم۔ فرق صرف یہ ہے کہ سرمایہ داری کی انتہا مارکسزم ہے جب یہ ہوتی ہے اور سوشلزم کی ابتداء مارکس سے ہوتی ہے جب پاکستان قائم ہوا تو علماء نے اپنی پوری کوششیں اسلامی دستور کی تدوین کی طرف لگا دیں ہمیں نے ۱۹۵۰ء میں ہر مکتب فکر کے علماء کا کنونشن کراچی میں طلب کر کے متفقہ دستوری سفارشات پیش کی تھیں ۱۹۵۶ء میں ہمیں ایک دستور دیا گیا جو آئیڈیل تو نہ تھا لیکن غنیمت ضرور تھا اس طرح ہماری جدوجہد کا ایک مرحلہ ختم ہو گیا ہمارا خیال تھا کہ اب آزادانہ انتخابات منعقد ہوں گے اور یوں ایک پاکیزہ جمہوری معاشرہ قائم ہو جائے گا جس میں ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں اپنے تمام مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

لیکن بدقسمتی سے منسوخ شدہ ۱۹۵۶ء کے آئین کو کام کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور ملک پر ایوب خان کی آمریت مسلط ہو گئی۔ اب اس سے گلو خلاصی ہوئی ہے تو ہم انشاء اللہ اسلامی اصولوں کے مطابق معاشی اور دوسرے تقاضوں کے قابل عمل خاکے مرتب کریں گے۔

ویسے اگر میں یہ بات عرض کروں تو بے جا نہیں ہو گا کہ سرمایہ داری کو اس ملک میں

مضبوط کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ نوکر شاہی اور سوشلسٹ حضرات کا ہے جب پاکستان قائم ہوا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ سوشلسٹ تحریک کا مستقبل برصغیر کے اس حصے میں تو تاریک ہو گیا ہے اس پر سوشلسٹوں نے معاشرے کو افراتفری میں مبتلا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے بیوروکریسی میں اپنے آدمی گھسیڑے۔ نوکر شاہی کے لادین ذہنوں کو خریدا اور پوری کوشش کی کہ اس ملک پر سرمایہ داری کا قبضہ سخت سے سخت تر ہو جائے۔

انہیں یہ بات معلوم تھی کہ سرمایہ داری کا رد عمل افراتفری کی صورت میں ہی ظاہر ہوگا صنعت کاروں اور مزدوروں نیز معاشرے کے دوسرے طبقات کے درمیان نفرت کی دیواریں حائل ہو جائیں گی اور نفرت کے اس ماحول اور فضا میں سوشلزم کا نعرہ لگا کر غریبوں اور محنت کشوں کو اپنے پیچھے لگایا جائے گا دنیا بھر میں جہاں بھی سوشلسٹ انقلابات آئے ہیں وہ اسی فضا میں برپا ہوئے ہیں۔ یہ نظریہ نفرت ہی کے ماحول میں پروان چڑھتا ہے چنانچہ بیوروکریسی کے لادین اور سوشلسٹ عناصر نے سرمایہ داری کو فروغ دینا شروع کیا۔

عام انتخابات نہ منعقد ہونے دیئے اسلامی دستور کی راہ میں روڑے اٹکائے اور پھر ایوب خان کی آمریت کے دست راست بن کر اپنے نظریے کو فروغ دینے کے طویل المیعاد منصوبے پر عمل کرتے رہے...... اس طرح ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت پاکستان میں سوشلزم کو مقبول بنانے کی سعی کی گئی ہے کیونکہ علمائے اسلام کی موجودگی میں یہ حضرات عامۃ الناس میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکتے اس لئے ان پر سرمایہ داری کی حمایت کا سراسر جھوٹا اور بے بنیاد الزام تھوپ رہے ہیں۔

ان عناصر کے مستقل سدباب کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح بدعنوان عناصر کے خلاف تطہیر کی مہم شروع کی گئی ہے.... اسی طرح ان افسران کا بھی پتہ چلایا جائے جنہوں نے وطن عزیز کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی سعی کی۔ درسگاہوں ذرائع نشر و اشاعت اور ایسے دوسرے تمام محکموں سے ان عناصر کو نکال باہر کرنا ضروری ہے بعض لوگ اس سلسلے میں شور مچا رہے ہیں اور ہمارے اس مطالبے کو سراسر غیر انسانی فعل قرار دے رہے ہیں ان انسانیت نوازوں سے کوئی پوچھے کہ اگر کوئی راشی بدمعاش اور خیانت کار افسروں کے خلاف کارروائی کے خلاف شور مچائے تو کیا اسے حق بجانب سمجھا جائے گا اگر جواب نفی

میں ہے تو پھر نظریاتی خیانت کا درس دو، خدا اور رسول کی تعلیمات کے خلاف نفرت
پھیلانے والوں کو کیونکر معاف کیا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو سزا دینا غیر انسانی نہیں سراسر
انسانی فعل ہے۔ ان لوگوں نے تحریک پاکستان کے مقاصد کو پس پشت ڈالا اور ملت
اسلامیہ سے اس کا نصب العین چھیننے کی سعی کی ہے اس کی انہیں مزید اجازت ہرگز ہرگز
نہیں دینی چاہیے۔۔ سزا کے مستحقین کو چھوڑ دینے سے معاشرے کا نظام درہم برہم ہو
جائے گا یہاں یہ بات طے ہو جانی چاہیے کہ ہم تمام آزادی اور ترقی پسندی کے نام پر کسی
کو اپنے عقائد اور نظریات سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ جن لوگوں کی عقل میں
یہ معمولی سی بات بھی نہیں آتی وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکے ہیں اور دانستہ یا نادانستہ ان عناصر
کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں جو اس ملک کی نظریاتی سرحدیں ڈھانا چاہتے ہیں۔

علماء کا کنونشن

انشاء اللہ بہت جلد مختلف مکاتیب فکر کے علماء کا ایک کنونشن طلب کیا جائے گا۔ جس میں
اسلامی معاشی نظام کو ایک متفقہ اور مربوط خاکے کی شکل میں پیش کیا جائے گا جس طرح ۱۹۵۱ء میں علماء
نے دستوری مسائل پر ایک متفقہ فارمولا تیار کیا تھا اسی طرح اسلامی معاشی نظام بھی مرتب
کر لیا جائے گا ہم سوشلزم کا چیلنج قبول کرتے ہیں اور اسے یہاں دفن کر کے دم لیں گے۔ یہ
ملک اسلام کے لئے بنا ہے اور انشاء اللہ یہاں اسلامی حکومت قائم ہو کر رہے گی اور اسلامی
معاشرہ جنم لے کر رہے گا۔

مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کی مجلس شوریٰ میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا احتشام الحق تھانوی کا خطاب

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اللهم
فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم
بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون اما بعد

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ہمارا ادارہ جمعیت علماء اسلام جس نے تقریباً ابتداء ہی سے شامل
رہ کر خدمت میں بڑی محدود مگر انجام دیتا رہا اور مشرقی جمعیت پیدا کی کہ اسلام کے تحفظ

علمی مسائل کو مقصد زندگی بنا کر اس میں زیادہ سے زیادہ مسلم جماعتوں کا اشتراک و تعاون حاصل کیا جائے خصوصاً مختلف مکاتب فکر کے علماء کو اسی مقصد پر جمع کیا جائے فروعی اختلافات کو صرف حلقۂ درس اور فتویٰ کی حدود تک رکھا جائے، اخبارات اور عوامی جلسوں میں یہ بحثیں نہ اٹھائی جائیں۔ کیونکہ پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کو اس وقت کفر و الحاد کے جن فتنوں سے سابقہ پڑا ہوا ہے ان کا سیلاب طوفانی رفتار سے بڑھ رہا ہے۔ ملک کی دینی جماعتوں میں کوئی بھی تنہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اسی لئے علماء کے افتراق کو کسی قیمت پر برداشت کرنا گوارا نہ تھا یہی وجہ تھی کہ جب ملتان میں کچھ حضرات نے اصلی جمعیت کے بالمقابل ایک نئی جمعیت کھڑی کر دی تو باہمی مذاکرات اور مکاتبات کے ذریعہ اس افتراق کو مٹانے کی کوشش تو عرصہ دراز تک جاری رکھی مگر اخباری بیانات سے احتراز کیا اور جب دوسری طرف سے اشتراک عمل کی ہر کوشش ناکام کر دی گئی اس وقت بھی اظہار مخالفت سے سکوت کو اسلم سمجھا اور اصلی جمعیت کئی سال اسی سکوت کے عالم میں رہی۔

یہ نئی جمعیت اگرچہ پہلے دن ہی سے جمعیت علمائے اسلام کے مزاج اور طرز عمل سے بالکل مختلف انداز سے چلتی رہی مگر اب تک اظہار اختلاف سے گریز کیا گیا۔

لیکن اس وقت جب کہ پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام پر کمیونزم اور سوشلزم کا طوفان امنڈ رہا ہے اور بہت سے اسلامی ممالک کو زیر و زبر کر چکا ہے وہاں شعائر اسلام کو مٹا رہا ہے، اس کا مقابلہ پوری اسلامی اور دینی جماعتیں اپنی پوری توانائی صرف کر کے کریں تو ممکن ہے کچھ مقاومت ہو سکے لیکن اس وقت اس نئی جمعیت کے سربرآوردہ علماء نے بعض ایسی جماعتوں کے ساتھ اشتراک عمل شروع کر دیا جو زور سے سوشلزم کی بڑی داعی ہیں اور جنہوں نے پچھلے دنوں ملک میں وہی انقلابی فساد کرائے جو کمیونسٹوں کا اصول ہے اور آج بھی ان کے عمل کا کوئی رخ اسلام کی طرف نہیں ہاں اپنی جدید پالیسی کے ماتحت انہوں نے اسلام کا نام لینا ضرور شروع کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمارے یہ علماء ان سے جا ملے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس جمعیت العلماء کا پورا وزن

سوشلسٹوں کے پلے میں پڑ گیا اور پاکستان کو بھی وہی خطرہ لاحق ہو گیا جس نے مصر، شام، عراق میں اور سوڈان کو تہ و بالا کر کے اسلام اور اسلامی شعائر کو ختم کر ڈالا ہے۔

اس وقت علماء بالخصوص علمائے دیوبند کے نام سے جو جماعت عوام کے سامنے آئی ہوئی ہے وہ یہی جماعت ہے جس کا طرزِ عمل بار بار کی افہام و تفہیم کے باوجود یہ ہے، اگر اصلی جمعیت علمائے اسلام کے حضرات اور دوسرے علماء اس وقت ان سے اختلاف کا اظہار نہ کریں تو مسلمان اسی آواز کو سب علماء کی آواز سمجھنے میں معذور ہوں گے اور دنیا و آخرت کی ذمہ داری سب علماء پر عائد ہوگی۔

اس لئے پورے ملک کے دیندار طبقے اور علماء نے وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل جمعیت کی نئی تشکیل اور سوشلزم کے مقابلہ میں پوری قوت سے کام کرنے پر زور دیا۔ وفود، خطوط اور اخباری بیانات کا تانتا بندھ گیا تو بنام خدا تعالیٰ اس جمعیت کی مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس طلب کر لیا گیا۔

آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ میں تقریباً دس مہینے سے مسلسل بیمار صاحب فراش رہا۔ اب افاقے کے باوجود محنت کسی کام کرنے کے قابل نہیں ہے اس لئے گذارش ہے کہ نئی تشکیل میں احقر کے ذمہ کوئی عہدہ نہ رکھا جائے، مقدور بھر میری تائید ان شاء اللہ جمعیت کے ساتھ رہے گی۔

آخر میں ایک ضروری گذارش سب ارکان جمعیت سے یہ ہے کہ آپ کا اصل ہدف سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم دونوں کے خلاف خالص اسلامی نظام ہے۔ کسی مسلم جماعت سے اختلاف آپ کا ہدف نہیں، نئی جمعیت کے حضرات اگر آپ کے راستے میں حائل ہوں تو جہاں تک دشنام طرازی کا معاملہ ہے اس کے مقابلے میں صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔

کیونکہ سوشلسٹ گروہ کا یہ کیا ہوا طعنہ کہ جو اسلام کا نام لے اس کو امریکن سامراج کا ایجنٹ کہتے میں خدا سے نہ ڈریں نہ آخرت کی باز پرس سے جو لوگ یہی کام کرتے ہیں ان کے اس بہتان کو انہیں کے حوالے کیجئے آپ ان کو روسی و چینی سامراج کا ایجنٹ کہہ کر انتقام نہ لیں۔

ہاں اگر کوئی چیز خلاف واقع آپ کی طرف منسوب کی جائے یا کسی دلیل سے اپنی روش کے درست ہونے پر استدلال کیا جائے تو اس کا مکمل جواب قرآنی تعلیم بالتی ھی احسن

کے اصول پر دے کر اپنے مثبت کام میں مشغول ہو جائیں ان سے اختلاف کے منفی پہلو پر اپنی توانائی کو ضائع نہ کریں۔

ہمارے جو علماء اس طرح سوشلسٹ گروہ کو تقویت پہنچا رہے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم امریکن سامراج کو مٹانا چاہتے ہیں بلاشبہ انگریز اور امریکہ کا لایا ہوا نظام سرمایہ داری ہی ہر فساد کی بنیاد ہے اسی نے کمیونزم اور سوشلزم کو جنم دیا ہے، اس کی مخالفت لازمی ہے۔ لیکن مخالفت کا ایک آئینی طریقہ ہے کہ اس نظام کی بنیاد جن چیزوں پر ہے ان کو مٹایا جائے مثلاً سود، سٹہ، قمار اور لائسنس پرمٹ کا مروجہ طریقہ جس کے ذریعہ سیاسی رشوتیں دی جاتی ہیں۔ اور لوگوں کے ایمان خریدے جاتے ہیں آئینی طور پر ان چیزوں کے مٹانے کی کوشش کریں یہ تو وہ کام ہے جس کو علمائے اسلام ہر زمانے اور ہر دور میں اپنی مقدرت کے مطابق کرتے آئے ہیں، اور آج بھی اگر نظام سرمایہ داری کو اسلامی اصول کے تحت بنایا جا سکتا ہے تو اس کا یہی طریق ہے کہ آئینی طریقوں سے ان قوانین کو ختم کرایا جائے جو اس ظلم و جور کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت جو ملک کی دولت کو چند افراد یا چند خاندانوں میں محصور کر کے ملک کے عوام کو فقر و افلاس کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ اسلام اس کا شدت کے ساتھ مخالف ہے۔ اشتراکیت بھی اگرچہ اس کی مخالفت کا دعویٰ کرتی ہے مگر مخالفت کی راہیں بالکل الگ ہیں اسلام اس باطل نظام معیشت کو اسی طرح مٹاتا ہے کہ ارتکاز دولت کے ہر دروازے کو بند کرتا ہے، ایسے اصول کو بروئے کار لاتا ہے جس سے دولت کی گردش تیز اور عام ہو کہیں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔ کوئی انسان ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے، کسی کی مجال نہ ہو کہ محنت کش مزدوروں کی حق تلفی کرے۔

اور کمیونزم یہ کرتا ہے کہ محنت کش مزدوروں کے جذبات کو بھڑکا کر غاصبانہ انقلاب کے ذریعہ سے ان کو مل مالک بن جانے کا سبز باغ دکھاتا ہے جو سوشلسٹ ملکوں کے تجربوں اور شہادتوں کی رو سے غریب مزدوروں کے ساتھ ایک فریب ہے اور اسلامی اصول اور نصوص کے خلاف بھی جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ پورے ملک کا سرمایہ حکومت کے قبضے میں آ کر غریب مزدور فریاد کرنے کے حقوق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

ہمارے جو علماء اس وقت یہ خیال کر رہے ہیں کہ ہم سوشلسٹ جماعتوں کے ساتھ اشتراک عمل کر کے اینگلو امریکن سامراج کا خاتمہ کر دیں گے پھر اس ملک میں اسلامی نظام رائج کریں گے ۔ اگر ان حضرات کی روش یہی رہی جو آج ہے تو اس طریقے سے یہ تو ممکن ہے کہ رائج موجودہ نظام کو ختم کر دیں ۔ لیکن اس کی جگہ یہاں اسلام آجائے اس کا کوئی امکان نہیں یہ راستہ صرف سرخ سامراجی سوشلزم کو مسلط کرنے کا ہے اور یقین ہے کہ یہ بات خود ان حضرات پر بھی واضح ہو جائے گی مگر یہ اس وقت ہوگا جب خدا اور مذہب کے دشمن اپنے پنجے مضبوط کر چکے ہوں گے خود ان حضرات کو بھی اسلام کا نام لینا آسان نہ رہے گا ۔ حق تعالیٰ ان کو اور ہم سب کو اس عذاب سے محفوظ رکھے آمین ۔

بہر حال آج جو علماء اس معاملے میں ہم سے اختلاف کے وقت بھی یہ ضروری ہے کہ علماء کے احترام اور دین کا احترام ملحوظ رکھ کر برائی کا جواب بھلائی سے دیا جائے تاکہ ہمارے جو بھائی ایک غلط اور خطرناک روش پر پڑ گئے ہیں وہ آیات قرآنی کے مطابق پھر آپ سے آ ملیں ۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم

اس کے علاوہ اس طرز سے جو علماء کا اختلاف منظر عام پر آرہا ہے وہ انشاء اللہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے مضر بھی نہ ہوگا ۔

حق تعالیٰ ہمیں تمام علماء کو تمام دینی جماعتوں اور مسلم عوام کو سرمایہ دارانہ نظام کی مصیبت اور سوشلزم کے عذاب سے نجات عطا فرمائے ۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان ۔

مرکزی جمعیت علماء اسلام کی مجلس شوریٰ میں

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا بیان

میں احیاء جمعیت علماء اسلام کے اس اجلاس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جس میں ہر مکتب فکر کے علماء اور ملت کے وہ اکابر جمع ہیں جنہوں نے اپنی بے مثال جدوجہد سے اس جمعیت کے ذریعہ ایک عظیم الشان اسلامی ملک پاکستان حاصل کیا ۔ پھر علماء اس زمانے میں جبکہ تحریک پاکستان سے اختلاف رکھنے والے علماء متحد ہو

ہاتھ دھرے ہوئے خاموش تھے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں انہوں نے قرارداد مقاصد پاس کرانے کا تاریخی کارنامہ انجام دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ مسلک حق کے تحفظ کی خاطر تحریک پاکستان سے اختلاف رکھنے والے علماء کے ساتھ بھی مراسم استوار کئے تا کہ سب مل کر پاکستان کو ایک مثالی اور اسلامی سلطنت بنائیں اور عام پاکستانی مسلمان ان علماء سے بعد اور اجنبیت کو دور کر دیں مگر ان حضرات نے اپنی سیاسی جمعیت پاکستان کے بانی علماء کے ساتھ بھی رواداری نہیں اختیار کی بلکہ جمعیت علماء اسلام کی تنظیم اور اس کے نام کو اپنے ان مخصوص افکار و خیالات کے لئے استعمال کیا جو نہ نظریہ پاکستان سے میل کھاتے ہیں اور نہ اسلام سے اور سیاسی اخلاق کے اعتبار سے بھی یہ بات نہایت خفیف ہے۔

ایوب کی دس سالہ آمریت کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی جب غیر ملکی اور لادینی نظریات سے وابستہ عناصر نے سوشلزم کا نعرہ لگایا جو ہماری اساس اسلام کے خلاف اور بالواسطہ پاکستان کی شیرازہ بندی کے خلاف تھا تو ملک کے بانی حضرات علماء اور عام اسلام پسند مسلمانوں کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ جمعیت علماء اسلام کی تنظیم کو استعمال کرنے والے حضرات علماء نے نہ صرف یہ کہ اس نعرہ کی تائید کی بلکہ سوشلسٹ عناصر کے ساتھ مل کر مشترکہ جدوجہد کا معاہدہ بھی کیا۔ عالم اسلام میں سوشلسٹ عناصر کی اسلام کے خلاف جارحانہ روش اور تباہی کے کارنامے بالکل الم نشرح ہو چکے ہیں پاکستان میں بھی جا بجا تشدد کے واقعات سے نتیجہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ایسی صورت میں اسلام اور نظریہ پاکستان کا درد رکھنے والے علماء حق کا فرض تھا کہ وہ اس فتنے کی روک تھام کے لئے تیار ہو جاتے مفتی محمد شفیع صاحب نے عالی ہمتی کا اقدام فرما کر ملت کے جذبات کی ترجمانی فرمائی ہے میں چودہ سال سے کسی جمعیت اور تنظیم سے وابستہ نہیں ہوں اور نہ اب بھی کسی تنظیم کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہوں مگر باضابطہ وابستگی کے بغیر بھی میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں اور اگر دوسری اسلام پسند جماعتوں کے ساتھ بھی میں اس مسئلے میں تعاون کرتا ہوں تو مرکزی جمعیت میں امت کے اکابرین کے ساتھ میں مخلصانہ طور پر کیوں تعاون نہ کروں گا۔ حکومت کی بعض دھمکیوں پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر حکومت کے افراد میرا شکار کرنے لگے

میں جوتوں کا ہار ڈال کر گدھے پر بٹھا کر جلوس نکالیں تب بھی میں اسلامی آئین کے مطالبہ سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوں۔ اسی طرح میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ مقابل اور حریف اپنے تمام اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے کا حوصلہ پورا کرلیں تب بھی میں سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی مخالفت سے باز نہیں آسکتا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو حق پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

موچی دروازہ لاہور میں ایک معرکۃ الآرا تقریر

۱۶ مئی ۱۹۷۰ء کو مرکزی جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام ہونے والے ایک روزہ عظیم الشان کانفرنس میں قائد مرکزی جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا ایمان افروز خطاب

جناب صدر، حضرات علماء کرام اور معزز حاضرین جلسہ!

آج میں مغربی پاکستان کے ایک ایسے مشہور شہر میں اپنے دوستوں سے خطاب کر رہا ہوں جس کو پاکستان کا قلب کہنا صحیح ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ زندہ دلان لاہور کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ جس تحریک کا آغاز لاہور سے ہو اس میں صرف نوجوانوں کے جذبات ہی شامل نہیں ہوتے بلکہ اللہ کا فضل اور اس کی نصرت بھی شامل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پاکستان کی تحریک کی ابتداء بھی آپ کے اسی مشہور شہر سے ہوئی جب کہ ۴۰ء میں یہاں پاکستان ریزولیشن اور قرارداد پاس کی گئی پھر مجھے وہ وقت بھی یاد ہے کہ آج سے قریباً آٹھ مہینے پہلے جب سوشلزم کے خلاف ہم نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تھا تو سب سے پہلے ہم نے لاہور ہی سے اس کام کو شروع کیا تھا۔ اور اسی کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آٹھ مہینے میں آج ہم گھوم پھر کر پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب کا شعر یاد آتا ہے ؎

مقام فنا تک جو پہنچے ہیں اے دل — تو مر مر گئے ہیں مگر آگئے ہیں

آج ہم پھر اسی شہر میں فاتحانہ حیثیت سے آپ کے سامنے موجود ہیں اس لئے کہ سوشلزم اور لادینی نظاموں کی ظلمتوں کی جو گھٹا چھائی تھی الحمدللہ کہ علماء کی جدوجہد سے اس طرح چھٹی ہے جس طرح کہ آفتاب کی شعاعوں سے کافور ہو جاتی ہے اور الحمدللہ پھر اسلام کے لئے فضا بن گئی وجہ یہ ہے کہ زندہ دلان لاہور کا یہ لقب خالی خولی نہیں ہے علامہ اقبال

مرحوم کا شعر ہے کہ ؎

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

یہ زندہ دلی بڑی سے بڑی مہم سر کرنے کی ضمانت ہے الحمدللہ آج مرکزی جمعیت علماء اسلام کا کھلا اجلاس آپ کے سامنے ہے جہاں بہت بڑی تعداد میں مسلمان جمع ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان میں کوئی مسلمان کرائے سے نہیں بلایا گیا کیونکہ جس طریقہ سے یہ لوگ اجتماعات کرتے ہیں ہمیں سب اندر کے راز معلوم ہیں۔ اور ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے متاثر نہیں ہوئے۔ اکبر مرحوم فرماتے ہیں۔

ساری دنیا آپ کی حامی سہی　　ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا　　کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

الحمدللہ یہ اجتماع جو آپ کے سامنے ہے خالصتاً ان مسلمانوں کا ہے جو اسلام کی تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہیں اور اپنے جذبے سے متاثر ہو کر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وقت کافی ہو چکا ہے اس وجہ سے میں آپ کا کوئی لمبا چوڑا وقت نہیں لوں گا صرف چند باتیں آپ سے عرض کرنی ہیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آج پاکستان جس نرغے اور جس بھنور میں پھنسا ہوا ہے اس پر مجھے وہ تمام جدوجہد یاد آ گئی جب ہم قیام پاکستان کے وقت گلی گلی کوچہ بکوچہ پھرتے تھے اور ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ اس وقت بعض لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ارے پاکستان میں جوتیوں میں دال بٹے گی وہاں ایسا ہوگا۔ وہاں ویسا ہوگا۔ لیکن ہم جواب میں یہی کہتے تھے ؎

بجلیوں کی زد میں جب آئے گا دیکھا جائے گا
کچھ نہ کچھ قائم بنائے آشیاں ہونے تو دے

آج وہ آشیاں بجلیوں کی زد میں آیا ہوا ہے آج ۲۳ سال پہلے کی باتیں آنکھوں کے سامنے ہیں اس میں سے ایک بات میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔

۱۹۴۶ء میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم دہلی تشریف لائے اور ایک دعوت میں ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت پاکستان اب بننے والا ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ سید صاحب نے فرمایا آپ کو مبارک ہو کہ ایک اسلامی ملک اور اسلامی سلطنت کا مطالبہ آپ نے کیا ہے اور وہ عنقریب پیدا ہونے والا ہے۔ لیکن پاکستان کے بنانے میں ایسا خطرناک کھیل کھیلا ہے جس سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ ہمارے کان کھڑے ہوئے یہ ایک تجربہ کار بزرگ نے اس کو خطرناک کھیل کہا ہے میں نے پوچھا حضرت وہ خطرناک کھیل کیا ہے؟ فرمایا دنیا میں جب بھی کوئی ملکی انقلاب آتا ہے تو قوم میں پہلے ذہنی انقلاب لایا جاتا ہے پھر ملکی انقلاب آتا ہے اور یہی صحیح طریقہ ہے اسلام نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

سید صاحب نے فرمایا کہ آپ نے پاکستان تو بنالیا ہے لیکن پاکستان کے لئے صحیح ذہن پیدا نہیں کیا سب سے پہلا کام آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ آپ کو قوم کی ذہنی تربیت کرنی ہوگی اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں پاکستان کو نقصان نہ پہنچے آج ان کی بات سامنے آرہی ہے وہی مسلمان جو پاکستان بنانے کے لئے سر بکف تھے آج ۲۳ سال کے بعد ان کی حالت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ پہچانی نہیں جاتی۔

پاکستان کی نئی نسل کو پاکستان کے پس منظر کا علم نہیں ہے اس نے انگریزوں اور ہندوؤں کا ظلم نہیں دیکھا۔ آج مزدوروں اور کسانوں کو طرح طرح کا لالچ دیا جارہا ہے کہ انہیں فلاں کا مفاد دے دیا جائے گا فلاں زمین دے دی جائے گی ان کو تو خیر پھر بھی کوئی لالچ دیا جارہا ہے لیکن معلوم نہیں طالب علم سوشلزم کا نام سن کر کیوں رقص کرنے لگ جاتے ہیں؟

میں ماضی پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی ہندوؤں کے ہاتھ سے نہیں چھینی تھی اس وجہ سے انگریز نے مسلمانوں کو تعلیم اور معاش میں پیچھے رکھنے کی پوری کوشش کی تاکہ ان میں دوبارہ حکومت حاصل کرنے کی امنگ پیدا نہ ہو اس کے مقابلے میں ہندو قوم صدیوں سے غلام چلی آرہی تھی اور ان میں حکومت حاصل کرنے کے جراثیم ہی نہیں تھے۔ لہٰذا انگریز نے ان کو خوب بڑھایا اور ہر میدان میں انہیں آگے بڑھانے

کی کوشش کی۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے انگریز کے خلاف تحریک آزادی جاری کی تو گاندھی جس کے دل میں اپنی قوم کا بہت درد تھا اس نے بھی ہندو قوم کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

یہ وہ موقع تھا جب گاندھی جی نے حکیم اجمل خان صاحب سے کہا کہ اس تحریک میں جان ڈالنے کے لئے علماء حضرات کو بھی میدان میں لانا چاہئے چنانچہ ہر تحریک میں جان ڈالنے کے لئے علماء کو ڈھونڈا جاتا ہے بعض لوگ تو کسی میں مل جاتے ہیں بعض کسی اور میں مل جاتے ہیں۔

چنانچہ حکیم اجمل خان اور مولانا محمد علی جوہر کی معیت میں گاندھی جی حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری کے پاس پہنچے۔ گاندھی جی نے ان کے سامنے قرآن حکیم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریفیں کیں کہ وہ ایسے تھے وہ ایسے تھے۔

مولانا محمد علی صاحب مونگیری نے فرمایا گاندھی جی آپ نے جو ہمارے قرآن اور ہمارے نبی کی تعریف کی ہے۔ ہمارے پیغمبر اور ہماری کتاب اس سے بہت اونچی ہے لیکن آپ نے ان میں عیب کونسا دیکھا ہے جس کی وجہ سے آپ ابھی تک ایمان نہیں لائے گاندھی جی بغلیں جھانکنے لگے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

مولانا نے فرمایا گاندھی جی صیاد جب باغ میں پرندوں کو شکار کرتا ہے تو انہیں پھانسنے کے لئے انہی کی بولی بولتا ہے چنانچہ آپ بھی مسلمانوں کو پھانسنے کے لئے انہی کی بولی بول رہے ہیں۔ گاندھی جی بے نیل مرام واپس ہوئے اور انہیں اپنے مقصد میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی زمام کار مسلمان کے ہاتھ میں تھی اور ہندو ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا لیکن گاندھی جی نے کہنیاں مار مار کر مسلمان کو پیچھے دھکیل دیا اور جب انگریز کے جانے کا وقت آیا تو پتہ چلا کہ سیاست کا جھنڈا ہندو کے ہاتھ میں ہے مسلمان کے ہاتھ میں نہیں ہے اب ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کا سوال تھا کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد کہیں ہندو کی غلامی کا پٹہ مسلمان کے گلے میں نہ پڑ جائے۔ کیونکہ ملازمتوں اور تعلیم میں ہندو آگے تھا۔ سیاست اس کے ہاتھ میں تھی تجارت اس کے ہاتھ میں تھی۔ وسائل معیشت اس کے ہاتھ میں تھی۔ لہٰذا خطرہ تھا کہ انگریز کے جانے کے بعد دس کروڑ مسلمان ۳۰ کروڑ ہندوؤں کے غلام نہ بن جائیں

چنانچہ فکر لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کے مستقبل کے لئے کیا کیا جائے اس کے علمبردار ہوئے تھے۔

ایک فارمولا تو یہ تھا کہ صوبوں میں اکثریت و اقلیت کی بناء پر حکومتیں بنیں اور مرکز میں مخلوط حکومت ہو لیکن قائداعظم کی بصیرت نے یہ تاڑ لیا کہ یہ فارمولا ایک نہ ایک دن مسلمانوں کو غلام بنا کر چھوڑے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا گیا ہے اور قوم کو مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ وطن کی بنیاد پر مانا گیا۔

چنانچہ قائداعظم نے کہا کہ ہم اکثریت و اقلیت کی بنیاد پر حکومت نہیں بنانا چاہتے بلکہ قرآن و سنت کی بنیاد پر حکومت بنانا چاہتے ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب یہ پاکستان اسلام کے لئے نہیں بنا تھا بلکہ سوشلزم کے لئے بنا تھا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اگر مقصد سوشلزم ہی تھا تو پھر ہندوستان کے سب سے بڑے سوشلسٹ پنڈت جواہر لعل نہرو کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہوتی پھر آپ لاکھوں انسانوں کی جانوں اور ہزاروں عورتوں کی عصمت سے کیوں کھیلے تھے؟

پاکستان کا فارمولا بالکل صحیح تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد نوکر شاہی نے ہمارے اس جذبہ کو بالکل نیست و نابود کر دیا پاکستان اسلامی قومیت کی بنیادوں پر بنا تھا لیکن آج ان بنیادوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا گیا ہے۔ کبھی سرکاری ملازمین گھروں سے کاغذ قلم، دوات اور میز کرسی دفتروں میں لا کر کام کرتے تھے لیکن آج وہ وقت ہے کہ سرکاری ملازمین کو جو کچھ دفتروں میں ہاتھ لگتا ہے اٹھا کر گھر لے جاتے ہیں۔

۱۹۴۹ء میں جمہوری حکومت میں جو بجٹ خان لیاقت علی خان نے پیش کیا وہ قرآن پاک کی اس آیت سے شروع ہوا۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔

تاکہ دولت امیروں کے ہاں ہی چکر نہ کاٹتی رہے۔

اس آیت سے بتایا گیا تھا کہ پاکستان میں جو نظام قائم ہوگا وہ سرمایہ دارانہ نظام نہیں ہوگا بلکہ اسلامی نظام ہوگا لیکن سرکاری ملازمین نے سرمایہ دارانہ نظام ملک میں اس بدتمیزی سے چلایا کہ انگریز نے بھی اس طرح نہیں چلایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی ۸۰ فیصد دولت ۲۲

خاندانوں میں منحصر ہو کر رہ گئی کیونکہ جب تاجر اور ارباب اقتدار کا گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے تو سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آتا ہے حاکم کہتا ہے کہ میں پرمٹوں اور لائیسنسوں کے ذریعہ تمہاری تجارت کی حفاظت کروں گا تم اپنی دولت سے ہماری کرسی کی حفاظت کرو اور اسی طرح جب ارباب سیاست اور ارباب اقتدار کا گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے تو سوشلزم کا نظام جنم لیتا ہے۔

ہم صاف کہتے ہیں کہ پاکستان کے حکمرانوں نے جب امریکہ سے دوستی کی اس وقت بھی ہمارے ایمان اور عقیدے کا سودا کیا تھا اور اب جبکہ انہوں نے چین سے دوستی کی ہے اب بھی ہمارے عقیدے کا سودا کیا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے اشتراکی لٹریچر کی پاکستان میں درآمد پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور اس پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا۔

آخر میں مولانا تھانوی نے کچھ سوالات کے جوابات دیئے اور شورش کاشمیری پر حملہ کرنے والوں کے لئے قرارداد مذمت پاس کی اور رات پونے دو بجے یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

کیونکہ سیاست دان کہتا ہے کہ تاجر سے تمہیں کیا دیتا ہے میں "قومیانے" کے حربے سے سارے ملک کی دولت تمہارے قدموں میں ڈال دوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سوشلسٹ لیڈر نوکر شاہی کی پیداوار ہیں۔

لیاقت علی کی موت کے بعد ملک کے داخلہ و خارجہ دونوں وزارتیں نوکر شاہی کے ہاتھ میں آ گئیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم باہر کے ملکوں سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں ہم کہتے ہیں ضرور کریں لیکن آپ ایسی دوستی قائم کریں جیسی ایک مولوی مولوی سے کرتا ہے۔ ایسی نہ کریں جیسی ایک مسٹر مسٹر سے دوستی کرتا ہے مولوی کی دوستی مولوی سے مردان خانہ تک ہوتی ہے لیکن مسٹر کی دوستی مردان خانے سے پہلے زنان خانہ میں ہو جاتی ہے۔

کراچی میں ایک اہم خطاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

کراچی میں ایک اہم خطاب

خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا۔

جناب مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب، حضرات علماء کرام معزز حاضرین اور میری اسلامی بہنیں! آپ حضرات نے جس گرم جوشی اور محبت کے ساتھ سپاسنامہ یا محبت کا وہ تحفہ جو بطور لفظوں کی شکل آپ کی طرف سے پیش کیا گیا میں اس کے لئے صرف یہی نہیں کہ شکر گذار اور ممنون ہوں بلکہ اس کے کچھ اجزاء ایسے بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے مجھے کچھ ندامت اور شرمندگی بھی محسوس ہوئی ہے اس لئے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی راہ میں قید و بند کی منزل سنت ہے انبیاء کرام اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی اور حق تعالیٰ جس کو اس سعادت کے لئے منتخب فرماتے ہیں یہ اس کے لئے بڑی خوش بختی اور کامیابی کی بات ہے اور یہ سب اللہ ہی کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ دین کے لئے اظہار حق کی توفیق نصیب ہوئی یہاں مجھے ایک بات یاد آ گئی کہ ۱۹۵۶ء میں جب میں برما گیا تو تقریباً ایک ماہ قیام رہا اور وہاں کے لئے ایک مہینہ کی مدت بالکل کافی نہیں تھی اگر میں مجمع میں اس طرف کے کوئی صاحب ہوں تو انہیں یہ بات معلوم ہوگی کہ وہاں دین کا بڑا شوق ہے وہاں کے لوگ بڑی محبت سے پیش آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کا وطن تو چھوٹ ہی چکا ہے کیا اچھا ہو کہ آپ برما میں آ جائیں میں نے ان کو جواب دیا کہ بھائی بڑی قربانیوں اور بڑی محنت و کوشش کے بعد ایک اسلامی ملک قائم ہوا ہے گو ہم اس کی خدمت کے قابل نہیں ہیں لیکن جو کچھ دین کی خدمت ہم سے ہو سکتی ہے وہ ہم کر رہے ہیں اور ہمیں کرنی ہے اگر ہم اس ملک کو چھوڑ کر چلے آئیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بھاگ آئے ہیں اور یہاں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے وہ جملے بھی یاد آ گئے جو نئی دہلی میں تقسیم سے چند مہینے پہلے دوران گفتگو ارشاد فرمائے تھے میں نے ان سے پوچھا تھا کہ پاکستان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے فرمایا

ٹھیک ہے خدا کرے پاکستان بن جائے لیکن یاد رکھئے کہ آپ ایسی جگہ اور ایسی بنجر زمین میں پاکستان بنا رہے ہیں کہ اگر آپ لوگوں نے وہاں محنت نہ کی تو بڑا اندیشہ اور بڑا خطرہ ہے میں نے اس کی تفصیل پوچھی تو فرمایا کہ دنیا میں یہ ہوتا آیا ہے کہ ہمیشہ پہلے ذہنی انقلاب آتا ہے پھر ملکی انقلاب آتا ہے..... آپ لوگوں نے یہ کیا کہ پہلے ملکی انقلاب لے آئے ذہنی انقلاب اب آپ کو پیدا کرنا ہوگا اس لئے کہ بڑی سے بڑی نعمت بھی اگر کسی ایسے آدمی کے یا کسی قوم یا گروہ کے ہاتھ میں آجائے جو اس کی صحیح قدر و قیمت کو نہ سمجھتا ہو تو یاد رکھئے کہ وہ نعمت کبھی اس کے پاس باقی رہنے والی نہیں ذہن بھی اس کے مطابق بنایئے فرمانے لگے کہ جو کام پہلے کرنے کا تھا وہ آپ کو بعد میں کرنا پڑے گا بڑی محنت کی ضرورت ہے۔

یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور یہاں آ کر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد اور ان کے خادم کی حیثیت سے کاموں میں لگے رہے اور شیخ الاسلام سے سیکھا کہ یہاں پر دین کا کام کس طریقہ پر کرنا چاہئے حضرت شیخ الاسلام کی ایک مخصوص عادت اور ایک الگ روش تھی میں اس کی وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں ایک مرتبہ کراچی میں حضرت شیخ الاسلام کے قیام کے لئے کراچی میں ایک بنگلہ کا الاٹمنٹ ہوا اس لئے کہ شہید ملت لیاقت علی خان کی یہ خواہش تھی کہ مولانا کسی کے پاس قیام نہ کریں بلکہ الگ اپنے مکان میں رہیں ایک مکان الاٹ ہو گیا اتفاق سے اس مکان کی الاٹمنٹ میں کوئی قانونی دشواری تھی اس لئے وہ الاٹمنٹ کینسل ہو گیا مولانا کو کسی نے اطلاع دی کہ آپ کے بنگلہ کا الاٹمنٹ منسوخ ہو گیا جہاں یہ نیو ٹاؤن کی جامع مسجد بنی ہوئی ہے یہ پہلے میدان تھا وہاں ایک جلسہ ہوا اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ماشاءاللہ جب بولتے تو بہت خوب بولتے تھے مولانا نے فرمایا کہ جب بنگلوں کا الاٹمنٹ کینسل ہو سکتا ہے تو وزارتوں کے الاٹمنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں اور اس زمانہ میں اخبارات کا گلا اس طرح گھٹا ہوا نہیں تھا جس طرح آج ہے اگلے دن اخبارات میں پہلے صفحہ پر موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ یہ بات آئی کہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا کہ وزارتوں کے الاٹمنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں صحیح

کو میں کسی کام سے لیاقت علی خان کے پاس گیا اخبارات سامنے میز پر پڑے ہوئے تھے
کہنے لگے آپ نے یہ خبر دیکھی ہوگی میں نے کہا دیکھی کیا میں تو خود جلسہ میں موجود تھا اس پر
کہنے لگے کہ اگر مولانا ہمیں اس سے بھی سخت باتیں کہیں تو ہم برا ماننے والے نہیں اس کی
وجہ بھی انہوں نے بتائی کہنے لگے کہ ہمیں یقین ہے کہ اگر کہیں کل کو پبلک ہمیں جوتے
مارنے لگے تو پھر بچانے والے بھی مولانا ہی ہوں گے آپ نے سمجھا؟ پھر انہوں نے کہا کہ
مولانا اصل میں یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین قائم ہو جائے مولانا ہماری کرسی نہیں چھیننا
چاہتے مولانا اصول چاہتے ہیں آپ حضرات کو مولانا کا یہ تاریخی جملہ بھی یاد ہوگا کہ مولوی
حاکم بننا نہیں چاہتے بلکہ حاکموں کو تھوڑا سا مولوی بنانا چاہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ
اس زمانہ میں سب کو یہ یقین تھا کہ علماء کا ایک طبقہ ایسا ہے جس کا مقصد اور نصب العین
خالصۃً اللہ کا دین ہے خالصۃً احکام اسلام قائم کرنا ہے نہ کرسی ان کا مقصد ہے نہ سیاسی توڑ
جوڑ ان کا نصب العین نہ پارٹی بازی ان کا مشغلہ ہے نہ کسی خاص شخص سے ان کو واسطہ ہے
لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ سرزمین حاصل کی گئی ہے اللہ کے احکام کے لئے اس لئے خدا ہی
کے احکام یہاں جاری ہوں گے مولانا عثمانی جب بیمار ہوئے تو لیاقت علی خان مرحوم نے
مجھ سے فرمایا کہ میری یہ کوشش ہے کہ کسی طرح مولانا کی زندگی میں دستور بن جائے اس کی
وجہ یہ ہے کہ ایسا خیر خواہ عالم پاکستان کو شاید پھر نہ ملے میں آپ کو یہ بات اس لئے بتا رہا
ہوں کہ پاکستان بنانے میں دو قسم کے عنصر شامل تھے ایک طبقہ تو وہ تھا جس کو منڈیوں کے
اندر یہ نظر آتا تھا کہ ہم ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے ہماری
تجارت ثانوی درجہ کی ہے ہندو اصل تاجر ہیں یا وہ مسلمان باوجود دفتروں میں یہ محسوس
کرتے تھے کہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے عہدے ہمارے پاس ہیں اعلیٰ درجہ کے عہدے
ہندوؤں یا غیر قوموں کے پاس ہیں غرض ایک طبقہ وہ تھا جو تجارتی منفعت کے لئے سیٹوں
کے لئے ملازمتوں کے لئے وزارتوں کے لئے سمجھتا تھا کہ ایک ایسا ملک ہمیں ملنا چاہئے کہ
جہاں ہمارا ہی عمل دخل ہو دوسرا طبقہ وہ تھا جو حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تحریک سے

متعلق چلا آ رہا تھا کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کی جائے یہاں اللہ کا دین غالب ہو، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یا اس سے پہلے بزرگ مجاہدین سے متاثر ہو کر اس دور میں اللہ کے دین سے تعلق رکھنے والوں نے پاکستان کے لئے جدوجہد کی جس میں سب سے پہلا نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملتا ہے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی " حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، پیر صاحب مانکی شریف وغیرہ حضرات علماء کرام پاکستان بنانے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے ان کا مقصد تھا دین اسلام اور ایک طبقہ کا مقصد ہے مشکل اور ملازمت، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے فرمایا کہ دیکھو پاکستان بننے والا ہے اور جس طبقہ کے ہاتھ میں اقتدار جانے والا ہے اس کو تبلیغ کرو ورنہ ان کے ہاتھوں میں کہیں اقتدار آ گیا تو یہ سب سے پہلے اپنے اقتدار کی تلوار اسلام پر چلائیں گے۔ اس کے لئے حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے مجلس دعوۃ الحق قائم فرمائی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو کسی طرح دین کی طرف لانے کی کوشش کی جائے دونوں طبقوں کا یہ فرق آپ کو اس سے نظر آئے گا کہ جب پاکستان کا شجرہ نسب بیان کیا جاتا ہے تو ایک طبقہ اس کا سلسلہ سرسید مرحوم سے ملاتا ہے اور دوسرا طبقہ اس کا شجرہ نسب بیان کرتا ہے تو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید سے ملاتا ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ ایک بہت بڑے سرکاری افسر نے ایک مرتبہ دوران گفتگو میں مجھ سے کہا کہ میں انگریزی میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس کا موضوع یہ ہے کہ پاکستان سرسید کی تحریک سے نہیں بنا بلکہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریک سے بنا ہے انہوں نے کہا کہ حقیقت یہی ہے۔

تو میرے دوستو! دونوں طبقے پاکستان بنانے میں مصروف تھے ایک کے پیش نظر مادی منفعت ہے اور عہدہ و مناصب کے طبقے کے پیش نظر اللہ کا دین اور اللہ کے احکام تھے یہ بات اسی وقت ذہن میں آ گئی تھی کہ ایک وقت اس سرزمین میں ایسا آنے والا ہے کہ ممکن ہے کہ مادی منفعت کو اپنا نصب العین بنانے والوں اور دین کو نصب العین بنانے والوں میں شاید کوئی

تصادم اور رسہ کشی ہو جائے تو تقسیم سے پہلے ہی اس کا اندیشہ تھا تقسیم سے پہلے کے الفاظ آپ لکھ لیجئے اور اس کی شہادت دینے کے لئے ایسے حضرات ابھی موجود ہیں جن کو میں ثبوت میں پیش کر سکتا ہوں مولانا شبیر علی صاحب تھانوی ناظم آباد میں مقیم ہیں اور شاید آج کل علیل ہیں تقسیم سے پہلے میں اور مولانا شبیر علی صاحب جمعہ کے دن نئی دہلی میں لیاقت علی خان مرحوم سے اسمبلی بلڈنگ میں جا کر ملے اور علماء کے سلسلہ میں کچھ باتیں ہوئیں لیاقت علی خان نے یہ بات کہی کہ مولانا ہم ایسے پاکستان کو لے کر کیا کریں گے جس میں اچھے اور اللہ والے علماء موجود نہ ہوں اور میں یہ بھی بتا دوں کہ یہ کس سلسلہ میں کہا؟ دراصل مولانا شبیر علی صاحب تھانوی نے یہ بات کہی تھی کہ آپ الیکشن تو جیت چکے ہیں اور جیتنے والا ذرا اچھی طرح بات نہیں کرتا اس لئے ہم ڈرتے ڈرتے آپ کے پاس آئے ہیں کہ شاید آپ علماء سے گفتگو کے لئے تیار نہ ہوں ہماری خواہش ہے کہ آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے گفتگو کر لیں اس پر انہوں نے کہا کہ یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم گفتگو کے لئے تیار نہیں ہوں گے اس موقعہ پر انہوں نے کہا کہ میں ایسے پاکستان کو کسی قابل نہیں سمجھتا جس میں علمائے دین موجود نہ ہوں میں سمجھتا ہوں کہ اس پاکستان کی تعمیر علماء دین ہی کے ہاتھوں ہوگی۔

جب قرارداد مقاصد پیش کرنے کا وقت آیا تو ایک صاحب جو پاکستان میں یہ کہتے کہتے مر گئے کہ یہاں اسلامی حکومت نہیں ہوگی ہم اس کے لئے گولی کھانے کو تیار ہیں ان سے کسی شخص نے یہ کہا کہ صاحب ایسا کونسا بیوقوف ہے جو اپنی گولی کے پیسے آپ پر خرچ کرے گا اسد ملتانی مرحوم نے ایک بہت اچھا شعر کہا تھا اور وہ میدان حشر میں بھی ان کو سنایا جائے گا وہ شعر یہ ہے

غلام محمد یہ کیا کہہ رہا ہے حکومت کا آئین دینی نہ ہوگا

نام بھی دیکھئے اور کام بھی دیکھئے وہ صاحب مولانا شبیر احمد عثمانی کے پاس تشریف لائے اور یہ کہا کہ مولانا قرارداد مقاصد کے لئے کوشش نہ کریں اس لئے کہ جو یہاں انگریزی دان طبقہ ہے وہ دین سے بھاگتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ علماء سے متنفر اور بیزار ہو جائے اور کہنے لگے کہ تاریخ کا واقعہ آپ اٹھا کر دیکھئے کہ اسپین میں کیا ہوا؟ مسلمانوں اور علماء کی شدت کی وجہ سے مسلمانوں کا قتل عام ہو گیا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی اسپین ہی کی تاریخ دہرائی

جائے اس پر مولانا عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے ذہن میں اسپین کی مثال ہے اور ہمارے ذہن میں افغانستان کی مثال ہے جب دین کی مخالفت کی تو امان اللہ خان کو تخت چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور فرمایا کہ ہم تو دین کی جدوجہد جاری رکھیں گے دیکھتے ہیں کہ اسپین کی مثال سامنے آتی ہے یا ان کی طرح آپ کو بھاگنا پڑتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چشمک اس وقت شروع ہوگئی تھی لیکن لوگ بڑے ہوشیار ہوتے ہیں جیسے کسی گھر میں چوری ہو اور گھر والوں کی آنکھ کھل جائے تو پھر چور بھی ایسا ہی کرتا ہے کہ آواز میں آواز ملا کر خود بھی چلانے لگتا ہے کہ دیکھنا پکڑنا چور کہاں گیا چور کہاں گیا یہ اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی شبہ نہ کرے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک صاحب امپورٹ کئے گئے اور وزیراعظم بنا دیئے گئے ان کے خلاف میں نے اخباروں میں بڑا شدید اور سخت قسم کا بیان دیا تھا۔ انہوں نے گورنر جنرل سے شکایت کی کہ ان کو جیل کا راستہ دکھانا چاہیے اصل میں یہ تجویز جو اتنے سالوں کے بعد آئی، جیل تو بہت دنوں سے رہی تھی، گورنر جنرل نے ان وزیراعظم سے کہا کہ تم نے یہ کہا ہی کیوں کہ حکومت اسلامی نہیں ہوگی، یہاں تم یہی کہتے رہو کہ اسلامی ہوگی چاہے اسلام کو مٹاؤ مگر کہتے یہی رہو آپ نے دیکھا کہ قدم قدم پر اسلام کا نام ہے لیکن آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے ساتھ رفتہ رفتہ کس قسم کا افسوسناک برتاؤ کیا جا رہا ہے۔

دست گلچیں پھر رہا ہے شاخ گل پر بے دریغ
کون سنتا ہے چمن میں عندلیب زار کی

تو میرے دوستو! یہ چشمک شروع ہی سے ہوگئی تھی اور پھر ہماری روش شروع سے ہی رہی اور برابر اس کے لئے کوشش کرتے رہے کہ اس سرزمین پر اور اس ملک میں جو اسلام کے لئے حاصل کیا گیا تھا اسلام کے خلاف یہاں کوئی محاذ نہ بنے اس لئے کہ یہاں کسی عالم کا سوال نہیں ہے ایک احتشام الحق کیا اور پانچ علماء کیا میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم اگر پانچ ہزار علماء کو بھی آپ پھانسی پر چڑھا دیں لیکن پاکستان کے اندر خدا اور خدا کے رسول کا دین قائم ہو جائے تو میں کہتا ہوں کہ یہ سودا پھر بھی سستا ہے شخص کا تو کوئی سوال ہی نہیں سوال اصل میں اس کا ہے کہ کہیں

دشمنوں کے سامنے شرمندگی نہ ہو اس لئے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ جن لوگوں نے اسلام کے قائم کرنے کے لئے ملک بنایا تھا انہوں نے اس ملک میں اسلام کو دفن کر دیا ہمیں ہمیں اپنی گرفتاری کا کوئی صدمہ نہیں لیکن صدمہ ہمیں اس دن ہوتا ہے جس دن ہم بھارت کے ریڈیو سے پاکستان کے خلاف، اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ سنتے ہیں وہاں کے بعض علماء نے تقریریں کیں اور ہم کو چڑانے کے لئے کیں، انہوں نے کہا کہ بھارت سرکار کا مذہب اسلام کے ساتھ یہ رویہ ہے اور علماء کے ساتھ اس کا یہ رویہ ہے اور پاکستان کا رویہ دیکھئے کہ چاند کے مسئلہ میں ان علماء کو جیل میں ڈال دیا جو چلا چلا کر کہتے تھے کہ یہ اسلامی سلطنت ہے یہ جہاد ہے یہ ثواب ہے۔ آپ ایمان سے بتائیے کہ ہم کو اس سے تکلیف ہوئی یا نہیں؟

میرے دوستو! یاد رکھئے کہ ہم نے یہ ملک اللہ کے دین کے لئے حاصل کیا ہے ہمارا نہ کوئی ذاتی مقصد ہے نہ کسی پارٹی سے ہمارا مطلب ہے نہ کسی شخص واحد سے ہمارا تعلق ہے، خدا کی قسم میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر ہمارا یہ دین صدر ایوب کے ہاتھوں قائم ہو جاتا ہے تو ہم انہی کو امیر المومنین سمجھ کر ان کی امامت میں نماز ادا کرنے کو تیار ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ گذارش بھی ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے انہیں مشورہ دیا ہے کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے والے علماء کو کسی نہ کسی طریقہ سے مٹا دیا جائے تو صاف بات یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں ہے ہم آپ کو کوئی دھمکی نہیں دیتے نہ ہم لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اپنی کسی طاقت کا مظاہرہ کرو۔ لیکن میرے دوستو! اتنی بات تو ہم ضرور کہہ دیں گے کہ اگر ہم کچھ کر سکتے ہیں تو ہم اللہ کے دین پر بہر حال عمل کریں گے اور اگر اس میں جان دینے کی ضرورت پیش آئی تو انشاء اللہ جان بھی دیدیں گے آخر ہم نے پاکستان بنایا ہے ہمارے اکابر اور بزرگوں نے اس کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ سالہا سال جیلوں میں رہے ہیں۔ تکلیفیں اور مشقتیں جھیلی ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت حافظ ضامن تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور ان کے بہت سے ساتھیوں نے

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں سختیاں برداشت کی ہیں۔

میرے دوستو! ہمارے بزرگوں نے کوئی ڈیڑھ صدی پہلے دین کی خدمات کا سلسلہ شروع کیا تھا اور حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے سب سے پہلے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تھی ہمارے یہ بزرگ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بنفس نفیس شریک ہوئے تھے، حضرت حاجی امداداللہ صاحب سپہ سالار کی حیثیت سے جنگ لڑتے ہیں حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ بھی ساتھ تھے یہ حضرات انگریزوں کا تعاقب کرتے ہوئے کافی دور تک دوسرے قصبے تک پہنچ گئے انگریز ایک تحصیل کی عمارت میں بند ہو گئے تھے کہ ہمیں کوئی کمک نہ پہنچ جائے حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ مشورہ کیا تھا کہ اسی تحصیل پر حملہ کر کے ان انگریزوں کو یہاں سے ختم کرنا ہے حضرت حافظ ضامن صاحبؒ فرمانے لگے کہ حضرت! ان شاء اللہ یہ تحصیل تو صبح تک فتح ہو جائے گی لیکن ہم نہیں رہیں گے سب سے پہلے جو حملہ کیا ہے تو گولی حضرت حافظ صاحبؒ کو لگی اور وہ وہیں گر گئے اور شہید ہو گئے یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں میں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے سنا ہے کہ کوئی شخص ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تو آواز آئی کہ جا کسی مردے کی قبر پر فاتحہ پڑھ، بہرحال ہمارے انہی بزرگوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مسلمانوں کے عقائد اور دین اسلام کی حفاظت کی اور یہی وجہ ہے کہ آج جتنا دین ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں میں نظر آتا ہے اتنا دین اور کہیں نہیں ملے گا یہ ہمارے انہی اکابر علماء کی بدولت ہے جنہوں نے بوریاں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر علم دین کی حفاظت کی ہے ہم نے اپنے انہی بزرگوں کی قائم کردہ درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے علم حاصل کیا ہے اس درسگاہ کی خاصیت ہی یہی ہے الحمدللہ! مجھے بڑی خوشی ہے اس بات کی کہ حریت فکر اور حریت ضمیر اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت ہے اور ہم انہی بزرگوں کے شاگرد ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا کا ایک واقعہ مجھے یاد آیا کہ قبرستان میں کسی طالب علم کی تدفین کے لئے گئے تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قبر کے پاس

جگہ خالی تھی مولانا عزیز گل صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ! آپ کے لئے یہ جگہ زیادہ موزوں ہے آپ اس کو اپنے لئے محفوظ کرالیجئے لوگوں کو تو یہ بات ناگوار گذری مگر حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ یہ تو آپ کی خواہش ہے کہ میں یہ جگہ اپنے لئے محفوظ کرالوں مجھ سے تو پوچھئے کہ میری کیا خواہش ہے؟ فرمانے لگے میری تو یہ خواہش ہے کہ میدان جہاد میں اس طریقے پر مارا جاؤں کہ ہاتھ میرا کہیں کٹا پڑا ہو سر کہیں کٹا پڑا ہو پاؤں کہیں کٹے پڑے ہوں اور فرمایا کہ میں تو اصل میں چاہتا ہی نہیں کہ کسی جگہ میری قبر کا نشان بھی ہو تو میرے دوستو! الحمدللہ ہم ان اکابر اور بزرگوں کا نام لینے والے ہیں۔

یہ کھیل دل کے لینے کے جو کھیلتے ہیں آپ
مجھ سے نہ کھیلئے کسی ناداں سے کھیلئے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کے اندر اسلام کا بول بالا فرمائے اور اللہ تعالیٰ احکام اسلام کو پاکستان کے اندر سربلندی عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پاکستان کے احکام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماخوذ از کتاب "نکہت الحق" مطبوعہ کراچی)

نظام اسلام اور مسئلہ کشمیر کے متعلق تاریخی خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّہْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

نظام اسلام اور مسئلہ کشمیر کے متعلق مولانا کا تاریخی خطاب

مسئلہ کشمیر کا حل صرف اسلامی نظام سے وابستہ ہے

مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ترجمان صوت الاسلام لاہور کے اجراء کے موقع پر افتتاحی خطاب

اس وقت کم و بیش تمام مسلمان ملکوں میں سوشلزم ، اسلامی سوشلزم اور اسلامی نظام کی بحث چلی ہوئی ہے ۔ ہمارے وطن عزیز میں بھی یہ بات زیر بحث ہے کہ ملک کا دستور اور نظام حیات کیا ہونا چاہیے؟ اسلام یا سوشلزم؟

اس مجلس میں نہ ہم سوشلزم پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور نہ اسلام اور سوشلزم کا تقابلی مطالعہ مقصود ہے ۔ صوت الاسلام شمارہ مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے ترجمان کی حیثیت سے جلوہ فگن ہو رہا ہے ۔ جمعیت علمائے اسلام کے بانی اور اولین صدر مولانا شبیر احمد عثمانی ہیں ۔

اس وقت میرے سامنے علامہ عثمانی مرحوم کا ایک تاریخی خطبہ صدارت ہے جو آپ نے ۳ مارچ ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں ارشاد فرمایا ۔

علامہ عثمانی جس جمعیت کے بانی اور صدر اول تھے ۔ یہ رسالہ صوت الاسلام اسی جمعیت کا ترجمان ہے ۔ اسی مناسبت سے تعلق کے پیش نظر علامہ مرحوم کے خطبہ صدارت ڈھاکہ سے

چند ایسے اقتباسات عرض کر رہا ہوں جن میں علامہ مرحوم نے پاکستان میں اسلامی نظام کی اہمیت اور اسلامی نظام کے خلاف ابھرنے والے فتنوں کی نشان دہی کی ہے۔

مولانا مرحوم کے فکر وتدبر اور دینی بصیرت پر ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے آج سے اکیس برس پہلے ان فتنوں اور سازشوں سے قوم کو آگاہ کر دیا تھا جو آج ہمیں اور ہمارے وطن عزیز کو درپیش ہیں۔

سب سے پہلے مولانا کی زبانی قیام پاکستان کا مقصد سنیئے کہ وہ کیا تھا؟ مولانا کہتے ہیں۔

"قیام پاکستان کا اصل مقصد اور اس کی دو قسطیں"

"بحمد اللہ اب ایک ایسا خطہ ارض مل گیا ہے جہاں مسلم قوم کو یہ قدرت و تمکنت حاصل ہے کہ وہ وہاں تمام تر اسلامی آئین و قانون نافذ کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں روک نہیں سکتی۔ یہی مکمل آزادی کی وہ قسط اول، پہلی منزل اور بنیادی حقیقت ہے جس کا حصول اکھنڈ ہندوستان میں ممکن نہ تھا اور جس کی حفاظت ہر قیمت پر اہل پاکستان کے ذمہ واجب ہے۔

آگے قسط ثانی اور دوسری منزل یہ ہے کہ ہم سب مل کر اس مملکت میں اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکومت قائم کرنے کی سعی کریں۔ جس طرح اس کی تکوینی حکومت سارے عالم پر قائم ہے۔ ہماری حکمرانی کے بھی وہی طور و طریق ہوں جو ابوبکرؓ و عمرؓ کی حکومت کے تھے۔"

قیام پاکستان کا یہ بنیادی مقصد بیان کرنے کے بعد مولانا ان خطرات اور اندیشوں کا احساس کرتے ہوئے جو آج ہمیں درپیش ہیں فرماتے ہیں۔

"اگر اپنی غفلت اور لاپرواہی سے ہم ایسا نہ کر سکے اور پہلی ہی منزل میں اٹک کر رہ گئے تو یہ ہماری بدبختی و حرماں اور حاصل شدہ آزادی کی نعمت عظمیٰ کا انتہائی کفران ہوگا۔ اور اگر دوسری قسط وصول کرنے سے پہلے خدانخواستہ وہ پہلی قسط سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تو یہ اس سے بھی بڑی حماقت اور بدنصیبی ہوگی جس کیلئے ہم ہمیشہ آنے والی تاریخ کے سامنے جواب دہ رہیں گے۔"

صرف یہی نہیں کہ مولانا اکیس برس پہلے قوم کو ایک عظیم اور ہمہ گیر خطرے سے آگاہ کر رہے ہیں۔ بلکہ نصرو کی آگاہی اور نشاندہی کے ساتھ ساتھ اس کا حل بھی بتاتے ہیں۔

"سب جانتے ہیں کہ گونہ بالا بحر حوادث کی طوفانی لہروں کو ہم نے محض خدا، قرآن اور اسلام کا نام لے کر عبور کیا تھا۔ اب سمجھنا چاہیے کہ جس چیز کا محض نام لینے سے ہم کو اتنی کامیابی ہوئی، اگر واقعی ہم اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو کیا فتح و نصرت ہمیں خدا اور قدرت کی طرف سے حاصل نہ ہوگی؟"

مولانا قوم سے سوال کرتے ہیں کہ تم نے جس نام اور جس بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا تھا۔ اگر تم اس نام کو باقی اور اس بنیاد کو قائم نہ رکھ سکے تو پھر قوت و طاقت کا سرچشمہ کہاں سے لاؤ گے جو صرف اسی نام اور بنیاد میں پنہاں ہے اور جس کے بغیر تمہاری بقاء تمہاری زندگی اور تمہاری آزادی محض ایک ریت کی دیوار اور مٹی کا گھروندہ ہے جو ہوا کے ہر جھونکے اور تھپیڑے کے سامنے سرنگوں ہونے اور ہر وقت ٹوٹنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ مولانا پوچھتے ہیں۔

"آخر قرآن سے منہ موڑ کر ہم کونسا نظام حیات اور آئین حکومت اختیار کریں گے حالانکہ قرآن ہی وہ مکمل لازوال ابدی اور عالمگیر نظام نامہ صداقت ہے جس سے ہر شعبہ زندگی میں ہم نور اور قوت کا اکتساب کر سکتے ہیں۔"

مسلمانوں کے مصائب کا علاج صرف قرآنی نظام میں ہے

آج مسلمان انڈونیشیا سے لے کر عالم عرب تک ہر جگہ طاغوتی طاقتوں کے نرغے میں ہے۔ کبھی انڈونیشیا میں کمیونسٹوں کی سازشیں خون خرابے کا باعث بن رہی ہیں کبھی فلسطین میں یہودیوں کی سازشوں نے عربوں کو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کیا ہوا ہے مسلمانوں کا قبلہ اول دنیا کی سب سے بڑی سرمایہ پرست اور سرمایہ داروں کی سب سے بڑی حلیف حکومتوں کی گندم، بدبودار اور منافقانہ سیاست کے نرغے میں ہے۔ ہندو سامراج کی ناصبانہ چیرہ دستیاں پاکستان کے گرد فوجی حصار قائم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ بھارت کے چھ کروڑ مظلوم و بے بس مسلمان خوف و ہراس کے سکرات میں مبتلا ہیں اور ظلم و تشدد کا ہاتھ ان کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے ان سب مصائب اور عالمگیر مشکلات کا کیا حل ہے؟ لیجئے مولانا مرحوم کی زبانی سنئے۔

"ان تمام مشکلات سے نمٹنے کے لیے ہمارا رہنما عالم اسلام مختلف قسم کی تدابیر پر غور کر

رہا ہے۔ ہر ذی رائے مسلمان اپنی اپنی جگہ الگ الگ نقطۂ نظر سے سوچتا ہے اور تجویزیں تیار کرتا ہے لیکن صد افسوس کہ مسلم ہونے کی حیثیت سے یہ توفیق بہت ہی کم ہوتی ہیں کہ قرآن کریم سے اپنی مشکلات کا کوئی حل معلوم کریں۔ ہماری نگاہیں کبھی برطانیہ، کبھی امریکہ اور کبھی روس کی طرف اٹھتی ہیں۔ مگر نہیں اٹھتیں تو اس نور مبین کی طرف نہیں اٹھتیں، جو ہماری دائمی رہنمائی کے لیے رب عظیم کی طرف سے ہمیں مرحمت ہوا تھا۔"

مسلمانوں کی فتح و شکست کا معیار کیا ہے؟

ہمارے لیے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ہم کسی بھی مرحلہ پر اپنے دشمن پر نہ عددی برتری حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ظاہری و مادی اسباب و وسائل کی فراوانی میں اس کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں۔ مولانا مرحوم اس کا ایک اور صرف ایک ہی حل بتاتے ہیں اور وہ ہے اللہ کا راستہ۔ قرآن کا راستہ اور صبر و تقویٰ کا راستہ۔

"قلت تعداد و اسباب کے باوجود ہمارے لیے اگر فتح و کامرانی کی صورت ہے تو اس کا مدار صرف قادر مطلق کی نصرت پر ہے اور یہ نصرت و امداد مسلمانوں کو صبر و تقویٰ کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ قرآنی ارشاد ہے بے شک: اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو اور دشمن فوراً تم تک پہنچ جائے تو اللہ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہیں مدد پہنچائے گا۔"

۱۹۶۵ء میں جب ہم نے اپنی بقاء اور تحفظ کے لیے جہاد کیا اور باطل کی طاقت سے نبرد آزما ہوئے تو ثابت ہو گیا کہ فتح و شکست کا مدار اسباب و ذرائع کی کثرت و قلت پر ہرگز نہیں اور کوئی بھی جنگ مہیب اور بکثرت تیز ہتھیاروں کے بل بوتے پر نہیں جیتی جا سکتی۔ خود ہمارے جرنیل اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ ہم نے یہ جنگ بجز عددی برتری اور اسباب کی فراوانی کی بنیاد پر نہیں جیتی یہ جنگ مضبوط کیریکٹر، بہترین ڈسپلن، بلند حوصلے اور خدا پر بے پناہ اعتماد کی بدولت جیتی گئی ہے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کی مخالفت ہندو کی گہری چال ہے

علامہ عثمانی مرحوم کی نگاہ دوربیں نے حالات و واقعات کا کس کس حد تک تعاقب کیا اس کا اندازہ اس اقتباس سے لگائیے۔ جس میں مولانا پاکستان میں اسلامی نظام حیات کی مخالفت اور

اشتراکیت جیسے لادینی نظاموں کی سرپرستی اور نفاذ کی کوششوں کی کس وضاحت سے نشاندہی کرتے ہیں۔ اور آج حالات زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں اور ہماری آنکھیں مشاہدہ کر رہی ہیں کہ ہندو سامراج بائیس سال سے جب ہمیں جغرافیائی، معاشی، اقتصادی، صنعتی اور فوجی محاذوں پر سرنگوں نہ کر سکا تو اس نے ہماری نظریاتی سرحدوں کو مٹانے کی کوششیں کیں اور اپنے زعم باطل میں یہ جانا کہ شاید اس نے تو پکا میابی ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"اس جگہ پاکستانی حکومت کو یہ نکتہ بھی نظر انداز کرنا چاہیے کہ نظام اسلامی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے سے ہندو کا ایک گہرا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ارباب اقتدار کے دماغوں کو متاثر کر کے اور اسلامی آئین کی تجویز کو مسترد کر کے پاکستان کے مسلمانوں کو یہاں کی حکومت سے بیزار اور منقطع کر دے اور دفاع پاکستان کے سلسلہ میں مذہبیت کے اس بے پناہ جذبے کو ٹھنڈا کر دے جو مسلمانوں کے عمومی مزاج کے لحاظ سے پاکستان کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ گویا اس طرح ہندو، پاکستان کو ضعیف و کمزور بنانے کے لیے دوسری طرف سے حملہ کرنا چاہتا ہے۔

مسئلہ کشمیر کا حل اسلامی نظام میں مضمر ہے

علامہ شبیر احمد عثمانی نے فرمایا کہ کشمیر کا مسئلہ بھی صرف اسی صورت میں حل کیا جا سکتا ہے جب پاکستان میں اسلامی دستور کا نفاذ ہو، سوشلسٹ یا سیکولر اسٹیٹ بنا کر ہم کشمیر کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں نہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیجئے مولانا کی زبانی سنیئے۔

"ایک اور اہم ترین مسئلہ ہمارے سامنے کشمیر میں استصواب رائے عامہ کا مسئلہ ہے۔ اس میں کامیابی بھی بڑی حد تک میرے نزدیک اسی اعلان سے وابستہ ہے ورنہ بھارت کی حکومت اور علمائے ہند کی جانب سے بے حد زبردست پراپیگنڈہ ہو گا۔ جس کے جواب میں پاکستان کا پہلو بہت کمزور ہو گا۔

"اور اگر فرض کیجئے وہاں دوبارہ جنگ کی نوبت آ گئی جو اغلباً کشمیر تک محدود نہ رہے گی تب بھی ہمارے دفاع کے لیے وہی مذہبی سپرٹ بہت زیادہ کام دے گی جو خدائی آئین اور اسلامی

نظام حکومت کے اعلان سے مسلمانوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ بہرکیف جس پہلو سے نظر کیجئے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہماری مملکت کی خوبی، تحفظ اور استحکام کا راز اسلامی نظام کے نفاذ میں پوشیدہ ہے اور یہ کہ جس نام پر پاکستان حاصل ہوا اسی نام پر یہ مضبوطی کے ساتھ باقی رہے گا۔"

علامہ عثمانی کی نگاہ دوررس سولہ برس پیشتر کشمیر میں دوبارہ جنگ کے شعلے بھڑکتے دیکھ رہی تھی۔ ہمارے حکمرانوں نے تو وقت کے وقت تک یہی سمجھا کہ کشمیر میں لڑی جانے والی جنگ کے شعلے، کشمیر کی وادیوں سے باہر نہیں آئیں گے۔ مگر ستمبر ۱۹۶۵ء میں دنیا نے دیکھا کہ علامہ شبیر عثمانی نے سولہ برس پہلے جو بات کہی تھی وہ پوری ہوئی۔ کشمیر کی جنگ نے وسعت اختیار کی اور بین الاقوامی سرحدوں پر لڑی گئی اور پھر یہ مشاہدہ سب نے کیا کہ اس جنگ کو کس نے جیتا؟ افراد نے؟ ساز و سامان نے؟ ذرائع و وسائل کی فراوانی نے؟ نہیں ان میں سے کسی نے نہیں، بلکہ ایک لازوال جذبے اور روحانی طاقت نے یہ جنگ جیتی اور پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

خوب سمجھ لیجئے، آج کا مسئلہ مسٹر و ملا کا مسئلہ نہیں، نہ یہ جدت و قدامت کی کشتی ہے اور نہ دیوبند، بریلی اور علی گڑھ کا اکھاڑہ ہے۔ یہ تو خدا کے بندوں کے لیے سخت ترین آزمائش کی گھڑی ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے اس موقعے سے کیا فائدہ اٹھاتے ہیں اور کس عزم و ہمت سے قرآنی آئین اور اسلام کے فطری اصول کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے کمر ہمت کستے ہیں۔

آخر میں علامہ مرحوم نے علماء سے اور نوجوانوں سے جو اپیل کی ہے وہ آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسے اس وقت تھی۔ اسی اپیل پر یہ تقریر ختم کرتا ہوں۔

علماء سے خطاب

"اے حضرات علمائے کرام! یہ آپ کا کام ہے کہ اسلام کی خاطر اپنے چھوٹے اختلافات سے کنارہ کش ہو کر مسلم قوم کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے اتحاد و یک جہتی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور قوم کو اس قابل بناؤ کہ وہ نظام شریعت کو اپنا نظام زندگی بنالے، تعطل، جمود اور بطالت کو چھوڑ دو۔ عمل صالح کے ہر میدان میں نکلو خدا ہماری مدد کرے گا۔"

نوجوانوں سے خطاب

"میرے عزیز نوجوانو! وقت ہے کہ تم ہمت اور اولوالعزمی دکھاؤ۔ دریائے الحاد کے دھارے کے خلاف اگر تیرنا پڑے تو شیر ببر کی طرح سینہ سپر ہو جاؤ اور گمراہوں کے فریب میں مت آؤ جو تم کو پھر اسی الحاد میں دھکیلنا چاہتے ہیں، جس سے نکلنے کے لیے تم تحریک پاکستان کے وقت ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ بے دینوں اور نفس پرستوں کی تقلید کوئی قابل فخر نہیں۔ خدائی نظام کا احیاء تاریخ میں تمہارا نام روشن کر دے گا، اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سرخرو بنائے گا، یاد رکھو! خدا کا دیا ہوا یہ موقع بھی اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا و آخرت کی تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم!
تو خواہ از سخنم پند گیر یا کہ ملال"

راولپنڈی کے جلسہ عام میں مولانا کا خطاب

(مختصر خلاصہ)

"اسلام سے انحراف کر کے پاکستان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ جو لوگ یہاں سے اسلام کو نکالنا چاہتے ہیں، وہ دراصل پاکستان کی روح سے ہی ناآشنا ہیں۔ پاکستان اسی نام پر بنا تھا۔ یہی نام اس کی بقا اور اس کے استحکام کا ضامن ہے۔"

مولانا نے فرمایا کہ اسلام سے بغض رکھنے والے لوگ اسلامی حکومت کے مطالبہ کو ملا کر حکومت کا نام دے کر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی حکومت ہوگی جس میں صرف ملا ہی حکمران ہوں گے، تو یہ ان لوگوں کی فکری عیاری ہے۔ ہمارا اسلامی حکومت کے مطالبہ کا یہ مفہوم کبھی نہیں رہا۔ مسلم قائد اعظم سے لے کر اب تک علماء کے کسی حصے نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ملاؤں کی حکومت قائم کی جائے۔ اسلامی حکومت سے مراد ایسی حکومت ہے جو اسلام کی منشا و غایت کے مطابق ہو۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ حکومت ہمارے ہاتھ میں آ جائے۔ ہم یہ

کہتے ہیں کہ حکمران ذرا اسلامی بن جائیں۔ اور اوامر کو اوامر سمجھیں اور نواہی کو نواہی۔

مولانا نے فرمایا۔ " یہ کسے معلوم نہیں کہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی پارلیمنٹ اور دستوریہ کے رکن رہے۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ لیاقت علی خان کی جگہ، یا کوئی اور مولوی وزیراعظم بن جائے لیکن وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ نظام حکومت اسلامی ہو۔ وہ لوگ جو آج قائداعظم سے منسوب کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں یہاں ایک سوشلسٹ حکومت کا قیام تھا۔ اول تو ان کی روایت محل نظر ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی ایسی بات نہیں کی۔ دوم یہ بات انہیں آج سوجھی ہے۔ وہ اپنی خواہش میں قائداعظم کو بھی ملوث کرنا چاہتے ہیں۔

مولانا احتشام الحق نے فرمایا

" قائداعظم سے اسلامی آئین کے متعلق کسی نے کہا " اسلام میں اختلافات ہیں " انہوں نے فرمایا " یہ غلط ہے۔ آئین و حکومت سے متعلق اسلام میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف عبادات میں ہے اور وہ بھی اسلام میں نہیں، مسلمانوں میں ہے۔ "

مولانا نے فرمایا " ایک ملک کے لیے آئین کی جو بنیادیں لازم سمجھی گئی ہیں، وہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور اگر ان کو یکجا کر کے آئین کے بنیادی خطوط وضع کر لیے جائیں تو کسی کو شکایت نہ ہوگی بلکہ ایک ایسا مثالی آئین ہوگا کہ اس پر کسی گوشے سے انگشت نمائی کا اندیشہ ہوگا۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں جو کہلاتے تو مسلمان ہیں لیکن مسلمان ہو کر بھی اسلام کے آئین سے واقف نہیں بلکہ انہیں اسلامی عقائد و نظام کے مبادیات کا بھی علم نہیں ہے۔ "

مولانا نے فرمایا۔ " دولت کی منصفانہ تقسیم اسلام کی منشاء ہے۔ لیکن اس منشاء کو کسی ازم کے تابع نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ یہاں بیرونی فلسفہ یا ازم کو لانا چاہتے ہیں وہ اس ملک کے اجتماعی ضمیر سے نابلد ہیں اور غلط فہمی کا شکار ہیں کہ یہاں وہ مسلمانوں کی ملت میں سے کسی ازم کی نسل پیدا کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ مولانا نے علماء کے باہمی اختلاف پر افسوس کیا اور فرمایا۔ " ہم تحریک پاکستان کے سپاہی تھے۔ لیکن ہم ان سپاہیوں کی عزت کرتے ہیں

جنہوں نے برٹش امپیریل ازم کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا اور غیر ملکیت غلامی کو ختم کرنے کا باعث ہوئے۔ اگر برطانوی ملوکیت کا خاتمہ نہ ہوتا تو پاکستان بھی نہ بنتا۔ یقیناً وہ لوگ ہمارے احترام کے مستحق ہیں، جو برٹش امپیریل ازم سے لڑتے رہے حتیٰ کہ ان کی مساعی سے برطانوی استعمار اس ملک سے چلا گیا۔"

مولانا نے قائداعظم کو زبردست خراج پیش کیا کہ ان کی بدولت ہمیں یہ ملک ملا۔ اور افسوس کیا کہ ہم اس ملک کو اپنی سیاسی کبڈی کا میدان بنا رہے ہیں۔

مردان میں اسلامی نظام کے موضوع پر مولانا کا خطاب

مردان، مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے قائد مولانا احتشام الحق تھانوی نے کہا ہے کہ پاکستانی عوام سوشلزم، کمیونزم اور نیشنل ازم کے خلاف متحد ہو چکے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں سوشلزم کا نعرہ بے اثر ہو چکا ہے۔ عوامی لیگ کے صدر شیخ مجیب الرحمان عوام کے دباؤ سے خوفزدہ ہو کر قرآن و سنت کے مطابق قانون بنانے کے حامی بن چکے ہیں۔ مگر جب تک وہ چھ نکاتی پروگرام سے دستبرداری کا اعلان نہیں کرتے ان کے نئے موقف پر یقین نہیں کیا جا سکتا انہوں نے کہا کہ چھ نکات کا مطلب پاکستان کا خاتمہ ہے۔ پاکستان ہی نہ رہا تو قرآن و سنت کے نظام کو کہاں نافذ کیا جائے۔ مولانا تھانوی نے یہ بات مردان میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہی انہوں نے پشاور، نوشہرہ اور تمرگرہ میں بھی جلسوں سے خطاب کیا۔

مولانا تھانوی نے کہا کہ نیشنل ازم پاکستان کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اس نعرے کا زیادہ زور مشرقی پاکستان میں تھا وہاں بنگلہ دیش کے نعرے کے بعد امرا پاڑی تمرا پاڑی غسل بازی کے نعرے بھی لگنے لگے تھے۔ مگر اب صورت حال کافی بدل چکی ہے۔ مشرقی پاکستان میں اب ایک نیا نعرہ "امرستان تمرستان" ہے۔ شیخ مجیب الرحمان اس نعرے کی گونج سے خوفزدہ ہو کر قرآن و سنت کے مطابق قانون بنانے کے حامی بن چکے ہیں۔ لیکن جب تک وہ چھ نکات سے دستبردار نہیں ہوتے ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا یہ نعرہ بھی دراصل سوشلزم ہی جیسا فریب ہے۔ انہوں نے کہا کہ لادینی اور اشتراکیت کی طرف بلانے والوں کے جلسوں میں سامعین کی تعداد کوئی

حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ ان کے جلسوں اور جلوسوں پر بے تحاشا دولت خرچ کی جاتی ہے۔ اسلام میں کثرت کو کبھی حق کی دلیل نہیں سمجھا گیا۔ ہم تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود حق پر قائم رہیں گے اور آخری فتح حق کو ہی حاصل ہوگی۔

مولانا تھانوی نے عوام کو خبردار کیا کہ وہ غریبوں کے نام نہاد خیرخواہوں کے فریب میں نہ آئیں۔ جن لوگوں نے کبھی روزے تک نہ رکھے ہوں۔ انہیں فاقہ کرنے والوں کی تکلیف کا احساس کیسے ہو سکتا ہے ایک دن بھی شراب کا ناغہ نہ کرنے والے غریبوں کے دردمند کیسے ہو سکتے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ سوشلسٹ جماعتوں نے کروڑ پتیوں، زمینداروں اور سرمایہ داروں کو اسمبلیوں کے ٹکٹ دیئے ہیں۔ طبقاتی بنیاد پر انتخابات کا مطالبہ کرنے والوں نے غریبوں، کسانوں، مزدوروں کو ٹکٹ جاری نہیں کئے۔ غریبوں سے انہیں جو ہمدردیاں ہیں۔ وہ اسی بات سے ظاہر ہو گئی ہیں۔ مولانا تھانوی نے کہا کہ سی ایس پی افسروں نے بیس بائیس سال سے ملک میں سرمایہ دارانہ نظام جاری کر رکھا ہے۔ دولت و اقتدار چند خاندانوں میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ آج صنعتوں کو قومیانے کا نعرہ وہی لوگ لگا رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنے دور اقتدار میں ایک ایک سرمایہ دار کو بیس بیس کارخانوں کے لائسنس جاری کئے انہوں نے کہا کہ سرمایہ دارانہ نظام کی ذمہ داری آخر علماء پر کیوں ڈالی جاتی ہے علماء سوشلزم اور سرمایہ داری دونوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مولانا تھانوی نے جیکب آباد میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج پھر وہی حالات سامنے آ گئے ہیں جو پاکستان بننے سے پہلے تھے۔ پہلے ہمیں قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کرنا پڑی اور آج پاکستان کی بقاء کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ ملک کی بقاء کا انحصار اسلامی نظام پر ہے بعض جماعتیں عوام کو مساوات کے نام پر بہکا رہی ہیں۔ لیکن ہمیں ان کے فریب میں آنے کی بجائے اسلام کے نظام عدل کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔

قائد جمعیۃ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے خطاب سے چند اقتباسات

صوبہ پنجاب کی مرکزی جمعیۃ علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے عہدہ داروں کے انتخاب کے لئے مجلس شوریٰ کا اجلاس قائد جمعیۃ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے زیر نگرانی بتاریخ ۱۶ اکتوبر جامعہ اشرفیہ لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں پنجاب کی تمام ضلعی شاخوں کے نمائندوں نے شرکت کی جس میں جناب حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی، حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب، حضرت مولانا فردوس علی شاہ صاحب قصوری، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور مولانا صاحبزادہ عبد الرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انتخاب سے قبل قائد جمعیۃ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے رفقاء جمعیۃ کو خطاب کیا۔

رفقائے جمعیۃ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کے احیاء کو صرف ایک سال کی اتنی قلیل مدت ہوئی ہے جو تنظیمی اور جماعتی زندگی میں چشم زدن سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی مگر اس وقفہ میں جو نمایاں خدمات آپ حضرات نے انجام دی ہیں وہ برسہا برس کی خدمات سے بھی زیادہ ہیں۔

رفقائے جمعیۃ کو طریق کار سے متعلق ہدایت دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اقامت دین کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اسلام کو صرف نصب العین بنانا کافی نہیں ہے جب تک اس کے حاصل کرنے کی کوشش اور تدبیر بھی احکام شرعیہ کے مطابق نہ ہو کذب و افتراء مکر و فریب اور گالی گلوچ کے وہ ہتھکنڈے جن کو آج کل کی سیاست کی روح سمجھا جاتا ہے ممکن ہے کہ ان سے الیکشن جیتا جا سکتا ہو لیکن اسلامی نصب العین حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

ایک مسلمان کے لئے بھی اقامت دین یہ ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں شریعت کے اوامر و نواہی کا پابند ہے۔

آج جو تنظیمیں اور جماعتیں ہمارے خلاف لادینی سیاست کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہیں ان کے دفاع اور جواب میں بھی ہمیں تہذیب و سنجیدگی اور دین و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

ضلعی اور ذیلی شاخوں کی تنظیم کی ضرورت پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ جماعتوں اور انجمنوں کی تنظیم کے دو پہلو ہیں ایک تبلیغی دوسرا انتخابی۔

جہاں تک تبلیغی اور اصلاحی مقاصد سے متعلق تنظیم کا تعلق ہے وہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے صدیوں سے تعلیم قرآن کے مکاتیب دینی نظام کے مدارس اور مساجد کے خطباء کی صورت میں قائم کر رکھی ہیں اور وہ اپنی جگہ نہایت موثر اور کامیاب ہے۔

البتہ انتخاب اور الیکشن کے لئے جس سیاسی تنظیم کی ضرورت ہے وہ اگرچہ کوئی بڑا کام نہیں ہے مگر اہل باطل کے اقتدار سے بچنے کے لئے ناگزیر تنظیم ہے اور ہماری جماعت ابھی تک اس سلسلہ میں وقت کی کمی و دیگر مصروفیات کی وجہ سے پوری طرح کام نہیں کر سکی۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد آپ حضرات کے ہاتھوں یہ کمی پوری ہو جائے گی۔ نیز تنظیم سے متعلق یہ ہمارا نقطۂ نظر رہنا چاہئے کہ یہ تنظیم صرف الیکشن کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا اصل تعمیری کام الیکشن کے ہنگامے گذر جانے کے بعد شروع ہوگا۔ اگر خدانخواستہ لادینی قوتیں الیکشن میں برسر اقتدار آ گئیں تو ممکن ہے ہمیں ان کے خلاف تحریک چلانی پڑے گی اور قید و بند کی مصائب سے دوچار ہونا پڑے۔

تنظیم میں ایسے فعال اور مخلص افراد کو شامل کرنا ضروری ہے جو قربانی کے وقت آتش نمرود میں سب سے پہلے کود پڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

اسلام پسند جماعتوں کے مابین متحدہ محاذ کے بارے میں صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے ارشاد فرمایا کہ۔

سوشلزم اور دوسرے لادینی نظاموں کے مقابلے میں جو نظریاتی جنگ لڑی جا رہی ہے اس میں ذہنی اور فکری اعتبار سے اسلام پسند عناصر نے تقریباً فتح حاصل کر لی ہے لیکن الیکشن

اور انتخاب میں اگر اسلام پسند عناصر کا موثر متحدہ محاذ نہ بنا تو جیتی ہوئی جنگ کے ہار جانے کا زبردست خطرہ ہے اور معاملہ پاکستان کی بقاء اور عدم بقا کا اور اسلام وکفر کے اختیار کرنے کا ہے اس اہمیت کے پیش نظر ہم نے تقریباً اپریل ۷۰ء سے اس امر کی مسلسل کوشش کی کہ تمام اسلام پسند جماعتوں کا ایک انتخابی متحدہ پارلیمانی بورڈ بنا دیا جائے اور اس طرح اسلام پسند عناصر کے مابین کشمکش کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اس مہم کا آغاز ہم نے جماعت اسلامی کے سربراہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے کیا تھا۔ افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی خاطر خواہ جواب نہ ہونے کی وجہ سے یہ مہم آگے نہ بڑھی پھر کراچی اور لاہور میں جون کے وسط اور اواخر میں اتحاد کے لئے مذاکرات شروع ہوئے جو شرکاء افراد کی بعض غیر ذمہ دارانہ باتوں کی وجہ سے بالآخر ناکام ہو گئے اس سلسلہ میں آٹھ جماعتوں کے اتحاد کا جو اعلان پریس میں آیا ہے اس کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ موجودہ الیکشن اصل میں دستور سازی کے لئے ہے جس پر اسلامی نظام اور پاکستان کی بقاء کا دارومدار ہے دستور سازی کا مرحلہ اسلام پسند افراد کی غالب اکثریت کے بغیر طے کیا جا سکتا ہے اگر اعلیٰ کردار کے افراد چھوٹی اقلیت کی حیثیت سے دستور ساز اسمبلی میں آتے ہیں تو آیا لادینی عناصر کی اکثریت غیر اسلامی اور پاکستان کے خلاف دستور مرتب کرے گی اور یا ایک سو بیس دن کے بعد دستور تیار نہ ہونے کی شکل میں اسمبلی کو برخاست کر دیا جائے گا دونوں صورتیں اسلام اور ملکی حیثیت سے گوارا نہیں کی جا سکتیں اسلامی نظام کو قائم کرنے اور ملک کو بچانے کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ اسلام پسند عناصر سوشلسٹ اور نیشنلسٹ طاقتوں کے خلاف اپنی اکثریت سے دستور مرتب کریں اور غالب اکثریت اس وقت تک نہیں حاصل ہو سکتی جب تک ملک کی ان تمام جماعتوں کو شامل نہ کیا جائے جو مشرقی اور مغربی پاکستان کے دونوں حصوں میں موجود ہیں اور جو بہر صورت معتدبہ تعداد میں کامیابی حاصل کریں گی۔

آٹھ جماعتوں کا اتحاد تبلیغی مقصد کے لئے مفید ہو سکتا ہے لیکن اس اتحاد سے پورے پاکستان کا یا مغربی پاکستان کا بلکہ پنجاب کا مسئلہ بھی حل نہیں ہوتا۔

آج تحریک استقلال اور مسلم لیگ کے دھڑوں کو شامل کر کے اتحاد کی کوئی شکل سامنے آتی ہے تو ہم سب سے پہلے اس اتحاد کو لبیک کہیں گے اور ہمارے نزدیک یہی طریقہ اسلام اور ملک کی بقا کے لئے صحیح طریقہ ہے۔

اس کے باوجود ہم آپ کو ہدایت کرتے ہیں کہ اتحاد میں شامل نہ ہونے کا مقصد آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کرنا نہیں ہے اور اس سے پورے طور پر گریز کرنا چاہئے۔

(صورت الاسلام لاہور)

اسلام پسند عناصر کے اتحاد میں ناکامی کے اسباب

اسلامی دستور کی تدوین میں اسے پاس کرانے میں اور اسلامی نظام حیات کو بروئے کار لانے کی جدوجہد میں مختلف جماعتوں اور افراد کا کردار کیا رہا ہے اور اس مقصد میں ناکامی کے عوامل کیا تھے۔ یہ پاکستان کی دستوری و سیاسی تاریخ کا نہایت اہم باب ہے اور ابھی تک پردہ خفا میں ہے۔ اگر زندگی نے مہلت دی تو ان شاءاللہ ضرور قلم بند کیا جائے گا۔

اس وقت ایوب خان کی گول میز کانفرنس کے بعد مختلف جماعتوں کے کردار اور اسلام پسند عناصر کے اتحاد میں ناکامی کے اسباب و عوامل سے بحث مقصود ہے۔

انتخابات میں اسلام پسند جماعتوں کی ناکامی کا ردعمل مختلف حلقوں میں مختلف ہوا ہے اور مختلف ذہنوں نے اس سے مختلف اثرات قبول کیے ہیں۔

ایک خاص حلقے میں اسلام پسند عناصر کی شکست کو اسلام کی شکست سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

حتیٰ کہ بعض ذہن اب پاکستان میں اسلام کے مستقبل کو تاریک سمجھنے لگے ہیں۔

بعض اطراف سے اس ناکامی کا الزام مختلف اسلام پسند جماعتوں پر ڈالا جا رہا ہے۔

جماعت اسلامی اس معاملے میں سب سے زیادہ مستعد ہے۔ اس وقت اس کی تمام تر صلاحیتیں اس امر میں صرف ہو رہی ہیں کہ اس ناکامی کی ذمہ داری وہ دوسروں پر ڈال کر اپنے دامن کو پاک و صاف ثابت کر دے۔ جماعت اسلامی نے حقائق کو پس پشت ڈال کر اسباب و نتائج کی جو تصویر لوگوں کو دکھانی شروع کی ہے۔ اس نے صرف اسی کے اخلاق و

دیانت کا فیصلہ نہیں کر دیا ہے بلکہ اس کا ایک خطرناک پہلو یہ ہے کہ آئندہ صحیح رویہ اور طرزِ عمل اختیار کرنے کی راہیں مسدود ہوتی جائیں گی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر ہم ہار گئے تو حقیقت پسندی کا ثبوت دیں اور صاف صاف اس کا اعتراف کر لیں۔ اگر اس ناکامی میں ہمارا کچھ حصہ ہے تو اس کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیں اور اگر اس میں کسی دوسری جماعت کی ذمہ داری ہے تو الزام کے جذبے کی بجائے افہام و اظہارِ حق کے نقطۂ نظر سے اس کے اسباب کو سامنے لائیں اور یہ سمجھ لیں کہ پردوں کو ہٹائے اور نقابوں کو الٹے بغیر ہم حقیقت کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے اور اس کے بغیر نظر بصیرت واضح نہیں ہو سکتی؟ یہ ایک ناگزیر فرض ہے جسے ہم ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ اس تحریر کا اصل مقصد کسی شخص یا کسی جماعت کی مخالفت یا اس پر کیچڑ اچھالنا ہرگز نہیں ہے۔ جماعت اسلامی اور اس کے رہنماؤں کا رویہ اگر ہدفِ تنقید بنا ہے تو یہ حالات کا ناگزیر تقاضا اور ادائے فرض کی مجبوری ہے۔

میں نے اپنی پوری زندگی میں پاکستان کی ۲۳ سالہ تاریخ میں ملکی سیاسیات سے بہت قریب رہا ہوں اور ہر سطح کی اور ہر قسم کی شخصیتوں سے میرا سابقہ پڑا ہے اور قومی زندگی کے مختلف مراحل میں مختلف جماعتوں کے کردار پر میری نظر رہی ہے۔ خوش گوار اور ناخوش گوار بہت سے تجربات ہوئے ہیں۔ لیکن کسی کی مخالفت بے جا یا کسی کو رسوا کرنے کی معصیت سے کبھی زبان و قلم کو آلودہ نہیں کیا۔ جب کبھی اس قسم کا خیال آیا تو اس جماعت یا افراد کی مجبوریوں پر نظر گئی۔

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ جماعت اسلامی سے مجھے شدید اختلافات ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے دینی تصورات اور فقہی اجتہادات سے میں نے ہمیشہ اختلاف کیا۔ جماعت اسلامی کی سیاست اور اس کے طریقۂ کار کو بھی میں نے اپنی دینی اور سیاسی بصیرت کی بناء پر پسندیدہ نہیں سمجھا۔ میں نے ان کی علمی تحقیقات اور ان کے تاریخی کارناموں کو حقیقت کے برعکس بھی سمجھا اور مصالحِ امت کے خلاف بھی پایا۔

ان کے بعض خیالات میرے نزدیک صریح گمراہی اور بے دینی پر مبنی ہیں۔ مختلف مواقع پر میں نے خود مودودی صاحب کو ٹوکا بھی ہے اور ان سے ان کی علمی تحقیقات اور فقہی

اجتہادات میں رویے کی تبدیلی اور فقہ و حدیث کے معاملات میں رائے دینے سے گریز کی درخواست بھی کی ہے کہ یہ علوم و فنون ان کے دائرہ علم و تعلیم میں نہیں آتے ہیں۔ ان کی طبع آزمائی کے اظہار کے لئے ہماری ادبی دنیا کی زندگی کے بہت سے موضوعات ہیں جن میں ان کی جولانی طبع اور قلم فرسائی سے قوم کو فائدہ بھی پہنچ سکتا ہے۔ لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ اگر کسی نے مولانا مودودی صاحب کے فکر و اجتہاد کے بارے میں مجھ سے کوئی بات دریافت کی ہے تو میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ الحمدللہ کہ کتمان حق کی معصیت سے بھی میرا دامن پاک رہا ہے اور میں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ گونگے شیطان کی وعید نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا مورد بنوں۔ لیکن محض مخالفت، الزام اور کیچڑ اچھالنا میرا مقصد کبھی نہیں رہا۔

ہمارے ملک میں شروع سے اسلام اور لادینی افکار رکھنے والی دینی جماعتوں اور اسلامی نقطہ نظر رکھنے والی جماعتوں اور دشمن اسلام قوتوں اور اسلام پسند عناصر کے مابین مقابلہ اور تصادم رہا ہے۔ اس تصادم میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب کی مخالفت کو مسئلہ بنالینا میں نے ہمیشہ اسلامی مفاد کے خلاف سمجھا اور میں ہمیشہ اپنے اس یقین پر قائم رہا کہ جماعت اسلامی سے مقابلہ و تصادم میں جماعت اسلامی کو نقصان پہنچے یا نہ پہنچے، لادینی عناصر کو فائدہ ضرور پہنچے گا، اور یہ بات کسی مرحلے میں بھی میرے نزدیک پسندیدہ نہیں تھی۔ اس لئے جماعت اسلامی کی مخالفت کو کبھی مسئلہ نہیں بنایا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں جماعت اسلامی کے افکار و خیالات کا حامی یا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا معتقد ہوں لیکن لادینی عناصر کا دشمن ضرور ہوں اور اپنے کسی فکری و نظری اختلاف سے انہیں فائدہ پہنچانا کبھی مطلوب و محبوب نہیں رہا۔

سنہ ۱۹۵۰ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب اس وقت کی مسلم لیگ اور اس کے لیڈر نوابزادہ لیاقت علی خان کی مخالفت میں اس سے بہت زیادہ شدید تھے۔ جتنے کہ وہ آج مسلم لیگ کے مخالف ہیں اور اس وقت ان کے اخبارات، روزنامہ تسنیم اور کوثر وغیرہ میں اس سے بہت زیادہ شدید مضمون نکلتے تھے جتنے شدید اور تیز و تند زندگی، جسارت وغیرہ میں سنہ ۱۹۷۰ء میں نکلے ہیں اور میرا تعلق اس وقت کی مسلم لیگ اور حکومت کے سرآوردہ اصحاب سے آج کے مقابلے میں بہت زیادہ اور قریبی تھا۔

نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم نے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب کے خلاف ہمارا تعاون بھی چاہا مگر ہم اپنی اس پالیسی پر قائم رہے جو ہماری بصیرت نے ہمیں صحیح بتائی تھی اور جس سے ملت اسلامیہ کا اور اسلام کا مفاد وابستہ تھا۔ لیاقت علی خان مرحوم نے ہم سے مایوس ہو کر بعض دوسرے علماء کا تعاون حاصل کیا اور انہوں نے جماعت اسلامی کی بڑی گت بنادی۔

اس کے بعد بھی خواجہ ناظم الدین، مسٹر غلام محمد، میجر جنرل اسکندر مرزا اور سب سے آخر میں ایوب خان کے مختلف زمانوں میں جماعت اسلامی کے خلاف محاذ بنائے گئے اور اس میں ہمارا تعاون حاصل کرنے کی بہت کوشش کی گئی۔ لیکن ہمارے پیش نظر جماعت اسلامی کی مخالفت سے زیادہ اہم اسلام اور پاکستان میں اسلامی تحریک کا مفاد تھا۔ اس لئے ان تمام حکومتوں کو ہمارا تعاون حاصل کرنے میں مایوس ہونا پڑا۔ اور جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب سے شدید اختلافات کے باوجود ان کے مقابلے میں کسی حکومت کا آلۂ کار بننا ہم نے پسند نہ کیا۔

جماعت اسلامی کی مخالفت میں ایوب خان کو۔ یوں کرنے ہی کا نتیجہ تھا کہ دیوبندی مکتب فکر کے علماء ان کے محبوب قرار پائے اور ایوب خان کے چہیتے بنے کہ دیوبندی مکتب فکر بھی جماعت اسلامی کی ایک شاخ ہے۔ حالانکہ اسی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بعض علماء نے اس موقع پر جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب کے خلاف ایک زبردست مہم چلائی۔ ان کے افکار و نظریات پر سخت تنقیدیں کیں اور ان کے اصولی و فقہی اجتہادات پر سخت گرفت کی اور اس طرح جماعت اسلامی کا ناطقہ بند کر دیا۔ اس وقت بھی ہم نے مولانا مودودی صاحب یا جماعت اسلامی کے خلاف زبان کھولنا اسلامی مفاد کے خلاف سمجھا اور یہی یقین کیا کہ اس سے نقصان اسلامی اخوت اور اسلام پسند عناصر کو پہنچے گا اور لادین حکومت فائدہ اٹھائے گی۔

ہماری اس حکمت عملی اور پالیسی کی بنا پر خود ہمارے بعض بزرگوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم سے ناراض ہو گئے ہم نے اپنے بزرگوں کی خفگی اور ناراضگی کو ان کے اخلاص کے خلاف نہیں سمجھا۔ لیکن ہمیں اپنے رائے کے بارے میں بھی کبھی تردد یا تذبذب نہیں پیدا ہوا۔

اللہ تعالیٰ مولانا حسرت موہانی کو غریق رحمت کرے کیا خوب کہہ گئے ہیں۔۔

طعن احباب نے، سرزنش خلق کی
ہم نے کیا کیا، تری خاطر سے گوارا نہ کیا!

اگست سنہ ۱۹۶۹ء میں جب سوشلزم کے خلاف ملک گیر پیمانے پر مہم چلائی گئی تو ہم پر جگہ جگہ مودودی کے ایجنٹ اور مودودی کے پٹھو کے آوازے کسے گئے اور صرف مولانا مودودی صاحب کی مخالفت نہ کرنے کے جرم میں ہدف تنقید و استہزاء بننا پڑا یہاں تک کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہم سے صرف اس بات پر جدا ہو گئے کہ انہیں ہمارے اسٹیج پر مولانا مودودی صاحب کا نام لے کر ان کی مخالفت کی اجازت نہیں دی گئی۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اس کے برعکس مولانا مودودی صاحب ان کے رفقاء اور ان کے اخبارات ورسائل نے ہمارے اس تعاون کا کتنا اعتراف اور اسلامی مفاد و مصالح کا کتنا لحاظ کیا اس کا اندازہ اس کتاب میں پیش کردہ حقائق کے مطالعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

علماء کے وقار سے جماعت اسلامی کی تعصب پسندی کی داستان بڑی طویل اور افسوسناک ہے۔

اس باب میں اس نے بے دین عناصر کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ جماعت اسلامی کے ادب مشرقی میں علماء کی عزت اور ان کا ناموس طنز اور مزاح کا ایک خاص موضوع رہا ہے۔ انہوں نے اسلامی ادب کے نام پر جو کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کا تجزیہ اور اس پر تبصرہ ایک الگ موضوع ہے اور کسی دردمند نقاد کی توجہ کا منتظر۔

جماعت اسلامی نے علماء کو کبھی قابل احترام سمجھا ہی نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے لے کر مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، اکابر دیوبند اور اس وقت کے علماء تک ہر کوئی ان کی قلمکاریوں کا نخچیر اور ہر دامن ان کی دست درازیوں کا شاکی ہے۔

حتیٰ کہ انتخابات سے دو تین روز پہلے مولانا عبدالعلیم صدیقی مرحوم کی صاحبزادی کے سلسلے میں اور مرحوم کے صاحبزادے اور جمعیت علمائے پاکستان کے رہنما مولانا احمد شاہ نورانی کے بارے میں جسارت میں جو کیچڑ اچھالی گئی وہ اس درجہ شرمناک تھی کہ اس کے

تصور سے گھن آتی ہے اور اپنی نجی مجلسوں میں ان بزرگوں کے اخلاق و سیرت کے بارے میں جو
جو افسانے تخلیق کئے گئے اور جس طرح مزے لے لے کے بیان کیے گئے اور انہیں پھیلایا
گیا اس سے جماعت اسلامی کی خاص ذہنی و فکری تربیت کا پتا چلتا ہے۔

لیکن اب اس سے اس کی شکایت بھی نہیں کرنی چاہیے جس نے صحابہ کرام کے بارے میں
جو فکری ظلمت میں ہدایت کے روشن ستارے ہیں تنقید سے بالاتر ہونے کا صرف عقیدہ ہی
نہیں رکھا، بلکہ عملاً ہدف تنقید بھی بنا ڈالا اور ان کے ناموس کا لحاظ نہ کیا ہو اس سے علماء کے عہد یا
کسی محترم خاتون کی عزت و احترام کی توقع چہ معنی دارد یہاں تک کہ وہ علماء جو جماعت اسلامی
کے ساتھ تعاون و اشتراک سے کبھی دست کش نہیں ہوئے وہ بھی ان کی تنقیص کے شاکی
ہیں۔ جماعت اسلامی نے علماء کی پگڑیاں اچھالنے میں ان کی تحریروں کو غلط انداز میں بدنام کرنے
میں انہیں رسوا کرنے میں اور انہیں پاؤں میں لتاڑنے میں جس افسوسناک کردار ادا کیا ہے۔

لیکن اب تاریخ اس موڑ پر آ گئی ہے کہ اگر اس تاریخ کو محفوظ نہ کر دیا گیا تو ایک تاریخی
نقصان بھی ہو گا اور اگر پہلے اختلاف کرنا اسلامی مفاد کے خلاف تھا تو اب اس اختلاف اور
جماعت اسلامی کے کردار سے پردہ نہ اٹھانا بھی دینی و سیاسی مصالح کے خلاف ہے۔

میرا مقصد شکایات کے دفتر کھولنا نہیں ہے بلکہ جماعت اسلامی کا وہ کردار بیان کرنا
ہے جس کا مظاہرہ اس نے پچھلے بیس سال کی سیاسی زندگی میں سوشلزم اور اسلام کی جنگ
کے دوران میں اسلامی نقطہ نظر رکھنے والی جماعتوں کے مابین اتحاد کے مذاکرات میں اور
انتخابات میں اسلامی عناصر سے اشتراک و تعاون میں کیا اور یہ اس لئے ضروری ٹھہرا کہ
آئندہ سیاسی سفر میں ہم ان غلطیوں کا اعادہ نہ کریں جو کر چکے ہیں۔

اتحاد کی راہ میں جماعت اسلامی کے کردار کو سامنے لانے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ
نہیں کہ مسئلے کے تمام پہلو روشنی میں اور تمام نقطہ ہائے نظر سامنے ہوں تاکہ صحیح نتائج تک پہنچ
سکیں اور اتحاد کی صراط مستقیم سے ادھر ادھر نہ ہونے پائیں۔ یہ مقصد بے لاگ تجزیے اور
حقائق کے بے غرضانہ اظہار و انکشاف کے بغیر ممکن نہ تھا اگر کہیں لہجے میں درشتی اور قلم میں
تیزی آ گئی ہو تو جائے تعجب نہیں۔ حالانکہ اگر جماعت اسلامی پر محض تنقید کا جذبہ بھی کارفرما

ہو تو اس کے لئے بھی وجہ جواز موجود ہے آخر جماعت اسلامی کے اکابر، اصاغر اور اس کے
اخبارات و رسائل نے ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے؟ ہمارے اسلاف اور وقت کی دینی و
سیاسی جماعتوں، تحریکوں اور شخصیتوں کے بارے میں اس کی جو روش رہی ہے وہ کوئی ڈھکی
چھپی بات نہیں۔ اس لئے اگر اضطرار و اضطراب میں ضبط کا دامن ہمارے ہاتھوں سے
چھوٹ جائے یا جفا و ستم سے گھبرا کر ہمارے منہ سے آہ نکل جائے تو کوئی شکوہ سنج کیوں ہو۔
آخر ہم بھی انسان ہیں اور پہلو میں پتھر کا بے حس ٹکڑا نہیں حساس دل رکھتے ہیں۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

جماعت اسلامی اپنے انداز اور طریقہ کار کے مطابق اپنا کام کر رہی ہے۔

میرے دوستوں اور مخلصوں کا خیال تھا کہ چونکہ پچھلے ڈیڑھ سال میں جو حالات پیش آئے
ہیں میں ان سے خود گزر رہا ہوں اور مختلف جماعتوں کے کردار کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے اس
لئے میں بھی اپنے تجربات اور مشاہدات کو قلم بند کر دوں تا کہ لوگوں کے سامنے واقعات کا صرف
وہی رخ نہ آئے جو جماعت اسلامی لوگوں کو دکھانا چاہتی ہے، بلکہ انہیں اس رخ سے بھی واقفیت
ہو جائے، جس پر جماعت اسلامی کے مصالح پردہ ڈالنے، غلط فہمیاں پیدا کرنے یا اسے مسخ کر
کے پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا کہ اتحاد کے مذاکرات اور انتخابات کی ناکامی
میں ہمارا اور دوسروں کا اور جماعت اسلامی کا کتنا حصہ ہے؟ ہمارا نہیں قارئین کا کام ہے

جماعت اسلامی۔ افکار کے آئینے میں
ایک سرسری نظر

جماعت اسلامی کے فکر و عمل میں کئی موڑ آئے اور اس کا کاروان سیاست بہت نشیب و
فراز سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہے۔

پہلے وہ ایک اصولی جماعت تھی اور صالح فکر ہی نہیں صالح طریقہ کار کی بھی پابند تھی اور

اس میں اتنی شدت تھی کہ مسلم لیگ سے اشتراک و تعاون کا سوال اٹھایا تو اس کے غیر صالح معیار کی بناء پر امیر جماعت اسلامی کے نزدیک خواجہ ناظم الدین مرحوم سے تو کیا اس کے پلیٹ فارم پر آسمان سے فرشتے اتر آتے تو ان سے تعاون کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

پہلے وہ ایک ایسی جماعت تھی جو جلسوں، جلوسوں، نعروں، ہنگاموں استقبالیوں، خیر مقدموں، ایڈریسوں اور استقبالیوں کو اسلام کے مزاج کے خلاف سمجھتی تھی۔

پہلے اس کے نزدیک اقتدار میں آنا کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔

الیکشن میں حصہ لینا اس کے نزدیک گویا کتوں کی دوڑ میں حصہ لینا تھا۔

مصر میں فوجی انقلاب کے بعد عورتوں کے سیاست میں حصہ لینے کا سوال اٹھا اور ایک اخبار میں خبر آئی کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے مصر کے بعض علماء کے اس فتوے سے اختلاف کیا ہے جس میں عورتوں کے سیاست میں حصہ لینے اور پارلیمنٹ کا ممبر بننے کے عدم جواز کی رائے ظاہر کی گئی تھی تو جماعت اسلامی نے اس "بے دینی" کے خلاف اخبار و رسائل میں ایک محاذ قائم کر دیا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ترجمان القرآن میں مولانا آزاد کے بیان و استدلال کے رد میں ایک نہایت مفصل مقالہ لکھا۔

لیکن جب حالات بدل گئے اور محترمہ فاطمہ جناح کی سیاسی سربراہی میں شوق حکومت کی تکمیل ہوتی نظر آئی تو اس کے لئے بھی ایک فلسفہ حکمت عملی تخلیق کر لیا گیا۔

جماعت اسلامی کو احساس ہوا کہ اس کے سفر کا رخ اور انداز اسے منزل سے اور دور کر رہا ہے اور یوسف مقصود اس کے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔

خدایا! جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

تو جہاں یہ تقاضائے وقت و بربنائے "مصلحت" "اسلامی حکمت عملی" کے تحت صاحب امر و امارت فرائض منصوصہ قرآنیہ و واجبات شرعیہ اسلامیہ میں تبدیلی کر سکتا ہو وہاں ان امور سیاسی کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ چنانچہ

جماعت اسلامی کے فکر اور طریقہ کار میں بھی تبدیلی آ گئی اور ضروری ہو گیا کہ سیاسی مسائل کے حل و تصفیہ کے لئے وقتی و سیاسی مصالح پر مبنی طریقہ کار اختیار کیا جائے۔

قیام خلافت الٰہیہ کے اسلامی نصب العین سے اسلامی جمہوریت اور پھر صرف جمہوریت کے نصب العین اور حصول مقصد کے لئے ان جماعتوں تک سے اشتراک و تعاون پر آمادہ ہو گئی جو جماعت اسلامی کی بلند پروازیوں میں نہ پہلے جس کا ساتھ دے سکی تھیں اور نہ اس "متحدہ محاذ" کی شرائط میں ان کے لئے جماعت اسلامی کے منشور سے اتفاق اور مقاصد کی تائید کی شرط لازم تھی، متحدہ جماعتیں "اسلامی فکر" کی حامل تھیں اور نہ صرف صالح طریقہ کار پر ایمان رکھتی تھیں۔

جلسوں، جلوسوں، نعروں، استقبالیوں، خیر مقدموں، ایڈریسوں وغیرہ کی اہمیت کا اعتراف بھی نہ صرف زبانی اور فکری طور پر کیا بلکہ ان کے اہتمام میں تاریخ سیاست کے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔

پھر اس کے لئے اقتدار میں آنا اتنا ضروری ہو گیا کہ اس کے بغیر جماعت کے اسلامی مشن کی تکمیل ممکن ہی نظر نہ آتی تھی اور اس کے لئے استدلال میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ خلافت الٰہیہ کے قیام کا مقصد اقتدار و حکومت کے بغیر نامکمل محسوس ہونے لگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اسلام کی دعوت و تبلیغ کا ایک نقش ناتمام اور ہجرت مدینہ اقدام تکمیل دعوت کی بجائے اس پر خط تنسیخ نظر آنے لگا۔

سیاست میں عورتوں کے حصہ لینے کے جواز کے حق میں اخباری نمائندے کی رپورٹ کو جس کی مولانا آزاد سے نسبت کی تصدیق بھی نہیں ہوئی تھی اسے "امام الہند کے فتویٰ شرعیہ" کی حیثیت سے پیش کیا گیا اور پاکستان کے صدارتی انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کی تائید میں اپنے رویہ کی اسلامی حیثیت پر اس بیان سے استدلال کیا گیا اور مصلحت وقت نے انہیں عالم دین اور مفتی شرع متین کی حیثیت سے پیش کرا دیا۔

پہلے ان کا فتویٰ بھی قابل رد تھا پھر مفاد و مصالح کا تقاضا ہوا تو ان سے متعلق ایک خبری رپورٹ بھی حجت شرعیہ بن گئی۔

ایک وقت تھا کہ مولانا آزاد بے دینی کی علامت تھے پھر وہ وقت بھی آیا کہ داڑھی کے مسئلے میں اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں ان کے افکار سے مولانا مودودی صاحب کے خیالات کی تائید کی گئی۔

مولانا آزاد کے خیالات کا رد اور ان کی شخصیت کی نفی جماعت اسلامی کے اکابر اور ان کے اخبار و رسائل کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ لیکن جب اکابر دیوبند اور دیگر علمائے اسلام نے مولانا مودودی صاحب کا رد اور تعاقب کیا اور انہیں کوئی جائے پناہ نہ ملی تو مولانا آزاد ہی کے دامن افکار میں پناہ ڈھونڈی حتیٰ کہ مولانا مرحوم کی طرف سے مودودی صاحب کی مدح و توصیف میں ایک جعلی خط بھی وضع کر لیا گیا۔

تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی   وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے فکر و کردار کا کون سا رخ صحیح اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے؟ تو یہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علم و بصیرت، اعتدال و توازن اور اخلاص و بے غرضی سے اس کے فکر و کردار کے دونوں رخ خالی ہیں۔

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ بھی تھا کہ فرنگی سرکار کی "حسن خدمات" اور برٹش حکومت کے قیام و استحکام میں تعاون اور اہل وطن کے خلاف مخبری کے عوض مجاہدین آزادی کو پھانسی کے تختوں پر لٹکوانے کے صلے میں اور انعام میں جو زمینیں انگریزوں نے دی تھیں ان کے لئے "اسلامی زمینداریاں" کی اصطلاح جماعت اسلامی کی علمی و فقہی ٹکسال سے ڈھل کر نکلی تھی اور ان زمینداریوں کے تحفظ و بقا کے لئے اس کا مکتبہ فکر جدید علم کلام کی تدوین میں کوشاں تھا اور کہاں یہ وقت بھی آیا کہ بلا کسی استثناء کے ایک خاص حد سے زائد زمین کو حکومت کے قبضے میں لے لینے اور کاشتکاروں کو اس کے مالکانہ حقوق کے عطا کرنے کو وجہ افتخار بنایا گیا۔

اور جن سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو ان کے سرمایوں اور صنعتوں کے "اسلامی نظریہ تحفظ" کی بشارتیں سنائی جا رہی تھیں اب انہیں بھی قومی ملکیت میں لے لیے جانے کے عوامی مطالبے کو جماعت کے "اسلامی منشور" میں شامل کر لیا گیا۔

یہ اور اس قسم کی پچاسوں باتیں ہیں جن سے اسلامی علوم و فنون کی تاریخ میں کسی نے

قوانین کا اضافہ ہوا ہو یا نہ ہو، اس کا فیصلہ تو اہل علم و فن ہی کریں گے لیکن شیخ محمد اکرام صاحب کو برصغیر کے مسلمانوں کی علمی و تہذیبی تاریخ (موج کوثر) کے نئے ایڈیشن میں تو معتزلہ یا معتزلین جدید کے عنوان سے ایک نئے باب کا اضافہ ضرور کرنا چاہئے جس میں افکار و سیرت جماعت اسلامی کے نشیب و فراز کی پوری تاریخ مرتب ہو جائے اور اگر کوئی چاہے تو تعبیرات و تاویلات جماعت اسلامی سے ایک نئی کتاب لغت بھی مرتب کی جا سکتی ہے۔

اس کا اور کوئی نتیجہ نکلا ہو یا نہ نکلا ہو اور نکلے یا نہ نکلے لیکن اس بات میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ جماعت اسلامی کے کردار نے اس کا اعتبار کھو دیا اب کوئی جماعت اس سے معاہدہ کرتے ہوئے اس کی نیتوں و باتوں پر اعتماد نہیں کر سکتی۔

چنانچہ یکم جنوری سنہ ۱۹۷۰ء کو سیاسی جدوجہد کا باب مقصود کھلتے ہی نشتر پارک کراچی کے پہلے مشترکہ جلسہ عام میں میاں طفیل محمد صاحب کی تقریر کے بعد بھی یہ بحث چھڑ گئی تھی۔

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

اور حالات نے اس خدشے کو درست ثابت کر دیا۔ جماعت اسلامی نے اتحاد و تعاون کی ہر امید پر پانی پھیر دیا۔ آخر میں چار ایک جماعتوں کے اتحاد کا ڈرامہ کھیلا گیا جن پر خود جماعت کے فلسفہ اجتماع کے مطابق جماعت کا اطلاق نہیں ہوتا تھا لیکن اس وقت وہ ملک کی مقتدر جماعتیں تھیں۔ لیکن جب اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہوا تو خود ان کے اخبار کے مطابق ان کی حیثیت محلہ کمیٹیوں سے زیادہ نہیں تھی اور جن جماعتوں سے اتحاد ملک و ملت کی بہی خواہی اور اسلام کے بہترین مفاد کا تقاضا تھا، ان سے نہ خود اتحاد کیا نہ دوسری جماعتوں کو مل بیٹھنے کے قابل رکھا۔

پہلے ایسے حالات پیدا کیے کہ جمعیت علمائے پاکستان ان کی بزم ناز سے اٹھی پھر جمعیت علمائے اسلام کے اتحاد کو مجروح کیا۔ پاکستان جمہوری پارٹی نے دور تک ساتھ دیا لیکن۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!

نوابزادہ نصر اللہ خان بھی ان کی تیر افگنیوں کا شکار ہوئے اور بالآخر ان سے بھی ٹھن گئی۔ غالب مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ۔

جو تیری بزم سے نکلا، سو پریشاں نکلا　　بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل

ایک وقت وہ بھی تھا کہ نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب کی اسلام پسندی اور سوشلسٹوں کے خلاف ان کی جہد آزمائی اتحاد کی راہ میں ان کے ایثار، بے نفسی اور ان کے جذبات صالحہ وصادقہ کے تذکرے میں مولانا مودودی صاحب رطب اللسان تھے اور صاحب "زندگی" کو ان کے اس قرب واتحاد پر رشک آتا تھا اور "زندگی" میں باحسرت ویاس اس کی روداد چھاپتے تھے۔

جو کوئی آئے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں

اور پھر چرخ کہن سال نے یہ منظر بھی بادیدہ حیراں دیکھا کہ "زندگی" کے ایک کارٹون میں مولانا مودودی صاحب انہیں نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب کی تیر افگنیوں سے برنگ بسمل تڑپ رہے ہیں اور نواب زادہ صاحب اپنی کمین گاہ سے رقص بسمل کا یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اس کارٹون پر مولانا مودودی صاحب کی زبان سے یہ شعر کیا خوب اور برمحل تھا!

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی!

جماعت اسلامی فکر وعمل کے جن نشیب وفراز سے گزری ہے۔ یہ اس کی مختصر روداد تھی۔ اگلے صفحات میں اسلامی نقطۂ نظر رکھنے والی جماعتوں کے مابین اتحاد کی کوششوں اور راہ کی ناکامیوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں بھی جماعت اسلامی کا کردار زیر بحث آیا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جماعت اسلامی کا اب تک وہی رویہ ہے۔

زمانہ بدل گیا لیکن اس نے اپنی خو نہیں چھوڑی

کرسی اقتدار اور منصب سیاست سے ایوب خان کے دستبردار ہوتے ہی تاریخ پاکستان کی بدترین آمریت کے دور کا خاتمہ تو ہو گیا۔ لیکن اس دور میں آزاد خیال اور اشتراکیت کے جو بیج بوئے گئے تھے وہ اب تناور درخت بن چکے تھے اور پھل پھول رہے تھے۔ سوشلزم کا فتنہ تہذیب واخلاق اور روحانی قدروں ہی کے لئے نہیں، ملکی سالمیت کے لئے بھی ایک عظیم خطرہ بن چکا تھا۔ لادینی ازموں کے تیز وتند حملوں سے نظریہ پاکستان کے نقوش

دھندلے پڑ گئے تھے۔ علیحدگی پسندی کے نعرے زور شور سے لگ رہے تھے۔ ملکی سیاست پر ایسے افراد اور گروہوں کی اجارہ داری قائم ہوتی جا رہی تھی، جو مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے اسلام پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ محمود علی قصوری نے پنڈی میں وکلاء سے خطاب کرتے ہوئے برملا اس کا اظہار بھی کیا تھا کہ قرآن صرف ضابطہ اخلاق ہے۔ سیاسی و معاشی ضابطہ نہیں ہے۔ قیام پاکستان کی بنیادوں میں سے اسلام کو خارج کرنے اور تحریک پاکستان کی اساس صرف معاشی و اقتصادی محرومیوں کو قرار دینے کی سازشیں کی جا رہی تھیں۔ علاقائی تہذیبوں اور زبانوں کے مسائل کو اچھالا جا رہا تھا۔ مختلف قسم کے تعصبات کو ہوا دی جا رہی تھی۔ غرض یہ کہ ملک کے حالات اس درجے پیچیدہ اور خطرناک صورت اختیار کر چکے تھے کہ ان سے نمٹنا اور مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہونا تنہا کسی ایک جماعت کے بس کی بات نہیں رہی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ سوشلزم اور علیحدگی پسندی کی مخالف، نظریہ پاکستان پر ایمان اور اسلامی نقطہ نظر رکھنے والی تمام سیاسی جماعتیں اور تمام مکاتب فکر کی دینی جماعتیں متحد ہوں اور عوام میں ایک منظم اور زبردست تحریک شروع کی جائے۔

اخباری پروپیگنڈے نے بڑھا چڑھا کر جماعت اسلامی کی جو حیثیت لوگوں کے ذہنوں میں قائم کر رکھی تھی اس کی بناء پر جماعت اسلامی کی طرف لوگوں کا ذہن جا سکتا تھا کہ وہ ان حالات میں رہنمائی کے لئے آگے بڑھے اور اسلام و نظریہ پاکستان کو مختلف ازموں کی زد سے بچائے مگر جیسا کہ سطور بالا میں کہا گیا ہے جماعت کا قلعہ صرف پروپیگنڈہ کی ہوا پر قائم تھا کسی شہر کسی صوبے اور کسی طبقے میں بھی جماعت کو مقبولیت اور رسوخ حاصل نہیں تھا اور جو تھوڑے بہت اثرات تھے بھی تو مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور مفتی محمود صاحب نے نہ صرف یہ کہ ان کا قلع قمع کر دیا تھا بلکہ پورے ملک میں منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ ہزاروی گروپ نے جماعت کی سیاسی قلابازیوں اور فکری و اعتقادی گمراہیوں کو قوم کے سامنے پیش کر کے اس کے خلاف اتنی زبردست تحریک چلائی کہ جماعت میں کسی کے سامنے ٹھہرنے اور مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ اس موقع پر جماعت اسلامی کے لئے لادینی عناصر کے خلاف تحریک چلانا تو درکنار اپنی مدافعت بھی مشکل تھی بلکہ جماعت کی تمام صلاحیتیں محض

محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی کے مظالم کی دہائی اور فریاد کے لئے وقف ہو گئی تھیں۔

اگر مشرقی و مغربی پاکستان میں لادینی ازموں کے خلاف مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے بروقت اور کامیاب جہاد سے پیدا شدہ اسلامی فضا کا زبردست سہارا جماعت اسلامی کو نہ ملا ہوتا تو جماعت اسلامی پورے ملک میں کسی جگہ ایک جلسہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے متعدد شہروں کے رہنے والے دردمند مسلمان اس پر گواہ ہیں کہ ہم نے اپنی جانوں پر کھیل کر ایسے مقامات پر سوشلزم کے خلاف جلسے کیے جہاں جماعت اسلامی سمیت کسی اسلام پسند جماعت کو جلسہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ملتان، بنوں، کوہاٹ، ڈیرہ اسماعیل خان اور مردان وغیرہ مقامات پر ہم یہ سمجھ کر جلسوں میں شریک ہوتے رہے کہ ممکن ہے وہاں سے صحیح سلامت واپسی ممکن نہ ہو۔

جماعت اسلامی نے مرکزی جمعیت کی ان مجاہدانہ خدمات کی داد اور نتیجے میں پیدا شدہ اسلامی ماحول سے فائدہ اٹھانے کا شکریہ اس طرح ادا کیا کہ مرکزی جمعیت کی تنظیم کو سبوتاژ کرنے اور اپنے مقصد میں استعمال کرنے کے لئے ہر جگہ جماعت اسلامی اور اس کی ذیلی تنظیم اتحاد العلماء کے ارکان جمعیت کے عہدے دار بن جاتے تھے اور اندرونی طور پر یہ کوشش کرتے تھے کہ مرکزی جمعیت علمائے اسلام منظم و مستحکم نہ ہونے پائے جب اس صورت حال سے نمٹنے کی ہماری طرف سے امیر الشباب کی گئی اور ان حضرات کے رویے کے خلاف آواز اٹھائی گئی تو یہ بات بھی طبع نازک پر گراں گذری اور امیر جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بڑے تحکم اور تہدید آمیز لہجے میں جمعیت کے جلسوں کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم

کہ ہوگا باعث افزائش درد نہاں وہ بھی

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادوں کے علی الرغم جمعیت کو سوشلزم کے مقابلے میں ہر جگہ امید سے زیادہ کامیابی عطا فرمائی۔ سوشلزم کے خلاف مرکزی جمعیت علمائے اسلام کی تبلیغی مہم میں جماعت اسلامی کی جو افسوسناک روش رہی اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جماعت اسلامی سوشلزم کے خلاف جدوجہد میں بھی سنجیدہ نہیں تھی جس درجے سوشلزم

سے مسلمانوں کو ڈرا کر ملک کا انتخاب جیتنے کے لیے وہ بے چین و بے قرار تھی۔ علیحدگی پسند اور مادہ پرستوں کے خلاف ہماری تبلیغی مہم کے ساتھ ساتھ مرکزی جمعیت علمائے اسلام کی تنظیم کا کام بھی جاری رہا اور الحمدللہ کہ وہ بہت جلد ملک کی ایک فعال جماعت اور موثر قوت بن گئی۔

سوشلزم اور نیشنلزم کے موضوع پر مولانا کی تقریر سے چند اقتباسات

گذشتہ ہفتہ قائد مرکزی جمعیۃ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے راولپنڈی اور سندھ کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ اس دورہ میں آپ نے جو عوام سے خطاب فرمایا۔ اس کے چیدہ چیدہ اقتباسات ہدیہ قارئین ہیں۔

راولپنڈی کے ممتاز عالم دین اور مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے رہنما مولانا احتشام الحق تھانوی نے پاکستانی عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ آئندہ انتخابات میں سوشلزم اور نیشنلزم کے فتنوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں یہ دونوں وبائی بیماریوں کی طرح پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں آپ نے کہا آج اسلام اور سوشلزم کی جنگ نہیں بلکہ عقل اور وحی کی جنگ ہے سوشلزم کا نام لینے والے پاکستان سے انتقام لینا چاہتے ہیں مگر اسلام اور مسلمان کے نام پر حاصل کیا گیا پاکستان ان دونوں فتنوں کو ختم کر دے گا مولانا تھانوی گذشتہ روز راولپنڈی میں سانح المدینۃ الاولی رفیع مرکزی مدرسہ دار التجوید و حفظ القرآن کے سالانہ اجلاس سے خطاب کر رہے تھے اس اجلاس کی صدارت سیمنٹ کے بانی مسٹر رزاق فریدہ نے کی اور ان کے علاوہ جمعیت اشاعت التوحید و السنۃ کے صدر مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری نے خطاب کیا۔ شاہ صاحب نے عوام کو سوشلزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے آگاہ کیا اور مولانا تھانوی نے قومیت یا وطن پرستی کو مسلمانوں کے لئے زہر قرار دیتے ہوئے اس کے تدارک کی تلقین کی۔ مولانا تھانوی نے کہا آج جھگڑا اسلام اور سوشلزم کا نہیں بلکہ اس بات کا ہے کہ انسان اپنی زندگی کو وحی کے سپرد کرے یا کسی دنیاوی مفکر کی تحویل میں دے قرآن پاک بنیادی طور پر اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ انسان کا تعلق اللہ کی وحی سے ہے

انسان کو اپنے پیدا کرنے والے کا تصور ہی ذہن میں رکھتا ہوگا ۔ مولانا نے کہا عقل اور وحی کی اس جنگ میں انسانوں نے عقل کے ذریعہ انسانوں کو تقسیم کرنے کے لئے کئی نقشے بنائے کسی نے اس نقشے کو سوشلزم کا نام دیا کسی نے کمیونزم اور کسی نے نیشنلزم رکھا لیکن خدا کی وحی کے مقابلے میں ازم کو لایا گیا دنیا میں تمام خرابیاں ان ازموں نے ہی پیدا کی ہیں پاکستان میں سوشلزم کا نعرہ لگانے والوں کے بارے میں مولانا نے کہا اب یہ لوگ محسوس کر رہے ہیں کہ انہوں نے غلط وقت میں نعرہ لگایا کیونکہ اس وقت ہر طرف سے اسلام اسلام کی آوازیں اٹھ رہی ہیں ۔ سوشلزم کا نعرہ اس وقت لگانا چاہئے تھا جب مسلمان مذہب کے بارے میں بالکل دور چلے جاتے مولانا نے کہا جس طرح چور کا تعاقب کرنے والے چور چور کی آوازیں دیتے ہیں اور چور بھی اپنے آپ کو بچانے کے لئے چور چور کہنا شروع کر دیتا ہے بالکل اسی طرح اب یہ قرآن و سنت کا نام بھی لے رہے ہیں کیونکہ چاروں طرف سے اسلامی نظام کی آوازیں اٹھ رہی ہیں ۔

مولانا نے کہا کہ لوگوں نے شاید ان کو بتا دیا ہے کہ سوشلزم نہ کہو اس سے نقصان میں رہو گے اس لئے اسلامی مساوات پر آ گئے مگر جب انہیں بتایا گیا اسلام میں مساوات نہیں انصاف ہے تو وہ مساوات محمدی پر اتر آئے آپ نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ ان لوگوں کے گروہ میں چند شکلیں بھی نظر آتی ہیں اگر یہ شکلیں وہاں نہ ہوتیں تو سوشلزم کا لفظ ہی پاکستان کی لغت سے نکل گیا ہوتا مولانا تھانوی نے مزید کہا کہ اب سوشلزم کی بیماری کا نام و نشان تقریباً مٹتا جا رہا ہے کچھ آثار باقی ہیں وہ ختم ہو جائیں گے اس سلسلے میں آپ نے اپنے مشرقی پاکستان کے دورہ کا ذکر کیا کہ وہاں ہوائی سیلاب کی طرح سوشلزم کا سیلاب بھی دب رہا ہے اور اس سلسلے میں علماء کرام نے جو کردار ادا کیا ہے اس میں وہ مبارکباد کے مستحق ہیں سوشلزم کے بعد اب صرف وطنیت اور لسانی قومیت کا مسئلہ رہ گیا ہے آپ نے کہا اسلام نے اعتدو رنگ نسل وطن و زبان یا کسی خاص علاقہ سے قومیں نہیں بنتیں بلکہ کلمہ طیبہ مسلمان قوم کو بناتا ہے خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو علاقوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ اسلام کی بنیاد پر تقسیم کیا ہے ایک کو کافر اور دوسرے کو مسلم کا درجہ ملا ۔ آپ نے کہا قرآن کریم وہ نسخہ ہے جس

میں قوموں کے مرنے جینے کے طریقے بتائے گئے ہیں اس میں وہ زہر ہے جس کو پی کر
قومیں مر جاتی ہیں اور وہ تریاق ہے جسے کھا کر چھوٹی سے چھوٹی قوم پہلوان بن جاتی ہے۔
مسلمانوں کو یہی نسخہ اپنانا چاہیے مولانا نے "جئے سندھ" "پختونستان" "بنگلہ دیش"
"پنجابی پارٹی" جیسے علاقائی تعصب کے نعروں کی شدید مذمت کی اور کہا کہ مسلم قوم کو صرف
دارالسلام کی ضرورت ہے اور اس کا دوسرا نام مسجد ہے آپ نے پاکستان کو مسجد قرار دیا۔
مولانا نے پاکستان میں غربت میں اضافہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سرکاری ملازمین
بداعتدالیوں سے کام نہ لیتے تو یہاں حالت زیادہ خراب نہ ہوتی آپ نے کہا یہ حق ہوئی
سرمایہ داری کا بدلہ اسلام سے کیوں لیا جا رہا ہے ان سرکاری افسروں کا دامن پکڑو جنہوں نے
یہ غربت پھیلائی ہے۔ آپ نے مزید کہا وطنیت کا نعرہ لگانے والے عربوں سے سبق سیکھیں
جہاں انگریز نے مسلمانوں کو وطن کے جذبہ کی بدولت ہی ایک دوسرے سے لڑا کر تباہ کر دیا
ہے آپ نے اپیل کی کہ قومیت کے اس جذبہ کو ختم کر کے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔
محمد رزاق فرید نے اپنی مختصر تقریر میں مدرسہ دارالتجوید القرآن کی خدمات کو سراہا اور کہا
کہ اس مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے والے سینکڑوں طلبہ کو اپنی زندگی قرآن و سنت کے
مطابق ڈھالنی چاہیے آپ نے بتایا کہ ملتان میں خواتین کو قرآنی تعلیم دینے کے لئے
باقاعدہ مدرسے کام کر رہے ہیں اور اس طرح اسلام کو پھیلانے میں بڑی آسانی پیدا ہو رہی
ہے آپ نے اپیل کی کہ مسلمانوں کو خلوص اور انسانیت کی خدمت کے لئے رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔
سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے قرآن کریم کی آیات کا حوالہ دے کر ثابت کیا کہ قرآن اور رسول صلی
اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرنے والے اور اختلافات کی صورت میں ان کی رائے کو صائب نہ قرار
دینے والے مومن نہیں کہلا سکتے آپ نے سوشلزم کا پرچار کرنے والوں کو منافق کہا اور اس بات پر زور دیا
کہ انتخابات میں ایمان اور کفر کا مقابلہ ہوگا اور انشاء اللہ مومن غالب آئیں گے۔
نوابشاہ مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے قائد اور ممتاز عالم دین مولانا احتشام الحق

صاحب تھانوی نے آج قائداعظم کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے دس کروڑ مسلمانوں کو سفید سامراج سے آزاد کرایا اور ہندو کے سامراج کی غلامی سے بچایا۔ وہ مرکزی جمعیت علماء و نظام اسلام کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان کی بنیاد قومی نظریہ اسلام پر ہے وطن اور زبان پر نہیں اگر ہندو کانگریس کی وطنی و لسانی قومیت کا تصور قبول کر لیا جاتا تو دنیا کی کوئی طاقت برصغیر کے مسلمانوں کو ہندو کی غلامی سے نہیں بچا سکتی تھی۔ مولانا نے کہا کہ تحریک پاکستان کے زمانے میں قوم کے جن بچوں نے انگریز، ہندو اور سکھ قوم کے انسانیت سوز مظالم نہیں دیکھے اور جنھوں نے لاکھوں مسلمانوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں اور ہزاروں مسلمان عورتوں کی لٹی ہوئی عصمتوں اور معصوموں کو نیزوں کی نوکوں پر لٹکے ہوئے نہیں دیکھا وہ آج پاکستان کی صحیح قدر و قیمت سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ ملت مسلمہ کی قومیت صرف دین اسلام اور مذہب پر ہے وطنی و علاقائی تصور قومیت بظاہر خوش آئند ہے لیکن اسلام اور مسلمانوں دونوں کے لئے انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے۔ انھوں نے کہا کہ قومیت کے اسلامی و دینی تصور کا یہ مطلب نہیں کہ علاقائی و لسانی اور قبائلی خصوصیات و روایات کے امتیاز کو ختم کر دیا جائے کیونکہ ایسا کرنا بھی فطرت سے جنگ کرنا ہے اس کے برعکس ان کی تہذیب و روایات کا احترام کرنا بھی اسلامی اخوت اور مذہبی قومیت کا تقاضا ہے انھوں نے کہا کہ آج سرحد بلوچستان میں غفار خاں کے سرخ پوش سندھ کے جی ایم سید اور بنگال کے شیخ مجیب نے پاکستان میں وطنی قومیت کا فتنہ اٹھایا ہے اور یہ لوگ پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرا داخلِ زنداں ہوتا

مولانا احتشام الحق تھانوی کا انٹرویو

مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کبھی کسی حکومت میں نہیں رہے لیکن اس کے باوجود ان کی شخصیت بحیثیت ایک دینی پیشوا اور مذہبی رہنما کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے

سیاسی نظریات خواہ کیسے بھی سہی لیکن ان کی خوش اخلاقی اور اس انداز بیان نے جو نہ صرف پاکستان بلکہ مشرق وسطیٰ کے دور دراز علاقوں میں بھی اپنی اثر انگیزی سے بیشمار عقیدت مند پیدا کر چکا ہے ان کی بے پناہ صلاحیتوں کو سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

مولانا موصوف ایک عرصے سے جیکب لائنز میں رہائش پذیر ہیں وہ اس علاقے میں اس وقت سے ہیں جب یہاں کوئی وسیع و عریض مسجد نہیں ہوتی تھی جس میں بیک وقت ہزاروں مسلمان نماز ادا کر سکیں لیکن آپ کی شبانہ روز سعی و کاوش نے چند ہی برسوں میں اس چھوٹی سی مسجد کی جگہ ایک ایسی عالی شان مسجد تعمیر کرا دی جس کو دیکھ کر دور وسطیٰ کی بڑی بڑی مسجدوں کے نقشے ذہن میں گردش کر جاتے ہیں۔

مولانا کی دینی خدمات کے علاوہ سیاسی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے سیاست کے میدان کارزار میں آ کر جو کچھ بھی کیا وہ کچھ نہ ہونے کے باوجود بہت کچھ ہے آپ ان دنوں جمعیت علمائے پاکستان کے صدر ہیں۔

تھانوی صاحب کے بارے میں کسی دشمن نے یہ افواہ اڑا رکھی ہے کہ وہ پاکستان کے سابق صدر ایوب خان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور وہ صدر ایوب خان صاحب کی مزاج پرسی کے لئے عموماً ایوان صدر جایا کرتے تھے بلکہ سفر پر جانے سے پہلے اکثر ایوب خان کے بازو پر امام ضامن باندھ کر خیریت سے واپس آ جانے کی دعائیں بھی وہی مانگا کرتے تھے بہرحال ایوب خان کے زمانے میں مولانا کے موصوف سے کیسے مراسم تھے اس سے قطع نظر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مولانا کو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ یحییٰ خان صاحب کے دور میں سرکاری مہمان خانے بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے۔

میں نے مولانا سے ان کے زنداں میں داخل ہونے کے سلسلے میں جو سوالات کئے ان کا تذکرہ یہاں اس لئے بے محل ہوگا کہ اگلی سطور میں آپ خود ان کی زبانی وہ حکایت پڑھ لیں گے جس کا لطف اسے ایک مسلسل واقعہ کی صورت میں پڑھنے سے آتا ہے نہ کہ سوالوں کے جواب لکھ کر مطالعہ کرنے سے۔ تھانوی صاحب نے اپنے گرفتار ہونے کا ماجرا بیان کرتے ہوئے بتایا کہ

"جب کوئی نظام جمہوریت سے ہٹ کر آمریت کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے تو پھر اس نظام

حکومت کو چلانے والے قدرتی طور پر ہر مسئلے پر دوسروں کی حدود اور ذمہ داریوں میں مداخلت کرنے لگتے ہیں ایوب خان کے زمانے میں ان کے ساتھیوں نے یہ سمجھ کر کہ رویت ہلال حکومت کا مسئلہ ہے اور یہ کام علماء کرام کے بجائے خود حکومت کو کرنا چاہیے حکومت کو اس بات پر اکسایا کہ وہ یہ کام علماء سے لے کر خود انجام دے اگرچہ یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے کہ چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ خود حکومت کو کرنا چاہیے لیکن اس سلسلے میں پھر حکومت پر دوسری ذمہ داریاں بھی عائد ہو جاتی ہیں لیکن بہرحال ایوب خان کے حواریوں نے ان ذمہ داریوں کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ایک مرتبہ ۱۹۶۷ء میں ہمیں علماء کرام کو نظر انداز کر کے اپنے طور پر عید کا چاند نظر آ جانے کا اعلان کر دیا اور چاند نظر آ جانے کی دلیل یہ دی گئی کہ کوہاٹ میں کسی صاحب نے چاند دیکھ کر یہ اطلاع انہیں فراہم کی ہے حالانکہ درحقیقت واقعہ یہ تھا کہ اس روز برصغیر کے کسی بھی شہر میں چاند نظر نہیں آیا تھا مگر حکومت کہتی تھی کہ قبائلی علاقوں میں چاند ہو گیا ہے، چنانچہ چاند ہونے یا نہ ہونے کی اسی کشمکش میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے تمام لوگ تین چار بجے تک جاگتے رہے ٹیلی فون پر اور ذاتی طور پر چاند ہونے کی تصدیق کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا میرے پاس رات تین بجے تک مشرقی پاکستان کے شہروں تک سے فون آتے رہے ان میں ایک ٹیلی فون مشرقی پاکستان کے سابق گورنر عبدالمنعم خان کا بھی تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا ہم کیا کریں؟ چاند تو واقعی نظر نہیں آیا ہے لیکن حکومت نے صبح عید منانے کا فیصلہ کر لیا ہے میں نے کہا آپ اپنے صدر سے پوچھئے کہ آپ کو کیا کرنا ہے اس پر منعم خان نے کہا کہ" میں تو میمن سنگھ چلا جاتا ہوں تا کہ ڈھاکہ میں رہ کر عید ہی نہ منانی پڑے اس شام خصوصاً کراچی میں مطلع بالکل صاف تھا اس لئے یہاں کے لوگوں کو چاند نظر آ جانے کی سرکاری خبر فریب معلوم ہو رہی تھی جیکب لائنز جامع مسجد شہریوں کے بے پناہ ہجوم میں گھری ہوئی تھی اور ہر شخص چاند نظر آ جانے کے سلسلے میں اپنے طور پر تصدیق کرنے کا خواہشمند تھا۔ لہٰذا اس رات میں نے عوام کی آسانی کے لئے کاغذ کے ٹکڑوں پر یہ عبارت سائیکلو اسٹائل کرا کے آج چاند نہیں ہوا کل کا روزہ ہے بمع اپنے دستخط جامع مسجد جیکب لائنز سے جاری کرادی دوسرے دن حکومت کو جب

یہ پتہ چلا کہ عوام کی کثیر تعداد نے اس کی حکم عدولی کی ہے اور عید منانے کے بجائے روزہ رکھا ہے تو اسے اپنی اس ناکامی پر بڑا طیش آیا اور نتیجتاً ۲۹ فروری ۱۹۶۷ء کی رات ساڑھے بارہ بجے ڈی پی آر (ڈیفنس آف پاکستان رولز) کے تحت اس خاکسار کی گرفتاری کا پروانہ آ گیا۔

گرفتاری کے لمحات عموماً ناگوار ہوتے ہیں اور پھر ویسے بھی میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا۔ یہ بات جو صاحب میری گرفتاری کے وارنٹ لے کر آئے وہ میرے ایک واقف کار ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھے۔ اس وقت مجھے ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو تھوڑی دیر کے لئے میں نے سوچا کہ کیا خیراتی رات گئے کیوں آئے ہیں بہرحال جب میں ان سے ملا تو مجھے بتایا گیا کہ ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔ میں نے ان کو باہر کے کمرے میں بٹھا کر کچھ سامان اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی۔

پولیس انسپکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحبان نے اجازت دیتے ہوئے مجھ سے کہا کہ سامان جو چاہیں آپ کچھ بھی لے لیں اس لئے کہ حکومت نے آپ کو ایک علیحدہ بنگلے میں رکھنے کا انتظام کیا ہے لیکن ذرا کرم اس وقت آپ اپنا ٹیلیفون استعمال نہ کیجئے گا میں بہت بہتر ہے کہہ کر اندر گیا گھر والے وقتی طور پر ظاہر ہے خاصے پریشان تھے خاص طور پر انہیں یہ تشویش تھی کہ حکومت کہیں مجھے کسی نامعلوم جگہ بھیج کر کوئی نقصان نہ پہنچائے خیر میں نے سرکاری مہمان خانے جانے کے لئے رخت سفر باندھا جس میں کتابوں کی تعداد زیادہ تھی اور گھر والوں کو خدا حافظ کہہ کر باہر آ گیا باہر آ کر دیکھا تو ایک پولیس کی وین اور ایک پرائیویٹ ٹیکسی میرے انتظار میں بصورت عزت کھڑی تھی ٹیکسی میں سوار ہونے سے پہلے مجھے بتایا گیا کہ مولانا علماء کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے پولیس وین میں لے جانے کے بجائے آپ کے لئے اس ٹیکسی کا انتظام کیا گیا ہے میں اس اہتمام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان صاحبان کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ دونوں گاڑیاں روانہ ہوئیں اور سب سے پہلے مجھے بریگیڈ تھانے لے جایا گیا جہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ مجھے پہلے سرکاری طرف سے جاری کئے گئے چند کاغذات پر دستخط کرنے ہیں جن میں جیسے ہی اندر پہنچا دو کاغذات لائے گئے۔ ان کاغذات کی ابتدائی سطور پڑھنے کے بعد اس سے پہلے کہ میں تعمیل حکم کی سند پر دستخط کرتا میں نے

یہ کہہ کر ہاتھ روک لیا کہ ان کاغذات کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں آپ نے مجھے غلط گرفتار کیا ہے میرا نام مسٹر احتشام الحق نہیں بلکہ میں مولانا احتشام الحق ہوں ۔ میری یہ صحیح بات سن کر یہاں پر موجود ذمہ دار حضرات مسکرائے اور انہوں نے افسران بالا کی اجازت سے مسٹر کی جگہ مولانا کر کے مجھ سے دستخط کی درخواست کی ان کاغذات پر اپنا پورا نام لکھا دیکھ کر میں نے بلا تامل و حجت ان پر دستخط کر دیئے اس مرحلے سے گزر کر ہم آگے بڑھے اور دوسرے دن کوئٹہ کے قریب لورالائی نامی ایک مقام پر پہنچا دیئے گئے یہاں مقامی ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کے برابر میں ایک اور بنگلہ تھا جس میں مجھے ٹھہرایا گیا یہ بنگلہ دراصل ریسٹ ہاؤس تھا جس میں پہلے ایران زاہدان وغیرہ سے آنے والے مسافر ٹھہرا کرتے تھے میرے پہنچنے کے بعد یہاں پولیس گارڈ وغیرہ متعین کر دیئے گئے رات کو میں نے آرام کیا دوسرے دن لورالائی کے ڈپٹی کمشنر جو یہاں میرے پڑوسی بھی تھے میرے پاس آئے اور کہا مولانا آپ کے لئے ایک باورچی کا انتظام کیا گیا ہے اس سے آپ جو چاہیں پکوائیں اور ۲۵ روپے یومیہ آپ کا الاؤنس مقرر ہوا ہے میں نے اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے موصوف سے کہہ کہ بھائی پیسے تو میں اپنے ساتھ لایا ہوں آپ ناحق میرا الاؤنس مقرر کر کے مجھے شرمندہ کر رہے ہیں بہرحال وہ مسکرا کر چلے گئے میں مطالعہ میں مشغول ہو گیا۔

یہ قید جس کی مدت چھ ہفتے تھی اس پولیس افسر کے لئے بھی یادگار رہے ہوگی ہوئی جو یہاں سے متعین پولیس کے سپاہیوں کو میرے پیچھے نماز نہ پڑھنے کی تاکید کیا کرتا تھا لیکن اس کے ماتحت پولیس والے تھے کہ اس سلسلے میں اس کا کہنا ہی نہیں مانتے تھے وہ انہیں منع کرتا لیکن اس کے ماتحت سپاہی بھی میرے لئے لوٹے میں پانی لاتے کبھی مجھے وضو کراتے ان میں کوئی میری جوتیاں اٹھاتا اور کوئی شریف النفس مجھے جرابیں پہنا کر میری خدمت کرتا اور کراچی میں جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ بچے وغیرہ بھی پریشان تھے لہذا بعد میں مجھے معلوم ہوا مسعود نبی نور جو اس وقت ہوم سیکرٹری ہوا کرتے تھے انہوں نے میرے بڑے لڑکے کو بتا دیا تھا کہ وہ گھر میں کہہ دیں کہ مولانا لورالائی میں خیریت سے ہیں یہ

اطلاع ملنے کے بعد گھر والوں کو اطمینان ہو گیا۔

داخل زنداں ہونے کے بعد میرے روز و شب اس لئے زیادہ اچھے گذرے کہ میں بہت سی کتابیں وغیرہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ کیونکہ سچی بات یہ ہے کہ میں اس قید کو چھ سال یا کم از کم چھ مہینے کی قید سمجھ رہا تھا مطالعہ کے علاوہ خطوط نویسی اور کوئٹہ سے شام کو آنے والے دوست احباب جن میں سرکاری اور غیر سرکاری لوگ شامل تھے اکثر ملاقات کر کے احساس تنہائی مٹا جایا کرتے تھے ان لوگوں سے تماسی آزاد فضا میں گفتگو ہوا کرتی تھی اور وہ سب چاند کے معاملے میں ہمارے ہم خیال تھے۔

ژوب کے اس زنداں میں رہ کر مجھے واقعی بڑا سکون ملا اور میں نے گھر کی نسبت وہاں قدرے زیادہ مطالعہ کیا چوبیس دن کی اس مختصر لیکن طویل مدت میں میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں ایک واقعہ جو قابل ذکر ہے وہ یہ تھا کہ میری لکھی ہوئی وہ ڈاک جسے میں ملفوف کر کے پوسٹ کرنے کے لئے باہر بھیج کرتا تھا پوسٹ ہونے سے پہلے وہ تمام ڈاک ڈپٹی کمشنر موصوف پڑھتے تھے لیکن مجھے اس سنسر شپ کا علم نہیں تھا ایک دن ڈپٹی کمشنر صاحب افریقہ بھیجا جانے والا میرا تحریر کردہ ایک خط لے کر میرے پاس آئے اس سے پہلے کہ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ انہوں نے اس خط کے بارے میں مجھ سے کیا کہا آپ کو اس خط کا پس منظر اور تفصیل بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہوا یوں کہ افریقہ کا ایک نیا ملک بنا ٹانگانیکا جس کا نام بعد میں تبدیل کر کے بوٹسوانا رکھ دیا گیا انہی دنوں رمضان میں آزاد ہوا تھا یہاں کے مسلمانوں نے ایک مسجد کے افتتاح کے لئے مجھے بوٹسوانا آنے کی دعوت دی تھی اس امر کی تکمیل کے لئے انہوں نے تاریخ وغیرہ طے کر کے مجھے بلانے کا ٹکٹ وغیرہ بھی بھیج دیا تھا اور طے یہ پایا کہ میں حج پر جانے کے بعد واپسی میں مسجد کا افتتاح کرنے کی غرض سے بوٹسوانا آؤں چنانچہ میں نے اپنی گرفتاری کا واقعہ پیش آنے کے بعد ژوب کے اس قید خانے سے مذکورہ مسجد کے منتظمین کو ایک خط میں اطلاعاً یہ لکھا تھا چونکہ ناگزیر وجوہات کی بنا پر میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں کہ مقررہ تاریخ کو یا تو کسی اور سے مسجد کا افتتاح کرا لیا جائے یا کچھ عرصے کے لئے یہ پروگرام ملتوی کر دیا

جائے کیونکہ فی الحال میں پولیس والا آنے سے قاصر ہوں ڈپٹی کمشنر موصوف میرا خط پڑھنے کے بعد میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ کو فلاں ملک میں فلاں تقریب کے سلسلے میں ان دنوں باہر جانا تھا میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ بولے اگر آپ کہیں تو ہم صدر مملکت جناب ایوب خان کو آپ کی طرف سے اس بات کی اطلاع کر دیں یہ اطلاع پا کر ممکن ہے صدر مملکت آپ کو تقریب جانے کی اجازت دے دیں میں نے ان صاحب کو اس کرم فرمائی سے روکتے ہوئے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں میں نے اب افتتاحی تقریب کو رد کر دیا ہے اور بالفرض یوں اگر میں چلا بھی گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ میں حکومت سے معافی مانگ کر باہر آ گئے ہیں لہٰذا مجھے باہر جانے سے زیادہ اپنی قید کی مدت پوری کرنے کا شوق ہے۔

بہر کیف مختصر یہ کہ میری چھ ہفتے کی وہ مدت جسے آپ مہمانِ زنداں ہونا کا عنوان دے سکتے ہیں حالات و واقعات میں گذر گئی رہائی کے وقت مجھے اصرار کر کے ۲۵۰ روپے یومیہ کے حساب سے میرے الاؤنس کی وہ رقم مجھے دی گئی جو سرکار نے میرے نام کی تھی لیکن میں نے وہ روپیہ اپنے پاس رکھنے کے بجائے وہیں پولیس والوں میں تقسیم کر دیئے۔

ہر چند کہ قید خانے میں میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا گیا اور مجھے کافی سے زیادہ سہولتیں دی گئیں لیکن اس سے قطع نظر ہمارے ملک میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ آج بھی جو سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ غیر جمہوری ہے بلکہ غیر انسانی بھی ہے جب کہ ہونا یہ چاہئے کہ اگر کسی شخص نے قانون شکنی کی ہے تو حکومت اس کے خلاف مقدمہ چلائے اور عدالت کے ذریعے اسے اس جرم کی پاداش میں سزا دلوائے لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا شاید یہی وجہ ہے کہ سیاسی قیدیوں کو رکھنے کے اس غلط طریقہ کار کی وجہ سے اپوزیشن کی طرف سے کی گئی مخالفت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر
ایک اہم انٹرویو

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد مولانا کا اس موضوع پر ایک اہم انٹرویو

آپ اور ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اس لئے خدارا کچھ کیجئے ورنہ آپ تو ڈوبیں گے ہمیں بھی لے ڈوبیں گے؟

یہ بات ممکن ہے الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہو مفہوم یہ تھا میرے استاذ محترم ایڈیٹر چٹان آغا شورش کاشمیری نے مولانا احتشام الحق تھانوی سے ٹیلیفون پر ملاقات کا وقت لیتے ہوئے اس وقت کہی تھی جب آغا شورش ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے قبل اسلامی نظام کی داعی پارٹیوں کے قائدین سے ملاقات کے لئے کراچی تشریف لائے تھے اتفاق سے اس وقت آغا صاحب کے پاس میں بھی موجود تھا اور مولانا صاحب کا نمبر بھی میں نے ملایا تھا اور آج جب ملک ایک عظیم المیہ کا شکار ہونے کے باوجود سنبھل نہیں سکا اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان رہنماؤں کے جذبات و احساسات کو سامنے لایا جائے جو سقوط مشرقی پاکستان سے قبل قوم کو اس خوفناک بحران سے آگاہ کرتے رہے لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی چنانچہ اسی سلسلے میں مولانا تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس خطرہ کی گھنٹی پر کیوں توجہ نہ دی گئی اس ملاقات میں جو غیر رسمی بات چیت ہوئی وہ سوالاً جواباً پیش کی جارہی ہے۔ (ز جلیس)

سوال۔ آج پاکستان دو حصوں میں بٹ چکا ہے اور دونوں پر دو مختلف پارٹیوں کی حکومت ہے کیا ان پارٹیوں یا حکومتوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ ملک میں اسلامی نظام قائم کریں گی؟

جواب:۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے الیکشن میں بار بار اعلان کیا تھا کہ قرآن و سنت کے مطابق حکومت قائم کریں گے لیکن بھارت کی مدد سے جب وہ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے سیکولرازم کا اعلان کر دیا پچھلے دنوں اخبارات میں یہ خبر آئی تھی کہ مشرقی پاکستان میں قومی اسمبلی کا اجلاس گیتا سے شروع کیا گیا اس لئے شیخ مجیب الرحمٰن کے

رجحانات اور بھارت کے غالب اثرات کو دیکھتے ہوئے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ مشرقی پاکستان میں اسلامی نظام قائم ہو گا رہا مغربی پاکستان کا حصہ جہاں دو صوبوں میں دو مختلف پارٹیوں کی حکومت ہے جن کا نعرہ بھی اسلامی سوشلزم اور سیکولرازم تھا۔ جیسا کہ ابھی حال ہی میں بلوچستان کے گورنر سردار غوث بخش بزنجو اور خان عبدالولی خاں اپنے سیکولرازم کا اعلان کر چکے ہیں لیکن آج جب کہ حزب اختلاف و حزب اقتدار کے درمیان آئینی سمجھوتہ کے تحت آئین میں اسلامی دفعات شامل کرنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے تو توقع کی جا سکتی ہے کہ مغربی حصہ میں اسلامی نظام پر مبنی حکومت قائم ہو سکتی ہے بشرطیکہ ہم الفاظ کو عمل کی صورت میں ڈھال سکیں۔

سوال۔ کیا ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے خواہشمند حضرات کا یہ الزام درست نہیں کہ اسلامی نظام کی داعی پارٹیوں کو شکست ان کے سیاسی رہنماؤں بالخصوص دینی رہنماؤں کی ہوس اقتدار اور شخصی انا کی وجہ سے ہوئی؟

جواب:۔ یہ حقیقت ہے کہ سوشلزم کی داعی جماعتوں کے مقابلے میں جب اسلام کی علمبردار جماعتوں نے اپنی انتخابی جدوجہد کا آغاز کیا تو دلائل کی حد تک انہوں نے سوشلزم کے خلاف میدان جیت لیا تھا لیکن سوشلسٹ امیدواروں کے مقابلے میں ان جماعتوں کے چھ چھ سات سات نمائندے کھڑے ہوئے اور اس کے لئے قدرتی طور پر کم ووٹوں سے سوشلسٹ امیدوار کامیاب ہو گئے اور زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے باوجود یہ جماعتیں ناکام ہو گئیں اس کا باعث تمام جماعتوں کو قرار دینا شاید صحیح نہیں ہے کیونکہ جماعت اسلامی کے سوا باقی تمام جماعتیں سمجھوتہ اور اتفاق کی حامی تھیں میں نے براہ راست مولانا مودودی سے نوابزادہ نصراللہ خان کی موجودگی میں کئی مرتبہ اس بات پر زور دیا کہ اسلام کی علمبردار جماعتوں کے امیدوار سمجھوتے کے ساتھ کھڑے کئے جائیں تاکہ اسلام کے ووٹ آپس میں تقسیم نہ ہو جائیں لیکن اس مطالبہ کی معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی نہیں معلوم وہ کیوں کسی سمجھوتہ اور اتحاد پر تیار نہیں ہوئے البتہ ان کے ترجمان بعض ہفتہ وار اور ماہوار رسالوں کو پڑھنے سے یہ پتہ چلا کہ جماعت اسلامی کو اس بات کا یقین تھا کہ ملک میں سو فیصد سیٹیں انہیں ملیں گی اس لئے کسی پارٹی کے ساتھ اتحاد کرنا نہ صرف غیر ضروری سمجھتے تھے بلکہ وہ یہ

خیال کرتے تھے کہ اتحاد کا نعرہ لگانے والے ہمارا سہارا لے کر فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں بہر حال اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اسلامی جماعتوں کی ناکامی بعض جماعتوں کی انانیت کا نتیجہ ہے اور میں اسے تاریخ کا سانحہ سمجھتا ہوں۔

سوال:۔ آپ کے بیان کے مطابق جماعت اسلامی خوش فہمی کا شکار تھی پھر اتحاد نہ ہو سکا تو کیا دوسری جماعتیں جماعت اسلامی کے تعاون کے بغیر متحد نہ ہو سکتی تھیں یا جماعت اسلامی ان کی راہ میں بھی روڑے اٹکاتی رہی ہے؟ میں نے مولانا سے ایک سوال اور کر دیا۔

جواب:۔ مولانا گویا ہوئے کہ" دراصل دوسری جماعتیں بھی اس کے پروپیگنڈے سے متاثر تھیں اور جب میں کہتا تھا کہ جماعت سے الگ رہ کر ہم آپس میں اتحاد کر لیتے ہیں اس پر کوئی جماعت تیار نہ ہوتی ہر جماعت کا رہنما یہ کہتا تھا کہ اتحاد جماعت اسلامی کے بغیر بیکار ہے اگر اتحاد کرنا ہی ہے تو جماعت اسلامی کے ساتھ کیا جائے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جماعت اسلامی ہی پورے ملک میں کامیاب ہو رہی ہے اس سے اتحاد کرنے میں چند سیٹیں ہم کو بھی مل سکتی ہیں۔

سوال:۔ کیا اس پروپیگنڈے سے آپ بھی متاثر ہوئے؟

جواب:۔ ہرگز نہیں مولانا نے جواب دیا میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا دراصل جماعت اسلامی کو اس حکومت میں موجود ایک مرکزی وزیر نے خوش فہمی کا شکار کر دیا تھا کہ حکومت جماعت اسلامی ہی کی بنے گی یحییٰ خاں جماعت اسلامی ہی کو حکومت دے گا۔

سوال:۔ بعض حلقوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ انتخابات از سر نو کرائے جائیں اقتدار اس وقت تک کے لئے چیف جسٹس کو منتقل کر دیا جائے آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟

جواب:۔ اس سلسلے میں اصل غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا موجودہ حکومت کی تشکیل اور اسمبلی کی کارکردگی اصولی طور پر صحیح ہے کہ نہیں۔ یہ سوال سیاسی اور قانونی حلقوں کے لئے بہت اہم ہے کیونکہ الیکشن میں کوئی امیدوار اپنے حلقے سے کامیاب ہو اور اسی حلقے سے کوئی دوسرا امیدوار سیکنڈ پوزیشن لے تو پہلے امیدوار کے اچانک انتقال پر دوسرے امیدوار کو جائز رکن قرار نہیں دیا جا سکتا ہے میرا تیس سالہ تجربہ اور مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ دوسرے امیدوار کو اس لئے جائز رکن تسلیم نہیں کیا جائے گا کہ پہلے کے مقابلے میں سیکنڈ پوزیشن لی تھی اس

طرح اگر ملک کی کوئی پارٹی اکثریت حاصل کرے اور اس کے مقابلے میں کوئی پارٹی دوسری حیثیت حاصل کرلے اور کسی وجہ سے اکثریتی پارٹی سے معاملہ نہ ہو تو دوسری پارٹی کو ملک کی اکثریتی پارٹی قرار دے کر اس کے ساتھ پہلی پارٹی کی طرح معاملہ کرنا میرے نزدیک بالکل غیر اصولی ہے اس بناء پر اکثریتی پارٹی عوامی لیگ مغربی پاکستان سے الگ ہو گئی پیپلز پارٹی کو ملک کی اکثریتی پارٹی قرار دے کر اقتدار دے دینا جائز اور درست نہیں بلکہ اس کے لئے از سر نو الیکشن کی ضرورت ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپوزیشن کی مختلف جماعتوں کے ارکان بھی اپنی موجودہ رکنیت کو بحال رکھنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے غیر اصولی طور پر دوسری پارٹی کو اکثریتی پارٹی تسلیم کر لیا۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد اکثریتی پارٹی کے تعین کے لئے دوبارہ الیکشن کی ضرورت تھی۔

سوال:۔ کیا آپ صدر بھٹو اور پارلیمانی لیڈروں کے درمیان ہونے والے آئینی سمجھوتے سے مطمئن ہیں جن دفعات پر سمجھوتہ ہوا ہے ان سے ملک میں اسلامی نظام کے قیام اور جمہوری اقدار کی بحالی میں کس حد تک مدد مل سکتی ہے؟

جواب:۔ میں اس سلسلے میں ایک اخباری بیان کے ذریعہ اس سمجھوتے کا خیر مقدم کر چکا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ سیاسی، جمہوری اور اسلامی اعتبار سے بعض دفعات نہایت اہم اور وزنی ہیں جن پر اخلاص کے ساتھ عمل کیا گیا تو بلاشبہ اسلامی نظام کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔

سوال:۔ موجودہ حکومت نے صحافیوں اور صحافت کے بارے میں جو رویہ اختیار کر رکھا ہے کیا یہ ملک کی سالمیت کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ بھٹو صاحب کی حکومت نے صرف صحافیوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہر طبقے کے ساتھ خواہ وہ مزدور ہو یا طالب علم جو رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ غیر جمہوری اور غیر منصفانہ ہے اور ہر اس جماعت سے جو سوشلزم و کمیونزم کی علمبردار ہو یہ تمام ناانصافیاں بعید نہیں ہیں۔

سوال:۔ مشرقی پاکستان کے محب وطن عناصر پر قائم ہونے والے مقدمات کی دفاعی کمیٹی مغربی پاکستان میں آپ سربراہ ہیں اس کمیٹی کو مغربی پاکستان کے کون سے حضرات سے اور کس قسم کا تعاون درکار ہو گا؟

جواب:۔ اس کمیٹی کا اولین کام مسلمانوں کے ان جذبات کو ابھارنا ہے جو وہ محبت وطن غیر بنگالی اور بنگالی مسلمانوں کے بارے میں رکھتے ہیں یہ انتہائی بے حسی اور بے غیرتی ہے کہ جس علاقے کو ہم اب تک پاکستان کا حصہ قرار دیتے تھے اس پر بھارتی جارحیت کے بعد ان لوگوں کو جو اپنے وطن اور آزادی کا تحفظ کر رہے تھے مجرم اور "غدار" ثابت کیا جائے ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر ممکن ذریعہ سے ان کی حب الوطنی کے جذبے کو نمایاں کریں۔ عالمی رائے عامہ کو ہموار کریں کہ بھارت یا مجیب حکومت اپنے ارادوں سے باز آجائیں اور آخر کار اس سلسلے میں ان لوگوں کے دفاع کے لئے بیرون ملک سے وکلاء کی خدمات حاصل کریں جو وہاں جا کر ان مقدمات کی پیروی کریں۔

سوال:۔ اگر دوبارہ انتخابات ہوتے ہیں تو آپ کی پارٹی اسلامی نظام کی داعی پارٹیوں سے اتحاد کر کے مشترک امیدوار کھڑا کرنا پسند کرے گی؟ آپ کہاں تک اس اتحاد کے خواہاں ہوں گے؟ اور وہ کون سی بنیادی غلطیاں ہیں جنہیں ان انتخابات میں دہرایا نہیں جانا چاہئے۔

جواب:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ملک وملت کے مفاد کی خاطر جماعتوں کی کثرت کو وحدت میں بدل سکیں تو یہ سب سے زیادہ مفید اور بہتر ہوگا لیکن اس کا امکان نہیں البتہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام جماعتیں اپنی تنظیمی حیثیت برقرار رکھیں اور الیکشن کے لئے جوائنٹ پارلیمنٹری بورڈ بنائیں تاکہ محب اسلام جماعتوں کے امیدوار آپس میں نہ ٹکرائیں میں سمجھتا ہوں یہ نہایت آسان وقابل عمل منصوبہ ہے اور اسی طرح موجودہ حالات میں بھی اپوزیشن پارٹیاں متحد ہو کر جدوجہد کرسکتی اور اپنے مقاصد حاصل کرسکتی ہیں۔

مولانا احتشام الحق تھانوی کا ایک وضاحتی خط

مشرقی پاکستان کے پندرہ روزہ دورے سے واپسی پر آپ کا ملفوف مراسلہ اور اشتہار دونوں میری نظر سے گزرے۔ اس قسم کے کچھ اور خطوط بھی اس سے پہلے مجھے موصول ہوئے تھے۔ جن میں معاندانہ اور مفسدانہ انداز اختیار کیا گیا تھا اس لئے میں نے ان کو قابل خطاب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کی لیکن آپ کی تحریر سے اخلاص اور ادب کا اندازہ کر کے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو صورت حال سے مطلع کردوں۔

اشتہار کے صفحہ ۳، صفحہ ۴ پر جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے صفحہ ۳ کی عبارت کا تعلق مفتی محمد شفیع صاحب سے ہے اور میرے افکار و خیالات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ صفحہ ۴ پر جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ "اخبار جہاں" کے انٹرویو کا اقتباس ہے جس میں الفاظ اور عبارت انٹرویو کے ترتیب دینے والے صاحب کی ہے اور مفہوم تقریباً میرا ہے۔ الفاظ اور عبارت سے عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں نے تحریک پاکستان سے اختلاف رکھنے والوں کو پاکستان دشمن قرار دیا جبکہ اس میں حضرت مدنیؒ جیسے اکابر امت بھی شامل تھے اور دوسرا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں اس سیاسی اختلاف کو آڑ بنا کر جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں حالانکہ یہ دونوں تاثرات نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے سروپا ہیں بلکہ میری اپنی افتاد طبع کے بھی خلاف ہیں اور اس عظمت و احترام کے منافی ہیں جو تحریک پاکستان کے مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ان اکابر ملت کے لئے میرے دل میں ہمیشہ سے ہے۔

"اخبار جہاں" کے انٹرویو کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۲ جون بروز جمعرات صبح ۱۰ بجے اسلامیہ کالج کراچی میں طلبہ کی جانب سے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جلسہ تھا اور یہ تاریخ ایک ہفتہ پہلے سے میری ڈائری میں درج تھی۔

۱۱ جون بروز بدھ صرف ایک روز پہلے "اخبار جہاں" کے دفتر سے فون آیا کہ اس کے نمائندے کل صبح انٹرویو کے لئے آنا چاہتے ہیں میں نے ڈائری کا پروگرام دیکھ کر بتا دیا کہ ۱۰ بجے مجھے اسلامیہ کالج کے جلسے میں جانا ہے۔ اگر آپ آنا چاہیں تو صبح ۹ بجے آجائیں لیکن اخبار جہاں کے نمائندے ساڑھے نو بجے کے بعد میرے پاس پہنچے انٹرویو دیتے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ مجھے لینے کے لئے آگئے میں نے اخبار جہاں کے نمائندے سے معذرت کی کہ دوسرے وقت آپ تشریف لائیں انٹرویو کا باقی حصہ مکمل کرا دوں گا مگر وہ نہیں مانے اور کہنے لگے آپ میرے چند سوالات کے جوابات ہاں یا نہ میں مختصراً دے دیجئے میں انہیں اپنے الفاظ میں پھیلا کر لکھوں گا چنانچہ ان سوالات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کے موجودہ عہدیدار کیا

پاکستان کی تحریک میں شامل تھے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ بلکہ ان حضرات کو تحریک پاکستان سے اختلاف تھا اور اسی اختلاف کی بناء پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے جمعیۃ علماء اسلام کی تشکیل فرمائی تھی دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھی اور رفقاء کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ میدان میں آ کر نظریہ پاکستان کی حفاظت کریں میں نے جواب دیا بے شک یہ رفقاء کی ذمہ داری ہے اور مولانا ظفر احمد عثمانی جو مولانا شبیر احمد عثمانی کے قریبی اور ہم عصر ساتھی ہیں انہیں اس میں پہل کرنی چاہیے یہ وہ مجمل جوابات ہیں جن کا پھیلاؤ انٹرویو ترتیب دینے والے صاحب نے اپنے الفاظ میں اور اپنی عبارت میں کیا غاصبانہ قبضہ'' ''کانگریسی علماء'' ''پاکستان دشمن'' وغیرہ جیسے الفاظ ۲۲ سال کے عرصے میں کبھی کسی نے میری زبان سے نہ سنے ہوں گے اور نہ میں ایسی تلخ گوئی کا عادی ہوں پھر میں ذاتی طور پر تحریک پاکستان سے اختلاف کو پاکستان دشمنی سے تعبیر کرنا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اسے پاکستان سے اختلاف یا تحریک پاکستان کی قیادت کرنے والوں سے اختلاف کہا جا سکتا ہے۔

اس کی وضاحت چاند کے مسئلہ میں نظر بندی سے رہائی کے بعد لاہور کے استقبالیہ میں کر چکا ہوں جس کی صدارت استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب نے کی تھی اور اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی شریک تھے اسی طرح کی وضاحت دو سال پہلے ڈیرہ غازی خان کی ایک تقریر میں بھی کر چکا ہوں جس کی بناء پر حضرت مدنی کے بعض متوسلین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ میں اپنے خیالات ضبط تحریر میں لا کر شائع کرا دوں'' ''کانگریسی علماء'' اور قبضہ غاصبانہ الفاظ بھی میرے نہیں ہیں بلکہ مفہوم میرا ہے یعنی یہ کہ یہ حضرات تحریک پاکستان سے اختلاف رکھتے تھے۔ پھر پاکستان بننے کے بعد ان حضرات نے جمعیۃ علماء اسلام کی تنظیم کو اپنا لیا ہے۔ کانگریسی اور غیر کانگریسی علماء کی تفریق کو میں نے عین تحریک پاکستان کے زمانے میں بھی پسند نہیں کیا اس زمانے میں بھی زبان سے تو درکنار کانوں سے بھی ان بزرگوں کی برائی سننا دل گوارا نہیں کرتا حضرت مدنی اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مجھ پر جس قدر مہربان تھے اور میں جس قدر ان کا احترام کرتا تھا اس کا علم علماء کے طبقہ میں مولانا سعید احمد

اکبرآبادی مدیر برہان دہلی اور مولانا سید ولدار علی غازی پروفیسر حبیٖ کالج کراچی کو اچھی طرح ہے اور سرکاری ملازمین میں سے اس وقت صوفی غلام تو رو صاحب ریٹائرڈ افسر وزارت خارجہ حکومت پاکستان حال مقیم کراچی اور جناب محمد افضل صاحب ڈپٹی سیکرٹری وزارت صنعت حکومت پاکستان حال مقیم کراچی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کے اجلاس منعقدہ ملتان میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا کہ اب پاکستان بن جانے کے بعد اسلامی خطوط پر اس کی تعمیر کا مسئلہ ہے لہذا کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز ختم کر دینا چاہئیے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے مجھے جمعیۃ علمائے اسلام کا ناظم اعلیٰ مقرر فرمایا تھا مگر میں نے بعض وجوہ کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لئے بار بار اصرار کے باوجود میں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے معذرت ظاہر کر کے معافی مانگ لی تھی اگر کانگریسی اور غیر کانگریسی کی تفریق میرے گوشہ خیال میں ہوتی تو دستوری نکات ترتیب دینے کے سلسلہ میں ہر مکتب فکر کے علماء کے اجتماع میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا مودودی صاحب کو کیوں شریک کرتا وہ اجتماع میری اور صرف میری رائے سے ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیر پاکستان کے مسئلہ میں کانگریسی اور غیر کانگریسی کا امتیاز کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا۔

سابق صدر ایوب خان نے اپنی خانہ ساز کتاب میں پاکستان کی مخالفت کے سلسلہ میں جن کانگریسی علماء اور مولانا مودودی صاحب کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی میری نظر میں خلاف واقعہ ہے اور بے بنیاد! جس کا اظہار میں نے بارہا اپنی تقریروں میں کیا ہے۔ کیونکہ کانگریسی علماء کا اختلاف جس فارمولے پر مبنی تھا وہ مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے خلوص اور ان کے نقطہ نظر سے نیک نیتی سے متعلق تھا اور مولانا مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی جس قیادت پر عدم اعتمادی کا اظہار کیا تھا وہ بھی کچھ زیادہ غیر واقعی نہ تھا اور اگر پاکستان قرآن و سنت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوا تو تحریک پاکستان سے اختلاف کے اسباب اور وجوہ غلط نہیں قرار دیئے جا سکتے البتہ اگر اسلامی حکومت کے نصب العین میں پاکستان کامیاب ہو جاتا

ہے تو تحریک پاکستان سے متعلق تمام اختلافات کو بے بنیاد غیر صحیح اور توہمات کا درجہ دیا جا سکتا ہے پھر غاصبانہ کا الزام میری طرف سے اس وقت صحیح ہوتا کہ میں جمعیۃ علماء اسلام کا دعویدار ہوتا حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے وصال سے قبل علالت کی حالت میں عمرہ کے لئے جاتے ہوئے غریب خانے پر تشریف لا کر فرمایا تھا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ آپ جمعیۃ علماء اسلام کو سنبھالیں میں نے اس وقت غایت ادب سے عرض کیا تھا جی بہتر ہے پھر مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحب دونوں حضرات نے مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کا استخارہ بیان کرتے ہوئے مجھے جمعیت علماء اسلام کے لئے فرمایا میں نے معذرت پیش کر دی تو ایسی صورت میں میری طرف سے قبضہ غاصبانہ کا الزام دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجھے نہ کانگریسی علماء سے اختلاف ہے اور نہ جمعیت علماء اسلام کی موجودہ قیادت سے بلکہ اصل اختلاف اس عالمگیر اور اسلام کش فتنہ سے ہے جو کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے ہمارے ملک میں سر اٹھا رہا ہے اور جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے یا اس کے اخبار ترجمان اسلام سے اسلامی سوشلزم کی پر فریب مگر مہلک اصطلاح اختیار کر کے اس فتنہ کی حمایت کی جا رہی ہے۔ جہاں جہاں اسلام پسند طبقوں نے اس طرح کا دھوکا کھایا ہے آج وہاں نہ وہ اسلام پسند موجود ہیں اور نہ وہاں اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی ہے۔ اینگلو امریکی سامراج کے لائے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور معاشی انصاف اور عدل عمرانی کے قیام کے لئے اسلام کا لفظ اختیار کرنا کافی و وافی ہے اگر اس پر فریب اصطلاح پر کلی طور پر اجتناب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملحد و بے دین طبقہ اسلام کی آڑ لے کر ماوزے تنگ کا لادینی نظام قائم کر لے گا ہماری نظر میں یہ مسئلہ صرف پاکستان ہی کی موت و زیست کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک کی اسلام کی بقاء اور عدم بقا کا مسئلہ بھی ہے اس لئے سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی مخالفت ہمارا ایمان ہے اور جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے اسی طرح سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا بھی وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے اس فتنہ کی سرپرستی خواہ کوئی فرد کرے یا کوئی جماعت اور گروہ، دیو بندی، بریلوی، شیعہ، سنی، مقلد اور اہل حدیث سب کو مل کر اس لادینی فتنہ کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کرنا ناگزیر اور ضروری ہے۔

اخلاقی زوال کا سدباب

کسی معاشرہ میں اخلاق و کردار کے زوال کا بنیادی سبب صرف اور صرف دینِ اسلام سے یکسر انحراف اللہ رب العزت کے عطا کردہ قوانین و ضوابط اور احکام کی خلاف ورزی ہے اخلاقی عوارض اس وقت جنم لیتے ہیں۔ جب کوئی معاشرہ اللہ کے عطا کئے گئے سرچشمہ ہدایت سے انحراف کر کے خود ساختہ معاشی و معاشرتی قوانین و ضوابط کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے۔

ہمارے اخلاق و کردار کے زوال میں مغربی تہذیب کی اندھا دھند تقلید بھی کارفرما ہے۔ اسلامی نظام زندگی کو چھوڑ کر خود ساختہ قوانین پر چلنے سے ہمارا معاشرہ بھی اسلامی نہ بن سکے گا۔ کیونکہ یہ دینِ فطرت ہے جو ایک انسان کی تمام تر ضروریات زندگی پر محیط ہے اپنے ماننے والوں کو سکونِ قلب عطا کرتا ہے اور جب ہر شخص کو سکونِ قلب میسر ہو تو ظاہر ہے معاشرتی کمزوریاں (جیسے چغلی، ریاکاری، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے پیار کا فقدان، مفاد پرستانہ رویے وغیرہ) جنم نہیں لیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر آدمی میں ذاتی اخلاق اور اجتماعی مفاد کی صفات ذاتی خود بخود پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔ ہمارے اخلاق و کردار کے زوال میں بعض بے راہ روی، قوم پرستی و شخصیت پرستی، مذہب و اخلاق کا مکمل خاتمہ، کتاب و سنت سے ناآشنائی اور دوری، سرمایہ دارانہ نظام، معاشرہ میں مفاد پرستانہ رویے، بدعات اور فضول رسموں کی بھرمار، بے روزگاری، مزدور کی مظلومیت اور برطانوی سامراجی نظام تعلیم جیسی بیماریاں کارفرما ہیں۔

ان مذکورہ سیاسی، معاشی، معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہوگا تو اخلاق و کردار کی بیماری بھی ختم ہو گی۔ بد اخلاقی و کردار کشی کا سدباب کرنے کے لئے صرف اور صرف نظام ربوبیت ہی ہے جسے نافذ کر کے ہم اخلاقی برائیوں سے بچ سکتے ہیں۔ ایک اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے یہ انتہائی ناگزیر ہے کہ قانون کی بالادستی اور قانونی مساوات ہو معاشرہ کے ہر فرد کی جان، مال اور آبرو کا مکمل تحفظ ہو منکرات کا انسداد ہو حدود اللہ کا مکمل نفاذ ہو۔ ہماری نوجوان نسل میں اکثر ذہن ایسے ہیں جو اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر، ناواقف، یا دانستہ مغربی تہذیب اور نظریات سے متاثر ہیں ضرورت ہے کہ ایسے نوجوانوں کو دینِ اسلام کے عقائد

نظریات سے روشناس کرایا جائے اور انہیں ان اسلاف کی تعلیمات سے متعارف کرایا جائے اور خود غرضی یعنی انسان اپنی ذاتی ضرورتوں کے ماورائے قومی مفادات یا عالمگیر انسانیت کی بھلائی کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ رویہ چاہتا ہے کہ معاشی رو یا زر مہم دولت جو کچھ بھی موجود ہے صرف اسی کے قبضے میں آجائے۔ خواہ اس کے لئے ناجائز ذرائع ہی کیوں نہ اختیار کرنے پڑیں۔ اسے اپنی نجات سمجھتا ہے لیکن حسن اخلاق، سچائی، پاس عہد، رحم، فیاضی، صبر و شکر، تحمل و بردباری، اولوالعزمی، شجاعت، ضبط نفس، خودداری، شائستگی و فرض شناسی، اتفاق و اتحاد اور عدل و انصاف جیسی جملہ صفات و محاسن کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہ بنا لیا جائے اخلاقی اقدار کا فقدان رہے گا۔ جس معاشرہ میں ناخواندگی کے باعث جاہل اور غیر مستحق افراد کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا رہے۔ وہاں نہ تو ترقیاتی کاموں کا شعور باقی رہے گا اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے ساتھ اخلاق سے پیش آسکیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کا معاشرتی کردار روز بروز بدلتا جائے گا اور معاشرہ قحط الرجال کا شکار ہو جائے گا۔ معاشرہ کی پستی کے سدباب کے لئے ضروری ہے کہ ناخواندگی اور جہالت کی شرح کو ختم کیا جائے۔

فضول رسوم، پیدائش، شادی اور موت کے وقت فضول رسوم و رواج بھی اخلاقی قدروں کے زوال کا سبب بنتے ہیں کیونکہ رسم و رواج پر فضول خرچی کرنا پہلے درجے کی جہالت ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کی حماقت بھی ہے۔ شادی بیاہ، تعزیت اور تہواروں پر زر کا بے دریغ استعمال معاشرتی بدحالی کا سبب بنتا ہے اور جب معاشرتی بدحالی ہوگی تو ظاہر ہے لوگ پیٹ پوجا کے لئے ناجائز ذرائع بھی استعمال کریں گے۔ ترقیاتی کاموں کی بجائے غیر ترقیاتی کاموں میں دولت ضائع کرنا بہت برا کردار ہے۔ خدمت خلق کا جذبہ جب جاگزیں ہو جائے اور ایمان والوں کا دائرہ وسیع ہو جائے تو نظام معیشت میں بہتری ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جب نظام معیشت بہتر ہوگا تو مال و دولت کے نظام میں اصلاح، قرض حسنہ کا نظام رائج اور ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ ہوگا۔ معاشرہ میں دولت کی گردش ہوگی۔ محنت کشوں کو صحیح اور بروقت معاوضہ ملے گا۔ اور یوں معاشرہ کے ہر فرد کو سکون قلب میسر ہوگا۔ اور جب سکون قلب مل گیا تو کوئی بھی فرد

دوسرے فرد سے زیادتی، بداخلاقی و بدکرداری سے پیش نہیں آئے گا۔ کسی معاشرہ کے اخلاق و کردار کی پستی کا سبب اس معاشرے میں رہنے والوں کی آپس میں باہمی عداوت، کشت و خون، غنڈہ گردی، بے رحمی و زیادتی، خیانت، وعدہ خلافی، زبان درازی، سرکشی، تکبر اور حسد ہیں یہ معاشرتی کمزوریاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب وہ معاشرہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول سے یکسر منحرف ہو کر کوئی اور نجات کی راہ ڈھونڈھتا ہے۔

معاشرہ میں اخلاق کی قدریں تب ہی فروغ پائیں گی۔ جب اس معاشرہ میں خدمت خلق کا وسیع تصور پیش کیا جائے۔ رفاہی کاموں کی ترغیب دی جائے برائی کا مکمل انسداد بمطابق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے زبان سے پھر ہاتھ سے اور پھر نفرت کے ذریعے کیا جائے گا۔ نیکی کی اشاعت، حاجتمند کی حاجت برآری دوسروں کی تکلیف پر بے چینی، تنگ دست کی مدد کا جذبہ کارفرما ہوگا تو اخلاق حسنہ کو فروغ ملے گا۔ پردہ پوشی ایک دوسرے کے ساتھ جائز تعاون، صدق و اتفاق کی ترویج، حسن سلوک، معاملات دنیوی و دینی سنجیدگی اور نرمی سے سلجھانا وغیرہ ایسی صفات ہیں جو ایک معاشرے کو صحیح اسلامی معاشرہ بناتی ہیں اور اخلاق و کردار کی تعمیر کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اولاد کی تربیت اولاد کو حسن ادب کی تعلیم اور انہیں کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے میں اسوۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے روشناس کرانا اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اخلاقی کردار کی تعمیر میں بے حد مددومعاون ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں رشوت کا ناسور جڑیں پکڑ چکا ہے۔ رشوت کی وباء دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے۔ ارشاد نبوی ہے "رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ اسلام کا یہ قانون معاشرہ میں رشوت جیسی لعنت کو ختم کرنے کے لئے بنایا گیا اور معاشرے کی اصلاح اور اسے رشوت جیسی بیماری سے پاک رکھنے کے لئے عمل ہوسکے فرمایا گیا تاکہ یہ بندۂ خدا دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ رشوت کے ذریعے زیادتی کرکے رب جلیل کے دردناک عذاب کا مستحق نہ ہو جائے۔

ہمارے اخلاق و کردار کو تباہ کرنے میں بدقسمتی سامراجی نظام تعلیم کا حصہ بھی پورا پورا ہے۔ اس غیر اسلامی نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا ہے

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

نظام تعلیم کسی تہذیب کے صحت مند ارتقاء اور نشوونما کے لئے ضروری ہے۔ اسلام کا نظام تعلیم ایسا نظام ہے جو نسلوں کی اخلاقی، ذہنی اور جسمانی نشوونما بھی کرتا ہے اور اسلامی تہذیب و تمدن میں تعلیم کے بنیادی مقصد کی بنا پر آوری اور ان قوتوں کو اس مشن اور مقصد کی تعلیم دینا ان میں اس تہذیب کی سچی روح پیدا کرنا اور انھیں ایک مکمل اور صحت مند زندگی کے لئے تیار کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اور معاشرہ میں اخلاق و کردار کی بہتری کے لئے یہ لازم ہوگا کہ تعلیم کے ہر شعبہ میں اسلامی نظریہ حیات کی روح جاری و ساری ہو۔

بنگلہ دیش ملک نہیں تحریک ہے

مشرقی پاکستان کے سقوط کے بعد اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا کہ بھارتی جارحیت کے ذریعہ جنم لینے والے "بنگلہ دیش" کو آیا پاکستان تسلیم کرے یا نہ کرے۔ پھر جب سے دنیا کی بڑی طاقتوں نے اپنے اپنے مفاد کی خاطر اس مسئلہ میں مداخلت اور دباؤ کے طریقے اختیار کئے اس وقت سے اس بحث میں کافی گرما گرمی پیدا ہوگئی ہے اور اب یہ مسئلہ ملک کا صرف اندرونی معاملہ نہیں رہا بلکہ صورتحال کے مسائل میں سے بھی ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے حق میں زیادہ تر وہ عناصر پیش پیش ہیں جو یا تو ابتداء ہی سے تحریک پاکستان اور دو قومی نظریہ کے خلاف تھے اور اب پاکستان کی زبوں حالی سے فائدہ اٹھا کر اس کی نظریاتی بساط کو بالکل الٹ دینا چاہتے ہیں اور یا وہ نوخیز نسل جماعت میں ہے جس کو آزادی ہند کی تاریخ اور تحریک پاکستان کے بارے میں تجربہ ہے اور نہ وہ نظریہ پاکستان کی ابجد سے واقف ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں طبقے اپنی روش میں معذور ہونے کے باوجود افہام و تفہیم کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔ البتہ مفاد پرست سیاسی جماعتوں کا وہ ٹولا جو حقائق و نتائج سے قصداً آنکھیں بند کرکے اقتدار وقت کی پیشہ ورانہ حمایت کا عادی ہے وہ غیر مخلص بھی ہے اور افہام و تفہیم سے بے نیاز بھی۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے خلاف عام طور پر وہ محب وطن عناصر ہیں جنہوں نے دو قومی
نظریہ پاکستان کی تحریک کو تاریخ کی عظیم قربانیوں کے ذریعہ پروان چڑھایا اور ایک عظیم
اسلامی ملک کے قیام سے دس کروڑ مسلمانوں کو ہندو کی غلامی سے نجات دلائی اور اب وہ
بنگلہ دیش کی حقیقت کو اور اس کے تسلیم کرنے کے تباہ کن نتائج کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

اس بحث کے تمام مفید و مضر پہلوؤں کو سمجھ کر کسی معقول نتیجے پر پہنچنے کے لئے سب سے پہلے
پاکستان اور بنگلہ دیش کا اصولی جائزہ لینا ضروری ہے کہ آیا یہ دونوں نسلی، جغرافیائی اور لسانی ملک
ہیں۔ یا خصوصی تصورات وافکار نے انہیں جنم دیا ہے اور وہ کسی تحریک کا مظہر اور ثمر ہیں۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو ۱۹۴۷ء سے قبل جغرافیائی یا لسانی و نسلی اعتبار سے اس کا
کہیں وجود نہ تھا۔ جب آزادی ہند کی تحریک کے نتیجے میں برطانوی اقتدار کی گرفت ڈھیلی
ہو گئی اور آزادی کی منزل قریب سے نظر آنے لگی تو تیس کروڑ ہندوؤں کی واحد نمائندہ
جماعت کانگریس نے دس کروڑ مسلمانوں کو ہندو کا غلام بنانے کے لئے منصوبہ تیار کیا اور
یورپ کے وطنی قومیت والے تصور کی آڑ لے کر یہ دعویٰ کیا کہ ہندوستان ایک ملک ہے۔
اس میں بسنے والے جملہ اہل مذاہب ایک قوم ہیں جن کا نام "ہندو" ہے۔ گویا عیسائی، سکھ،
پارسی، ہندو اور مسلمان بہ حیثیت وطنی قومیت کے سب ہندو ہیں۔ اس کا نام متحدہ قومیت
رکھا گیا تھا۔ مسلمان رہنماؤں نے عموماً اور قائداعظم نے خصوصاً مسلمان کے خلاف ہندو کی
سازش کو بھانپ لیا کہ یہ وطنی متحدہ قومیت کا جال صرف اس لئے بچھایا گیا ہے کہ جب
ہندوستان برطانیہ کی غلامی سے آزاد ہو تو وہ آزادی صرف ہندو قوم کی نمائندہ تنظیم کانگریس کو
ملے اور مسلمان قوم انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندو کی غلامی میں آ جائے اور یہ کوئی خیالی اور
فرضی خطرہ نہیں تھا بلکہ مسلمان کی قومی حیثیت اور اس کی قومی خصوصیات کو ختم کرنے کے لئے
تہذیب کا سلام، اور بندے ماترم کا مشترکہ گیت مسلمانوں پر جبری طور پر مسلط کیا جانے
لگا اور ودیا مندر اسکیم کا تعلیمی منصوبہ مسلمانوں کو ذہنی طور پر مرتد بنانے کے لئے تیار کیا گیا تھا اور
رفتہ رفتہ مسلمانوں میں دھوتی، جواہر کٹ بنڈی، گاندھی کیپ، سبھاش بابو نا ٹوپ کا رجحان اور

بہت سی ہندوانہ خصوصیات رواج پانے لگی تھیں۔

ان حالات سے جب مسلمانوں کے خلاف ہندو اور انگریز دونوں کے ناپاک عزائم کا پورے طور پر اندازہ ہو گیا تو وطنی متحدہ قومیت کے جال سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے قائد اعظم مرحوم نے وطنی قومیت کے فرنگی تصور کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اسلام کے مذہبی تصور قومیت کو بنیاد بنا کر ٹو نیشنز تھیوری کا نعرہ لگایا۔ اور وطنی و لسانی امتیازات سے بلند ہو کر مسلم قوم کے لئے ایک مذہبی وطن کا مطالبہ کیا جس کا نام پاکستان تجویز ہوا۔ مختلف صوبوں کے رہنے والے اور مختلف زبانوں کے بولنے والے مسلمانوں نے صرف مذہبی قومیت کی بنیاد پر پاکستان کے لئے ووٹ دیا اور یہی نہیں کہ صرف مسلمانوں نے صوبائی و لسانی فرق کے باوجود مذہب کی بنیاد پر خود کو ایک قوم ثابت کیا بلکہ ہندو قوم نے بھی صوبائی و لسانی اتحاد کے باوجود صرف مذہبی امتیاز کی بناء پر مسلمانوں کو قتل کر کے ثابت کر دیا کہ قومی وحدت کی بنیاد وطن و زبان نہیں ہے بلکہ عقیدہ و مذہب ہے۔

کیا مشرقی پنجاب کے ہندو، سکھ اور مسلمان ایک ہی صوبہ پنجاب کے رہنے والے اور ایک ہی زبان پنجابی بولنے والے نہیں تھے؟ مگر ہندو اور سکھ نے پنجابی بولنے والے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ایک غیرت مند قوم کے لئے ناقابل فراموش حادثہ ہے۔ کیا یوپی کے ہندو نے یوپی کے مسلمانوں کے خون کے ساتھ گزشتہ علیگڑھ جبل پور اور شاہجہاں پور میں ہولی نہیں کھیلی؟ جبکہ دونوں ایک ہی صوبے کے رہنے والے اور ایک ہی زبان کے بولنے والے تھے۔ کیا نوا کھالی اور کلکتہ کے ہندوؤں نے نوا کھالی کے مسلمانوں کو قتل نہیں کیا؟ حالانکہ ان کا صوبہ بھی ایک ہے اور زبان بھی ایک۔ کیا احمد آباد و گجرات میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا بے دریغ خون نہیں بہایا؟ جبکہ دونوں کی زبان بھی گجراتی تھی۔

ان حقائق و شواہد سے یہ بات صاف ہو گئی کہ پاکستان نہ جغرافیائی ملک ہے نہ لسانی بلکہ وطنی و لسانی قومیت کے خلاف جہاد کر کے صرف مذہبی قومیت کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے۔ گویا پاکستان مختلف الملسان طبقوں اور مختلف علاقوں کے اس مجموعے اور وحدت کا نام ہے جس کو مذہبی قومیت

کے رشتے نے آپس کر دیا ہے اور جس کا مقصد اسلامی نظام کا قائم کرنا ہے۔ مذہبی قومیت کے اس
تصور وحدت کا نام دو قومی نظریہ اسلام اور نظریہ پاکستان ہے۔ مذہبی قومیت کا یہ تصور مسلمانوں کا
بنیادی عقیدہ ہونے کی وجہ سے اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود اسلام اور اسلام کی تعلیمات قدیم ہیں۔
مگر اس کو نظریہ پاکستان نام اس لئے دیا گیا کہ ہندو اور انگریز کے گٹھ جوڑ نے دس کروڑ
مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے وطن کی متحدہ قومیت کا جو جال بچھایا تھا اس سے نجات
حاصل کرنے کے لئے اسلام کی اسی مذہبی قومیت کا سہارا لیا گیا اور اسی قدیم عقیدہ اسلام کی
بنیاد پر ہندو اور انگریز دونوں کو شکست دے کر پاکستان حاصل کیا گیا۔ نظریہ پاکستان کا یہ
مقصد ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان نے اس تصور قومیت کو جنم دیا ہے بلکہ اس اسلامی تصور
قومیت نے پاکستان کو جنم دیا ہے۔

مذہبی قومیت کا عقیدہ پاکستان سے پہلے بھی تھا اور صد از خواست پاکستان شدہ ہے تب بھی یہ
عقیدہ ہمارے ایمان کا جز ہے۔ اگر پاکستان کی سرزمین پر یا پاکستان کے کسی حصے میں مذہبی
قومیت کے تقاضے پر عمل درآمد نہ ہو رہا ہو تو اس کو اسلام کی خلاف ورزی، گناہ اور ارباب
اقتدار کی ناکامی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کو عقیدہ اسلام یا نظریہ پاکستان کی ناکامی نہیں
کہا جا سکتا۔ کیا مسلمانوں کی موجودہ غیر اسلامی اور فسق و فجور کی عام زندگی سے قرآن کریم پر
یہ الزام عائد کیا جا سکتا ہے کہ وہ ناکام اور بے عمل ہو گیا؟ لہٰذا پاکستان جس نظریہ قومی پر بنا ہے وہ
ہمارا اسلامی عقیدہ اور مذہبی اصول ہے۔ حالات و وقت کے ساتھ ساتھ ملکی سرحدوں میں
تبدیلی ہو سکتی ہے۔ مگر نظریہ قومیت میں سر مو تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ پس جو ملک وطنی و لسانی
قومیت کے خلاف جنگ کر کے صرف مذہبی قومیت کی اساس پر وجود میں آیا ہو اس سرزمین پر
وطنی و لسانی قومیت کا نعرہ لگانا ایسا ہی متضاد ہے جیسا کہ کعبہ اور توحید میں بتوں کو پکارنا۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

یہاں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذہبی قومیت کی جس نازک بنیاد پر
پاکستان حاصل ہوا تھا اس پر مناصب قبضہ جمانے والے ارباب اقتدار نے دیدہ و دانستہ یہ
سمجھ کر مذہبی قومیت کے جذبے کو پس پشت ڈال دیا کہ مذہبی قومیت کے جس اصول سے ہم

نے وطنی متحدہ قومیت کے مقابلے میں پاکستان کی جنگ جیتی ہے وہ ایک موثر مگر وقتی ہتھیار تھا۔ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

چنانچہ جوں جوں مذہبی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی مذہبی قومیت کے نقوش بھی دھندلے پڑتے گئے۔ اور غیر مذہبی افکار و خیالات کے ساتھ ساتھ اسلامی تصور قومیت کی بنیادیں بھی بدلنے لگیں اور پورے ملک میں کھلم کھلا وطنی اور لسانی قومیت کا پرچار ہونے لگا۔ وطنی متحدہ قومیت کے علمبردار کانگریسی اور نیشلسٹ مسلمانوں نے بھارت کے جاسوس ہندوؤں نے اور بڑی طاقتوں کے ایجنٹوں نے اس کی خوب سرپرستی کی۔ جس کے نتیجے میں نظریہ پاکستان کے خلاف جیئے سندھ، پختونستان اور بنگلہ دیش کے نام سے تحریکیں اٹھیں اور بالآخر مشرقی پاکستان سے ہمیں محروم ہونا پڑا۔

سطور بالا سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بنگلہ دیش کا نام کوئی ملک نہ تقسیم ہند سے پہلے موجود تھا اور نہ تقسیم ہند کے بعد اس کا نام و نشان ملتا ہے۔ بلکہ پاکستان حکمرانوں کے اسلامی دشمنی اور نظریہ پاکستان کے خلاف بنگالی ہندوؤں کی سازش نے مسلم بنگال یعنی مشرقی پاکستان میں لسانی قومیت کا فتنہ کھڑا کیا۔ بنگالی کو ملک کی سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کیا اور مطالبہ کی شدت سے مرعوب ہو کر بعض نظریہ پاکستان کے حامی مسلمان بنگالی لیڈروں نے بھی اس مطالبہ کی سرپرستی کی حالانکہ اصل مسئلہ زبان کا نہ تھا بلکہ مذہبی قومیت والے نظریہ پاکستان کی جڑوں کو اکھاڑنا تھا۔

چنانچہ بنگلہ نوازی کے پردہ میں بنگالی ہندوؤں سے ہمدردی اور مغربی پاکستان کے مسلمانوں سے بلکہ ہر اردو بولنے والے مسلمان سے دشمنی اور بیزاری بڑھتی چلی گئی اور بعد میں کھلم کھلا نظریہ پاکستان والی مذہبی قومیت کو دفن کر کے لسانی قومیت کا بت کھڑا کیا گیا۔ گویا اخوۃ و بھائی بندی اور قومیت کی بنیاد اسلام نہیں رہی بلکہ قومیت کی بنیاد بنگلہ زبان ہے۔ یعنی بنگلہ بولنے والے ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں اور غیر بنگلہ بولنے والے مسلمان بنگلہ بولنے والے مسلمانوں کے لئے قومیت سے خارج اور غیر ہیں۔

مشرقی بنگال میں ہندو کی بڑی تعداد ہونے کی وجہ سے بھارت کے لئے لسانی قومیت

کے قبضے کو ہموار بنا صرف یہی نہیں کہ آسان تھا بلکہ پاکستان اور نظریہ پاکستان کو ختم کرنے کی سب سے زیادہ موثر تدبیر بھی یہی تھی کہ لسانی قومیت کے ذریعہ مذہبی قومیت کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا جائے۔ چنانچہ بھارت کی کھلی جارحیت نے بنگلہ دیش کو قائم کر دیا۔

بنگالی مسلمانوں کے ہاتھوں اردو بولنے والے غیر بنگالی مسلمانوں کو قتل کرا کے بھارت نے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مذہبی قومیت کا اسلامی تصور نا قابل عمل اور ناکام ہے اور اس بنیاد پر سرے سے ملک کی تقسیم ہی غلط ہوئی ہے۔ اس پس منظر میں بنگلہ دیش کی حقیقت کسی ملک اور کسی ریاست کی نہیں ہے، بلکہ نظریہ پاکستان والی مذہبی . . قومیت کے خلاف بھارت کے ایماء پر اٹھائی جانے والی لسانی قومیت کی تحریک کا شاہکار ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بنگلہ دیش سندھ، پنجاب اور بلوچستان کی طرح کا ایک نام ہے وہ سخت دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ سندھ، پنجاب اور بلوچستان اس عہد اور دور کے رکھے ہوئے نام ہیں جب مذہبی قومیت کی تحریک نے ان علاقوں کو ایک وحدت میں تبدیل نہیں کیا تھا اور ان ناموں کے ذریعہ وحدت کی بنیاد کو پاش پاش کرنا مقصود نہیں تھا۔ یہاں تک کہ جب سندھ میں ۱۹۴۷ء سے وحدت ملی اور مذہبی قومیت کی تحریک شروع ہوئی تو ان علاقوں کے مسلمانوں نے علاقوں کے امتیازی ناموں کے باوجود مذہبی قومیت کی زبردست حمایت کی۔ یہاں تک کہ سندھ، بلوچستان اور سرحد پنجاب کے ہم زبان ہندوؤں کو ان علاقوں کو خیر باد کہنا پڑا گویا مذہبی قومیت کی تحریک کو ختم کرنے کی غرض سے یہ نام رکھے گئے اور نہ یہ نام مذہبی قومیت کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ بخلاف بنگلہ دیش کے کہ وہ علاقہ مشرقی بنگال کے نام سے موسوم تھا، مشرقی پاکستان کے نام سے۔ اب دو قومی نظریہ پاکستان کا خون کرنے کے لئے پہلے مذہبی قومیت کے مقابلے میں لسانی قومیت کی تحریک چلائی گئی۔ پھر اس کا نام لسانی قومیت کے شاہکار کی حیثیت سے بنگلہ دیش رکھا گیا۔ لہٰذا بنگلہ دیش لسانی قومیت کی ایک تحریک اور مذہبی قومیت کے خلاف سازش ہے جس کو قبول کرنے کے بعد نظریہ پاکستان اور مذہبی قومیت کی اپنی ہی نفی ہو جاتی ہے

جس طرح بت کو سجدہ کرنے سے توحید کی نفی۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی حمایت کرنے والوں کی طرف سے اب تک جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ عام طور پر نہایت سطحی ہیں اور ان کا طریقہ استدلال غلط فہمی پر مبنی ہے۔

ا۔ یہ دلیل عام طور پر پیش کی جاتی ہے کہ بنگلہ دیش اب ایک حقیقت بن گیا ہے جسے دنیا کے بیشتر ممالک نے تسلیم بھی کر لیا ہے اس لئے پاکستان کو چاہئے کہ وہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرے۔

اس دلیل میں کوئی وزن اور صداقت نہیں ہے کیونکہ دنیا میں بہت سی باطل حقیقتیں اپنی جگہ حقیقتیں ہیں مگر کسی طرح قابل قبول اور لائق تسلیم نہیں ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اسرائیل نامی ایک حکومت بیس بائیس سال سے جغرافیہ عالم پر قائم ہو چکی ہے اور دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں، اسے تسلیم کر کے اس کی سرپرستی بھی کر رہی ہیں اور مزید یہ کہ ترکی، ایران اور عراق جیسے اسلامی ملکوں نے بھی اسے تسلیم کر لیا ہے مگر ابھی تک پاکستان نے اس جیتی جاگتی حقیقت کو تسلیم نہیں کیا اور تسلیم نہ کرنے میں وہ حق بجانب بھی ہے۔ کیونکہ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے دنیا کے عام مسلمانوں کے دینی وقومی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اسلامی اخوت کے اصول کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔

اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بھارت نے بہت سے مسجدوں کو رہائشی مکانوں اور مویشیوں کے اصطبلوں میں تبدیل کر دیا ہے اور دوا گذار ہونے کی بھی کوئی توقع نہیں ہے۔ کیا کوئی غیرت مند مسلمان اس حقیقت کو تسلیم کر کے تبدیل شدہ صورت کو جائز قرار دے سکتا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہماری ہزاروں مائیں، بہنیں اور بیٹیاں مشرقی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ان کے گھروں میں ناجائز بچوں کی مائیں بھی بن چکی ہیں! کیا کبھی کسی مسلمان نے اس طرح غور کرنا پسند کیا ہے کہ چونکہ یہ ایک حقیقت بن چکی ہے لہٰذا اس حقیقت کو تسلیم کر کے انہیں ہندوؤں اور سکھوں کی جائز بیویاں قرار دیا جائے۔ علیٰ ہذا بنگلہ دیش بھی ایک حقیقت ہے جو نظریہ پاکستان کے خلاف لسانی قومیت کی بنیادوں پر بھارتی جارحیت کے ذریعہ وجود میں آئی۔ مگر یہ حقیقت ہمارے اصول اور مذہبی قومیت والے نظریہ

پاکستان کے خلاف ہے اس لئے اس کو تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رہی یہ بات کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں نے اور بیشتر ممالک نے اسے تسلیم کرلیا ہے یہ بھی نہایت مہمل اور غلط استدلال ہے کیونکہ مذہبی قومیت کی بنیاد پر ایک الگ اسلامی ملک یعنی پاکستان کا محض مطالبہ ہی دنیا کی تمام نا دینی طاقتوں کی نگاہ میں عموماً اور بڑی طاقتوں کی نظر میں خصوصاً ابتدا ہی سے کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ انہیں خطرہ تھا کہ مذہبی قومیت کی بنیاد پر اسلامی ملک کے وجود سے وحدت اسلامی، خلافت اسلامیہ اور اسلامی بلاک کا عام رجحان پیدا ہو جائے گا پھر دنیا کے وہ بیشتر ممالک جنہوں نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیا ہے اس اقدام سے ان کا کوئی شعوری اور ملکی اصول نہیں ٹوٹتا بلکہ ان کی اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کی روایت کے عین مطابق ہے لیکن وہ پاکستان جس کا وجود ہی مذہبی قومیت کے تصور اور عقیدے سے پایا ہو وہ کس طرح لسانی قومیت کے تراشے ہوئے بت کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔

۲۔ بنگلہ دیش کی حمایت کے سلسلے میں بعض افراد نے دوسروں کو بے وقوف بنانے کے لئے لاہور میں پاس ہونے والی سنہ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کی آڑ لینے کی کوشش کی ہے اس قرارداد میں مشرقی و مغربی دو پاکستان کا تصور پیش کیا گیا ہے گویا کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا قرارداد پاکستان کے تقاضے کو پورا کرتا ہے اور اس اصول پر عمل کرتا ہے۔ حالانکہ قرارداد پاکستان سے مشرقی و مغربی دو الگ پاکستان کا وجود ثابت کرنا قرارداد میں تحریف اور خیانت کے مترادف ہے جبکہ خود قائد اعظم مشرق و مغرب کو ایک کرکے کل پاکستان کے پہلے سربراہ بھی رہ چکے ہیں اور اگر بالفرض قرارداد کی آڑ میں یا قرارداد سے ہٹ کر دو الگ اور خود مختار پاکستانوں کا قیام عمل میں بھی لایا جائے تب بھی اس سے ہمارا مذہبی قومیت والا نظریہ پاکستان مجروح نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ نظریہ پاکستان کی بنیاد پر قائم ہونے والے دو ایسے ملک ہیں جن دونوں کی بنیاد ایک یعنی مذہبی قومیت ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ بنگلہ دیش مشرقی پاکستان کی طرح کا ملک ہے۔ اور بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مشرقی پاکستان کو تسلیم کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کی بنیاد وہی نظریہ پاکستان

تھی اور بنگلہ دیش کی بنیاد لسانی قومیت ہے اگر آج بھی شیخ مجیب الرحمٰن بھارت کی دی ہوئی لسانی قومیت کو چھوڑ کر اپنے علاقے کا نام مسلم بنگال یا مشرقی پاکستان رکھیں تو اس کو الگ ملک تسلیم کرنے سے ہمارے نظریہ پاکستان پر کسی قسم کی آنچ نہیں آتی اور بنگلہ دیش کے نام سے اس کو الگ ملک تسلیم کرنے سے ہمارے فلسفۂ قومیت کی نفی ہو جاتی ہے۔

۳۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے حق میں بعض سادہ لوح رہنماؤں نے اس طرح کا استدلال بھی پیش کیا ہے کہ مشرقی پاکستان سات کروڑ کی آبادی کا ملک ہے۔ وہ اگر پاکستان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا تو زبردستی ساتھ رکھنا اور انہیں آزادی نہ دینا عالمی سیاست اور انسانی منشور کے خلاف ہے لہٰذا بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا ایک علاقے یا صوبے کے باشندوں کے جذبات آزادی کا احترام کرنا ہے۔

اس قسم کا استدلال وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو آزادی ہند اور قیام پاکستان کی تحریک سے بالکل ناآشنا ہیں اور جذبات سے کھیلنے والے الفاظ کے پردے میں دیدہ و دانستہ اصل حقائق کو چھپانا چاہتے ہیں۔

دراصل ہند اور قیام پاکستان دو الگ الگ حقیقت ہیں اور دونوں کے لئے الگ الگ تحریکیں چلائی گئیں۔ انگریز کی غلامی سے گلو خلاصی کا نام آزادی ہند ہے اور تیس کروڑ ہندوؤں کی غلامی سے دس کروڑ مسلمانوں کی نجات کا نام قیام پاکستان ہے۔ فرنگی اقتدار کے خلاف آزادی ہند کی تحریک مشترکہ تھی جس میں قربانیاں دینے میں مسلم قوم ہندو سے زیادہ پیش پیش تھی مگر جب برصغیر کی آزادی کا چارج لینے کا وقت آیا تو مسلم قوم کو آزادی سے محروم رکھنے کے لئے ہندو قوم نے آزاد ملک کا چارج بلاشرکت غیرے تنہا اپنے ہاتھ میں لینے کی سازش کی۔ پھر ہندو کی غلامی سے آزادی کے لئے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ایک اور تحریک چلی اور وہ تنہا مسلم قوم کی تحریک تھی جس میں برصغیر کے مسلمان اکثریت والے علاقوں نے بھی حصہ لیا اور مسلم اقلیت والے علاقوں نے بھی بلکہ مشرقی پنجاب کے سوا تمام مسلم اکثریت والے علاقوں نے عام طور پر صرف بھرپور حمایت کی اور مسلم اقلیت والے علاقوں کی زمین شہداء پاکستان کے خون سے سرخ

ہوگی تحریک پاکستان کی یہ خصوصیت کسی مرحلے پر بھی نظرانداز نہیں کرنی چاہیے کہ مسلم اکثریت والے علاقوں کو ایک متحدہ اسلامی وطن بنانے کی جدوجہد اور خونیں جنگ ان اقلیت والے علاقوں میں بھی لڑی گئی ہے جو پاکستان کے نقشے میں شامل نہیں تھے۔

چنانچہ ہندوستان کی آزادی ہندو مسلم مشترکہ جدوجہد سے حاصل ہوئی اور برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان کی صورت میں جو آزادی ملی وہ تنہا برصغیر کی پوری مسلم قوم کی جدوجہد سے حاصل ہوئی۔

گویا مشرقی و مغربی پاکستان کے قیام میں پوری دس کروڑ مسلم قوم کا مجموعی خون شامل ہے اور وہ پوری مسلم قوم کی مشترکہ امانت ہے اب کسی صوبے اور کسی ضلع کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دس کروڑ مسلمان کی قربانیوں سے حاصل شدہ ملک کے کسی حصے کو خودمختار اور الگ ریاست بنانے کیونکہ مشرقی و مغربی پاکستان کی جنگ یوپی سی پی، مدراس اور بہار میں بھی لڑی گئی تھی۔ مشرقی و مغربی حصوں کو پاکستان بننے کا شرف ان لاکھوں شہداء کے خون کی بدولت حاصل ہوا ہے جو مشرق و مغرب سے زیادہ اقلیت والے علاقوں میں بہایا گیا تھا۔ اب کسی حصہ کو آزاد ریاست کی حیثیت دینا کسی کالونی کو آزاد کرنے کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ پاکستان کو توڑ دینے کے مترادف ہے۔

غرضیکہ بنگلہ دیش پاکستان کو نظریاتی طور پر ختم کرنے کی بھارتی سازش اور لسانی قومیت کی تحریک کا نام ہے اس کو ملک سمجھ کر تسلیم کرنے کا ارادہ کرنا پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے مترادف ہے اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی بڑی تعداد اب تک بنگلہ دیش کی حامی نہیں ہے اور وہ اب تک مذہبی قومیت اور نظریہ پاکستان کے پرستار ہیں۔ اگر بنگلہ دیش کو تسلیم کرکے ملک کی مذہبی قومیت کا سودا کر لیا گیا تو مغربی پاکستان کے وجود اور تقسیم ہند کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا اور پھر کشمیر کا فیصلہ قدرتی طور پر بھارت کے حق میں ہو جاتا ہے لہٰذا کوئی سیاسی پارٹی یا ملک کا کوئی سربراہ حتیٰ کہ قومی اسمبلی بھی اس کی مجاز نہیں ہے کہ وہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرکے ملک کے وجود کی بنیادوں کو مسمار کر دے۔

اس سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بھارت کے ساتھ تعلقات استوار نہ کئے جائیں یا ان سے تجارتی و سفارتی مراسم ترک کئے جائیں! بلکہ ہمارا ابتدا ہی سے یہ خیال رہا ہے کہ دونوں ملکوں کے مابین مستقل اور پائیدار امن کے بغیر دونوں ملک ترقی نہیں کر سکتے۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ دونوں ملک ایک دوسرے کی ملکی سرحدوں اور نظریاتی بنیادوں کو دل سے قبول کر لیں اور تقسیم ملک سے پیدا ہونے والی تلخیوں کو سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے نہ بڑھائیں۔

تقسیم ہند کی تاریخ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے آج تک بھارت کے سیاسی نیتاؤں نے مذہبی قومیت والے نظریہ پاکستان کو تسلیم نہیں کیا جس کی بناء پر ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان وجود میں آیا۔ گویا بھارت کی نظر میں مذہبی جذبات کے ہنگامی اور عارضی ابھار سے پاکستان بن گیا ہے۔ وطنی و لسانی امتیاز کو ہوا دینے سے یہ گھروندا بیٹھ جائے گا چنانچہ بھارت نے بڑے پیمانے پر پاکستان میں لسانی قومیت کا پروپیگنڈہ کرایا اور پھر مسلح جارحیت سے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیا اب بھی پاکستان کی طرح اگر بھارت کی بھی واقعی خواہش ہے کہ دونوں ملک پائیدار امن کے ساتھ ساتھ مل کر ترقی کریں تو اس کو بنگلہ دیش کے مسئلے سے دستبردار ہو کر کھلے دل سے دوستی کی تجدید کریں اور ایک دوسرے کے نظریاتی حدود کا احترام کریں۔ اگر بھارت غیر ملکی طاقتوں کے گھمنڈ میں پاکستان سے پائیدار دوستی ضروری نہیں سمجھتا تب بھی اپنے بنیادی اصول اور نظریات کا سودا کسی قیمت پر نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اپنے بنیادی نظریات پر ڈٹے رہیں، راہ کی مشکلوں کو جھیلیں اور امید رکھیں کہ ایک دن بنگلہ دیش ہند کی غلامی سے نکل کر پھر پاکستان کے ساتھ شامل ہو جائے۔

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

خطیب اسلام، عالم ربانی
حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی یاد

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے اولیں کاروان علم و عزیمت کے سرخیل تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے سپوت اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد خاص اور دست راست تھے۔ تحریک پاکستان میں اور قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے اسلامی تشخص کے قیام و تحفظ اور دینی اقدار کی بالادستی کے لئے اہل حق کی جدوجہد کے موضوع پر کوئی مورخ جب بھی قلم اٹھائے گا یا محض دین کی آبرو کے لئے حاکمان وقت سے عالمانہ وقار اور استقامت کے ساتھ اختلاف کرنے والے مرد حق کا جہاں کہیں بھی کوئی تذکرہ کرنا چاہے گا مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کا اسم گرامی تاریخ کے افق پر آفتاب و ماہتاب کی مانند چمکتا ہوا نظر آئے گا۔ قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد جو دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد کی منظوری پر منتج ہوئی، اسلامی نظام کی متفقہ اساس فراہم کرنے کے لئے ملک کے اکتیس جید دینی زعماء کو جمع کرکے بائیس اسلامی نکات مرتب کروانا، رویت ہلال کی شرعی اہمیت کو تسلیم کرانے کے لئے وقت کے آمروں اور وزیروں کے سامنے خم ٹھونک کر ڈٹ جانا اور اس جدوجہد کے نتیجے میں سرکاری سطح پر رویت ہلال کمیٹی کا قیام پھر مولانا مرحوم کا اس کا پہلا سربراہ مقرر کیا جانا اور حسن صوت اور لحن داؤدی سے تلاوت قرآن کے ساتھ والہانہ پیار اور تقریر کا درد و شوق فراواں حضرت مولانا مرحوم کی وہ خصوصیات ہیں جن سے کوئی بھی صرف نظر نہیں کرسکتا۔

امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ذکر و بیان انہیں جان سے عزیز تھا چنانچہ انہوں نے جان بھی بیان سیرت النبی کے سفر تبلیغ میں جان آفریں کے سپرد کی۔ . .

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارو رسن کہاں

آج سے ٹھیک انیس سال پہلے بھارت کے صوبہ مدراس میں وہ مسلسل جلسہ ہائے سیرت سے خطاب کر رہے تھے کہ پیغام اجل آ گیا اور ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء کو ان کی روح جسم کا ساتھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتوں کے ساتھ چلی گئی۔ ان کی یاد میں ۱۱ اپریل بروز اتوار خطیب اسلام حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی کی زیر سرپرستی تحریک انصار الاسلام ایک عظیم الشان خطیب اسلام کانفرنس کا اہتمام کر رہی ہے اس موقع پر نور نظر تو مولانا مرحوم کی یاد میں لکھی گئی جناب قاری محمد مسلم غازی صاحب کی نظم اور قطعات شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

عبدالرشید انصاری

بیاد مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم و مغفور

حلقۂ دین و شریعت ہے اداس
آج ہر ایک فرد ملت ہے اداس

واعظ شیریں بیاں رخصت ہوا
کیا کہوں کیوں ہر طبیعت ہے اداس

منبر و محراب مسجد سوگوار!
محفل وعظ و نصیحت ہے اداس

اے خطیب وقت رحلت پر تری
آج خود فن خطابت ہے اداس

محفلیں نوحہ کناں ہیں تجھ پہ آہ
بزم آرا تجھ پہ جلوت ہے اداس

کوچۂ اہل وفا تاریک ہے!
زمرۂ اہل محبت ہے اداس

ہر طرف ہے شور ماتم آہ آہ
آنکھ گریاں اور بصارت ہے اداس

کون ذکر سرور عالم کرے
اجتماع ذکر سیرت ہے اداس

روشنی دے کر ستارہ چھپ گیا
غازی خستہ کی قسمت ہے اداس